رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شررؔ مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر — بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۳ء — جلد ۳

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق مینجر اور پرنٹر و پبلشر دلگداز

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان میں

چھپ کے شایع ہوا

چندہ سالانہ (عہ) مع محصول ڈاک

کارخانہ عطر [illegible] لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں)

عطر کے لئے لکھنؤ مشہور ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جو عطر ہے وہ باہر والوں کو نہیں ملتا کیونکہ کمیشن ایجنٹ [illegible] نوکروں کے [illegible] اور ان کے ذاتی فضول کا خمیازہ [illegible] غریبوں کو اٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے منگانے اور [illegible] خریدنے پر مجبور ہیں اور اشتہار دینے والوں کی حالت ہے کہ روپیہ کا مال دو کو اور کبھی چار کو بھیج دیتے ہیں۔ یہ تمام خرابیاں [illegible] کے ذمہ لیا ہے کہ جو صاحب فرمائیں ان کے لئے معتبر اور مستند کارخانوں کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کر کے مال بخوبی جانچ کر اور [illegible] کر کے روانہ کر دیا کریں جس کا نہایت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے۔

عطر کے شائق

ایک بار امتحاناً منگوا کر دیکھ لیں [illegible] آپ کو معلوم ہو جائے گا کیسا اچھا عطر اور کن داموں کو ملتا ہے

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ	عطر پارٹی فی تولہ	عطر عروس فی تولہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]
روح موتیا [illegible]	بیلا [illegible]	برگ حنا [illegible]
چمیلی [illegible]	مجموعہ [illegible]	راحت روح [illegible]
کیوڑا [illegible]	جوہی [illegible]	سہاگ [illegible]
خس [illegible]	شگفتہ [illegible]	جھمکہ [illegible]
نفد [illegible]	چمپا [illegible]	روح پارٹی [illegible]
مولسری [illegible]	سیوتی [illegible]	حنائی [illegible]
اگر غرقی کہنہ [illegible]	اگر غرقی کہنہ [illegible]	روح گلاب اعلیٰ [illegible]
روح خس اعلیٰ [illegible]	ناگیسر [illegible]	شمامہ [illegible]
مخلوط اصفی [illegible]	مخلوط عنبری [illegible]	محبوب پسند [illegible]

خوشبودار تیلوں کی فہرست ملاحظہ ہو

روغن چمیلی فی سیر [illegible]، روغن بیلا فی سیر [illegible]، روغن کیوڑا فی سیر [illegible]، روغن حنائی فی سیر [illegible]

اعلیٰ درجہ کا خوشبودار عمدہ بامزہ تمباکو

زردہ تمباکو مشکی فی سیر [illegible]، قوام مشکی فی تولہ [illegible]، گولیاں تمباکو مشکی طلائی فی تولہ [illegible]

ایضاً زعفرانی [illegible]، ایضاً زعفرانی [illegible]، نقرئی فی تولہ [illegible]

نوٹ:- درخواست آتے ہی ویلیو پے ایبل روانہ ہوگا۔ اور روانگی مصارف ڈاک ذمہ خریدار

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق مہتمم دواخانہ کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نیا سال اور نئی امیدین

سنہ ۱۹۲۹ء چپکے ہی چپکے رخصت ہوگیا اور اُسکی جگہ آج نظام عالم سنہ ۱۹۳۰ء نے لے لی ہے۔ اس موقع پر بحیثیت ایڈیٹر رسالہ ہمارا فرض ہے کہ گذشتہ ایک سال کے تمام واقعات عالم پر غائر نظر ڈالین اور غور سے دیکھین کہ کیا ہوا اور اُسکے کیا نتائج ہین۔ مگر افسوس عالم کے تغیر و تبدل کو سمجھنا بلکہ یاد رکھنا درکنار ہم صرف اپنی زندگی کے حالات کو بھی ٹھیک ٹھیک نہین یاد کر سکتے۔ آج سنہ ۱۹۳۰ء ہمارا نیا مہمان آیا ہے اور ہم سے ہماری گذشتہ لایف کو دریافت کرتا ہے۔ لیکن ہم حسرت سے کھڑے اسکی صورت دیکھ رہے ہین اور کچھ نہین یاد آتا کہ اُسے کیا بتائین اور کن الفاظ مین اُسے اپنی رام کہانی سنائین۔

اے سنہ ۱۹۲۹ء ہم باوجود گذشتہ سالون کے وسیع تجربون کے تیری قدر ویسی نہ کر چکے جیسی کہ بار بار زک اُٹھا چکنے والے شخص کو کرنا چاہیے تھی۔ ہمین چاہیے تھا کہ تیرا دامن مضبوطی سے پکڑتے اور تیرا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ زمانہ گذشتہ سالون کے تجربہ کی بنا پر اچھی طرح سے گذارتے مگر افسوس ہم ایسا نہ کر سکے اب کیا تھا جو زمانہ گذرنا تھا گذر گیا۔ اور اب کبھی تیرا دامن ہمارے ہاتھ مین نہین آسکتا لہذا اب پچھتانا بیکار ہے۔

اے سنہ ۱۹۳۰ء آ۔ اور ہماری سرگذشت سُن! تیرے پیش رو سنہ ۱۹۲۹ء کے زمانہ مین باوجود کچھ نہ کر سکنے کے ہمنے اپنی حیثیت سے زیادہ بہت سے علمائے اسلام کا نام عام پبلک کو یاد دلایا سلف کے اکثر قابل تقلید و اتباع بزرگون کے کارنامے دکھلائے اخلاقی و معاشرتی حیثیت سے بھی ایسے ایسے مضامین لکھے جنکی تعریف اپنے قدردانون سے سُنی اور مستحق انعام بنے۔ مگر اس معاملے مین اپنا فیصلہ کرنے والے ہم خود نہین ہو سکتے۔ یہ کام پبلک کا ہے اور اسی پر یہ فیصلہ چھوڑا جاتا ہے۔ ہم تو یہی کہین گے کہ ہم پورے سال بھر کچھ نہ کر سکے۔ اور تیرے پیش رو کا زمانہ بھی گذشتہ بہت سے سالون کی طرح لہو و لعب مین گذار دیا۔

اتنا گذشتہ حال لکھکے اب ہم اے سنہ ۱۹۳۰ء تیرا خیر مقدم ادا کرتے ہین۔ اور اپنے تمام دوستونکو بتائے دیتے ہین کہ وہ ہمین تیرے عہد مین تیرے پیش رو سنہ ۱۹۲۹ء کی بہ نسبت زیادہ کامیاب دیکھین گے۔

اس سال مین ہم ناول "فیروز شاہ" جسکی داغ بیل گذشتہ سال ہی مین پڑ چکی تھی اور حقیقت مین یہ اسی سال کے آخر حصہ کا کارنامہ تھا۔ ناظرین کی دلچسپی کے واسطے پیش کرین گے خیال تھا کہ یہ ناول شروع فروری مین "دلگداز" کے اس سال کے چندہ پر وی پی کر دیا جائیگا۔ مگر چونکہ اس کا حجم بڑھ گیا ہو لہذا اس قلیل مدت مین اسکے تیار ہونیکی امید نہین ناظرین دو ہفتہ تک اور صبر کرین اور اس کا انتظار ۱۵ فروری کے بعد کرین۔ ہمین امید کامل ہو کہ یہ ناول ۱۵ فروری تک تیار ہو جائیگا اور اسکے بعد ہی یا دو ایک روز قبل روانہ ہونا شروع ہو جائیگا۔ یہ ناول بطور ہدیہ ہوگا۔ گر چونکہ چندہ "دلگداز" سنہ ۱۹۳۰ء اسی کے ذریعے سے وصول ہوگا۔ لہذا وی پی کا حساب حسب تفصیل ذیل ہوگا۔

چندہ "دلگداز" ۱۹۳۰ء ۔ ۸ عہ/ محصول ناول و فیس رجسٹری ۴/ جملہ ۱۲ عہ/

خریداران "دلگداز" نوٹ کرلین اور وسط رمضان شریف مین اس ناول کو پڑھکر محظوظ ہون۔

کمسنی کی شادی

(یہ مضمون مولانا شرر مرحوم نے آج سے اُنتالیس (۳۹) سال پہلے لکھا تھا جو آجکل کے زمانہ کے موافق ہے لہذا ہم ناظرین کی آگاہی کے واسطے بجنسہٖ نقل کئے دیتے ہین)

لوگ غفلت مین پڑے تھے اور آخر کار اس منحوس بل نے ایک قانون کے قریب قوت پیدا کرلی کہ کم سنی کی شادی مین گورنمنٹ کو دخل دہی کا موقع ملے۔ بیشک یہ صحیح رائے ہے کہ جس غرض سے یہ قانون پاس کیا جاتا ہو وہ غرض موجودہ قانون سے بھی پورے طور پر حاصل ہوسکتی ہے۔ خدا جانے پھر کیون رعایا کی اخلاقی اور مذہبی رسوم مین دخل دہی کی جرأت کیجاتی ہے یہ رسم مسلمانون مین بہت کم ہی ہندؤن مین اور وہ بھی خاصکر بنگال مین زیادہ ہو اور اکثر شرفا کے ہان کبھی کبھی ایسے واقعات پیش آجاتے ہین جس کا نتیجہ اب یہ ہوگا کہ وہ پورا شریف خاندان عدالت مین قانونی قوت سے کھینچ بلایا جائے گا۔ ماں بہنین اور دیگر قرابتدار عورتین ایک مجسٹریٹ کے سامنے کھڑے ہوکر اظہار دینگی۔

اسی کو ہمارے تعلیم یافتہ دوست چاہتے تھے اور اب اُنکی مراد پوری ہوگئی۔ شاید کوئی فخر اُن کے لئے کہین حاصل ہوگیا جب اُنھون نے اپنی قوم کے تمام شرفا کی آبرو ریزی کردی، ساری قوم کی ناک کٹجانے کے بعد اگر کوئی شخص خیال کرے کہ اُسکی ناک بچ گئی تو یہ اُسکی غلطی ہے۔

ہمارے نزدیک ہندوستان کے لئے یہ عبرت کا وقت ہے اور شاید گورنمنٹ کی طرف سے اس سے زیادہ سخت حملہ ہماری خاندانی عزت پر کبھی نہین ہوا تھا۔ گورنمنٹ کا یہ پہلا قدم ہے جو ہندستانیون کے گھرون مین آتا ہے اور جسکے بعد شاید بہت سے شریفون پر کبھی ایسا وقت ضرور آجائے گا کہ اگر اُن کی رگون مین اُن کے بزرگون کا خون ہے اور اُن کے دلون مین اُن کے بزرگون کی سی غیرت و حمیت ہے تو اُن کو سوا خودکشی کے اور کسی چیز کے دامن مین پناہ نہ ملے گی۔ ہندستانی شرفا کی عورتین یورپ کی عورتین نہین ہین، یہ عورتین وہ ہین کہ ان کی ہوا تک کسی نامحرم تک نہ پہونچنے پاتی تھی۔ جنکی آواز سننا سوا اُن کے قریب عزیزون کے اور کسی کو نہ نصیب ہوا ہوگا۔ اُنھین عورتون کے لئے یہ قانون پاس کیا جاتا ہے کہ وہ کسی موقع پر بسر عدالت حاضر ہوکے جوابدہی پر مجبور کیجائین۔ ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ ملک کی طرف سے اتنا سکوت کیون ہے۔ اور کیون پوری قوت سے اِس قانون کا مقابلہ نہین کیا جاتا۔

اگرچہ مسلمان بظاہر اسباب اِس قانون سے اپنا تعلق بہت کم پاتے ہین لیکن اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی ایسا موقع ضرور پیش آجائیگا۔ جب وہ بھی اِس آفت مین ضرور مبتلا ہوجائینگے علاوہ برین جو مصیبت اُن کے دوست ہندؤن پر آئے اُس سے اُنھین اپنے تئین بچا ہوا نہ خیال کرنا چاہئے۔

ابھی زیادہ زمانہ نہین گزرا کہ صرف اتنی بات پر کہ انگریز عورتون کو ہندستانی مجسٹریٹ کے سامنے بار بار آکے کھڑا ہونا پڑیگا۔ یوروپین جماعت مین کیسی کیسی بڑی ہائے ہائے پڑ گئی تھی۔ معزز یوروپین لیڈیون کو بیتاب ہو ہوکے روتے ہم نے بھی دیکھا تھا لیکن اُسکے مقابلہ مین آج ہمارے ملک کی عورتون کی عصمت پر اتنا بڑا داغ لگایا جاتا ہے۔ اور ہم خاموش بیٹھے ہین۔ بیشک اس قانون کا بہت بُرا نتیجہ ہونیوالا ہے بڑے غضب کی بات ہے کہ چند اپنی حیثیت بھول جانے والے نوجوانون کے خیال کے مطابق ہندستان کی عام شریف سوسائٹی کو اتنا بڑا صدمہ پہونچا دیا جائے۔ مسٹر ملیباری ایک پارسی شخص ہین اُنھون نے صرف اپنی پارسی عورتون کو دیکھا ہے جو تماشون، تھیٹرون اور سیر و گلگشت کی اُن سے زیادہ شایق ہین ہندؤن کی عورتین (خدانخواستہ) ایسی نہین ہین اُن مین عصمت ہے اور اُن مین تمام اوصاف ہین جو ہندؤن کے مذہبی قانون کے بموجب ایک شریف زادی مین ہونے چاہئے وہ اپنے باپ بھائی شوہر اور بیٹے کی پوری مطیع و فرمانبردار ہین وہ ہرگز پسند نہ کرینگی کہ اپنے محرمون کی اطاعت سے نکلکر اخلاقی دنیا مین گورنمنٹ کی اطاعت کرین

خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں مسلمانونکی علمی ترقی[1]

(از جناب مولوی محمد شفیع الدین خان صاحب ایم۔ اے۔ ایس)

انصاف سے دیکھا جائے تو آج دُنیا مین جسقدر علوم و فنون کی گرم بازاری ہے وہ سب مسلمانون کے طفیل مین ہی۔ انھون نے اپنے زمانہ مین جہان اور امور عالیہ کی جانب توجہ کی وہان علمی اشغال کو بھی لیا۔ تاریخین دیکھو کہ یورپ جو موجودہ زمانہ مین علمی دنیا کا سرتاج ہو رہا ہی یہ سب مسلمانون کا طفیل ہے اور پروفیسر رینان۔ پروفیسر سدیو۔ ڈاکٹر ڈراخو ڈی ساسی وغیرہم بڑے بڑے مستشرقین اس امر کا اعتراف کر چکے ہین کہ ہمنے جو کچھ جانا اور سیکھا سب مسلمانون سے۔

ہم یہان صرف یہ دکھلانا چاہتے ہین کہ اسلام کے نامدار خلیفہ مامون الرشید عباسی کے وقت مین مسلمانون کی علمی ترقی کی کیا حالت تھی اور آگے چل کر وہ کیسی سرسبز ہوئی۔ منصور و ہارون الرشید وغیرہ نے مدینۃ السلام بغداد مین اگرچہ ہر طرف علمی چشمے جاری کر دیے تھے لیکن عروج پر پہونچانا خلیفہ مامون الرشید کا کام تھا۔ اسلیے خصوصیت سے یہ تذکرہ نامناسب نہین ہے۔

لٹریری کلب (علمی مجلس) خلیفہ مامون رشید کا ایجاد ہی جہان علماء و فضلاء و عوام جمع ہو کر مختلف مضامین پر بحث کیا کرتے تھے۔ دنیا کے ہر حصہ مین مختلف اقسام کے علمی کلب جو جاری ہین وہ سب مامونی کلب کے نمونہ پر ہین۔ اسکے علاوہ کتب فروشی بھی معراج کمال پر تھی اور یہ تاجران کتب محض سوداگر ہی نہین ہوتے تھے بلکہ خود صاحب تصانیف بھی تھے۔ ان کے کارخانون مین طلباء اور علماء کا ہجوم رہتا تھا اور لوگ آزادی کے ساتھ ہر قسم کی بحثون مین مشغول نظر آتے تھے۔ فن کتابت کو بھی نہایت ترقی تھی یہان تک کہ بعض کتابین سو دینار تک فروخت ہوتی تھین۔ مامون رشید کے وقت مین صرف و نحو۔ علم فصاحت۔ ادب۔ جغرافیہ۔ تاریخ۔ احادیث وغیرہ پر بیشمار تالیفات ہوئین اور خصوصاً فلسفہ و سائنس مین جو ترقی ہوئی اُسکا اثر آجتک باقی ہی۔ مؤرخ سیدی یو (فرنچ) لکھتا ہے۔

> خلیفہ مامون رشید عباسی کے زمانہ مین ترقی ادب۔ قیمتی ایجادون کا وجود اور غرض ہر شعبہ علمی و عملی مین کمال اس بات پر مجبور کرتا ہی کہ ہم مسلمانونکو اپنا اُستاد مانین۔ ایکطرف تو اُنھون نے وسط زمانہ کی تاریخ جغرافیہ سیر و سیاحت

---

[1] مضمون ہذا مین مندرجہ ذیل کتب سے امداد لی گئی ہے۔
تاریخ اسلام (ڈاکٹر سید امیر علی صاحب) تاریخ الخلفاء (علامہ سید جلال الدین سیوطی) صناجتہ الطرب فی تقدمات العرب (علامہ نوفل آفندی)

اور لوگون کے حالات سے ہمکو مطلع کیا ہو اور دوسری جانب صنعت و حرفت انجینیری
اور دیگر فنون سے آگاہی بخشی ہو۔

ماموں نی زمانہ کا عالم ابو موسیٰ جعفر کوفی موجودہ علم کیمیا (کیمسٹری) کا بانی ہے اُسکے بعد
اور لوگون نے بھی اسی علم مین ترقی کی اور موجودہ زمانہ کے علماء یورپ کس قدر متعجب ہوتے ہین کہ
مسلمانون کا دماغ کیسا روشن اور زبردست تھا کہ انھون نے ایسا علم ایجاد کیا طب اور جراحی کو
تو کمال پر پہونچا دیا تھا اُنھون نے علم الدوا (فزک) ایجاد کیا۔ اور سپتالون و دواخانون کی بنیاد
رکھی۔ موجودہ شفاخانے و دواخانے اسی نمونہ کے ہین علم نباتات (بوٹانی) کی علمی تعلیم کے واسطے
بغداد اور دوسرے بڑے بڑے شہرون مین وسیع باغات لگائے گئے تھے اور علماء وہان تحقیقات
کرتے تھے۔

اُس علمی تحریک کی وجہ سے جو نوین صدی مین علم کو درجۂ کمال پر پہونچانے مین کامیاب
ہوئی تھی، مسلمانون کو سیر و سفر کا شوق ہوا اور انھون نے جغرافیہ و سیر و سیاحت مین وہ بیش بہا کتابین
تالیف کین جنپر یورپ باوجود ادعاء تحقیقات ناز کر رہا ہو۔ ان بزرگون مین مسلم بن حماد جعفر بن احمد (مروزی)
ابن فضلان۔ ابن خرداذبہ۔ جیہانی۔ مسعودی۔ اصطخری۔ ابن حوقل۔ البیرونی۔ یاقوت حموی البکری (اندلسی)
ادریسی کے نام بحیثیت جغرافیہ دانان مشہور ہین اور اکثر تصانیف ان کی یورپ کے مطبعون مین چھپ گئی ہین
بیرونی نے ہندوستان کا سفر کیا اور یہان رہکر سنسکرت زبان مین بہت بڑا تبحر پیدا کر لیا۔ اُسنے
ایک نہایت بیش قیمت کتاب الہند[1] لکھی ہے جسمین ہندوستان کے جغرافی و طبعی حالت کو شرح و مفصل
بیان کیا ہو اس کتاب کو جرمن مستشرق ڈاکٹر زاخو نے بہت محنت سے تلاش کر کے
مع مفصل حواشی شائع کیا ہے۔

حکیم ناصر خسرو علوی اصفہانی بھی بہت بڑا سیاح ہوا ہے۔ وہ سنہ ۱۰۴۶ع مین مرو سے
روانہ ہوا اور نیشاپور۔ قم۔ تبریز۔ حلات۔ میافارقین حلب ہوتا ہوا شام پہونچا۔ اور طائر۔ سیدن۔
بیروت۔ بیت المقدس کی سیر کرکے مصر اور وہان سے حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا
سفر نامہ نہایت دلچسپ ہے[2]۔

علامہ بلاذری کی بیش بہا تصانیف قابل قدر ہین۔ فتوح البلدان۔ (تاریخ[3]) اپنی تحقیق

---

[1] الہند لیوزک اینڈ کو لندن کے ہان سے ملسکتی ہو ۱۲ [2] حکیم ناصر خسرو کے سفرنامہ کا ترجمہ مین نے شروع کر دیا ہے ۱۲ [3] یہ دونون کتابین ہالینڈ کے مطبع برل مین چھپ گئی ہین ۱۲۔

و کمال کے ساتھ لکھی ہے کہ بے اختیار دل سے تحسین نکلتی ہے اور اُسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب اس فن مین کیا مرتبہ رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ہمدانی۔ طبرمی۔ ابن آلاطہر۔ مقریزی۔ ابن خلدون و ابوالفدا، کی تارخین بھی اسی پایہ کی ہین۔ شکر ہے کہ انمین سے بعض کتابین ہالینڈ کے مشہور مطبع برل مین طبع بھی ہوگئی ہین۔

مسعودی، اسلام کا مشہور زبردست جغرافیہ دان ہے۔ اس کی لاجواب کتاب مروج الذہب یادگار زمانہ ہے۔ دوسری تصنیف مرأۃ الزمان بھی عجیب ہے۔

ابن الاطہر نے تاریخ الکامل ایک بے نظیر و نادر تاریخ لکھی ہے۔ یہ بھی یورپ مین طبع ہو گئی ہے۔

سائنس کی مختلف شاخون مین بھی اہل عرب نے کمال حاصل کیا۔ مامون رشید کے زمانہ مین سنید بن علی۔ یحییٰ بن ابی منصور۔ خالد بن عبدالملک ایسے فخر روزگار ہندسہ و ہیئت دان گذرے ہین کہ ان کا جواب نہین۔ دشوید۔ گرہن۔ سیارون اور اجرام فلکیہ کے متعلق ان کی تحقیقات نہایت بیش قیمت ہین۔ مامون کے حکم سے محمد بن موسیٰ خوارزمی نے سدھانتا کا عربی ترجمہ کیا یعقوب کندی نے مختلف مضامین (ریاضی۔ اقلیدس۔ فلسفہ۔ کرۂ ہوائی۔ مناظر و مرایا اور طب) پر قریب دو سو کے تصانیف کین۔

ابو معشر فلکی (موجد گھڑی) نے اجرام فلکیہ کی بابت بڑی نادر تحقیقات کین۔ موسیٰ بن شاکر ابوالحسن (موجد دوربین) النظیری۔ محمد بن عیسیٰ۔ ابو عبداللہ علی بن الجور۔ ابوالحسن علی ابن الجور یہ سب سائنس دان گذرے ہین۔

ابوالوفا حسین بن سہیم۔ ابن شاطر۔ عمر خیام[1]۔ بہت بڑے ریاضی دان تھے۔ ان کے بھی اکثر تصانیف یورپ مین چھپ گئے ہین۔

علم مابعد الطبیعت و فلسفہ مین کندی[2]۔ ابو نصر فارابی[3]۔ بوعلی سینا[4] بہت مشہور ہین اہل عرب ابو نصر کو ارسطوئے ثانی کہتے ہین۔

فن شعر مین بھی عرب کسی سے پیچھے نہین ہین۔ اُن کا فصیح و بلیغ کلام آج بھی یکتائے زمانہ ہے۔ ابونواسی، خلیفہ امین کا مشہور شاعر بڑا زبردست ناظم تھا۔ ابو تمام حبیب ابونواسی سے

---

[1] عمر خیام کی اکثر تصانیف فرانس مین طبع ہوئے ہین۔ اسکی اصل رباعیات مین نے بھی مرتب کی ہین ۱۲ [2] کندی کی دو ایک کتابین برل پریس، ہالینڈ مین طبع ہوگئی ہین [3][4] ابو نصر فارابی کی ایک کتاب اور بوعلی سینا کی دو کتابین ہالینڈ مین طبع ہوگئی ہین ۱۲

دوسرے درجہ پر تھا۔ ابن خلکان اس کی بابت لکھتا ہے "بلحاظ شستگی کلام۔ خوبی نظم۔ طرز ادا۔ اپنے تمام ہمعصرن پر سبقت لے گیا تھا۔"

البحتری۔ متبنے۔ النعمانی بھی اسی قبیل مین ہین۔

علامہ ابن الندیم کی کتاب الفہرست ایک عجیب تصنیف ہے جسمین ہر علم کی ہر شاخ پر بحث ہو ابن خلکان کا قاموس اسمار وسیع واقفیت کا دریا ہے۔

ابوالفرج اصفہانی مصنف الاغانی بھی بڑے پایہ کا شخص ہے کتاب الاغانی مین ان شعرا کا کلام درج ہے جو راگ مین کام آتے ہین اور ہر شاعر کی سوانحعمری کے علاوہ اُسکے کلام پر صرفی و نحوی بحث بھی ہے۔ اس مختصر مضمون مین اسقدر گنجایش نہین کہ ہم مفصل طور علمی ترقی کا ذکر کر سکین جو کچھ لکھا گیا ہو سمجھ دارون کے لئے یہ بھی بہت ہے۔

رازداری

از جناب بابو جگت موہن لال صاحب رواں ایم اے

واضح ہو کہ جب ایکبار کوئی بات تم سے راز کے طور پر کہدیگئی تو ہر طرح سے اُسکا مخفی رکھنا تمھارا فرض ہے۔ جو راز کسی نے تم کو اپنا دوست سمجھ کر کہا ہو وہ اس اعتبار پر کہا ہو کہ تم اُسے عام ہونے دوگے۔ بہت سی باتین جو تمھارا دوست کسی خاص تکلیف یا غصّہ کی حالت مین یا کسی اور طرح سے دل کی بھڑاس نکالنے کیلئے تمسے کہتا ہو مخفی رکھنے کے قابل ہین۔ تمھاری ہمدردی کے بھروسے پر اُسنے تمسے اسقدر صفائی سے گفتگو کی گویا تم اُس کا دل اُسکا ضمیر ہو۔

آپس کی گفتگو مین جو کچھ تم سنتے ہو اُسکو دوسری جگہ کہنا اکثر ایک افسوسناک افشائے راز ہوتا ہو۔ اسے اگر بیان شکنی نہین تو نادانی ضرور کہین گے۔ بات یہ ہو کہ جب کوئی سنی ہوئی بات کہوگے تو تم اُسے تمام و کمال تو کہہ نہین سکتے بہر حال اُسکا کچھ حصہ ہی کہکر رہ جاؤگے بفرض محال تمنے اُس خاص حصہ کو نہایت عمدہ اور صاف پیرایہ مین ادا بھی کیا تو بھی ممکن ہے کہ اُسکے معنی اور مفہوم مین فرق آجائے جس طرح کسی خاص زبان کا بامعنی لفظ اپنے قریب الفاظ اور فقرون سے جدا ہوکر اگر بے معنی نہین ہو سکتا تو اُسکے معنی مطلب مین فرق ضرور پیدا ہو سکتا ہے۔

---

۱ البحتری کی بھی ایک تصنیف لنڈن مین چھپی ہے۔

معمولی سے معمولی عام سے عام گفتگو مین بھی چند باتین ایسی ہوتی ہین جو مخفی رکھی جانیکے قابل ہین۔ علاوہ اُن باتون کے جو بالخصوص راز کے طور پر کہی جاتی ہین ایسی باتین بھی ہوتی ہین جو چھپانیکے قابل ہین مگر راز نہین کہلاتین۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی بات ایک خاص مجمع مین کہی۔ کسی کو اُسنے خاص طور سے رازدار نہین بنایا مگر اُس کا مدعا یہ ہو کہ وہ بات اُس مجمع کے باہر نہ جائے۔ ایسی حالت مین یہ خیال پہلے ہی سے کر لیا جاتا ہو کہ جو اصحاب وہان موجود ہین وہ بے کہے بھی اس مدعا کو سمجھتے ہین۔ کسی سنی ہوئی بات کو بالعموم لوگون سے کہتے پھرنا گویا اپنے ہاتھ اپنی بے عزتی کرنا ہو۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ جو کچھ اُس سے کہا گیا ہو وہ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے کہا جا سکتا تھا۔ تو گویا یہ آدمی ایک بہت ہی ادنیٰ اور بے وقار آدمی ٹھہرا۔ اور کوئی شخص دنیا مین یہ پسند نہین کرتا کہ اُسکی وقعت ایک ادنیٰ اور کم ظرف آدمی کی سی ہو۔

اسکے برخلاف بعض آدمیون مین خواہ مخواہ ہر بات کے چھپانیکی عادت ہوتی ہے اس سے بحث نہین کہ وہ بات کس بابت اور کس وقعت کی ہو وہ اُسے چھپائے جائینگے۔ ہر موقع پر اور ہر وقت وہ رازداری کی سخت ذمہ داری سر پر لیے رہتے ہین۔ اس بُری عادت کی نسبت ملائم سے ملائم الفاظ مین یہی کہا جا سکتا ہو کہ وہ بے ضرورت ہو۔ اکثر یہ عادت طبعی شرمیلے پن اور بزدلی سے پڑ جاتی ہے۔ یہ عادت اکثر اُن لوگون مین بھی پائی گئی ہو جنکے امزجہ خاص طور سے شکی واقع ہوئے ہین۔ کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا گیا ہو کہ جب کسی کے راز کیا بے ضرورت اور بکثرت فاش ہو گئے اور اس افشا سے اُسے دلی رنج پہونچا تو یہ بے ضرورت رازداری اُسکی عادت ہو گئی۔ یا یہ کہ احتیاطاً اس بے ضرورت رازداری کا اُسنے خود کو عادی بنا لیا خواہ اس عادت کی کچھ ہی وجہ کیون نہو۔ یہ بذات خود ایک تکلیف دہ کمزوری ہے۔

جس طرح بعض لوگ بھولا کی اور ہوشیاری کو ایک خاص طرح کی طاقت سمجھتے ہین اسی طرح ایسے لوگ اس قسم کی رازداری کو دانائی خیال کرتے ہین۔ یہ ضرور سچ ہے کہ جب آدمی کو یہ تمیز نہو کہ کس قسم کے اسرار کا کن اشخاص کو اور کیسے موقع پر رازدار بنانا چاہیے۔ اُسکے لئے یہی مناسب اور بہتر ہے کہ وہ بالکل ہی خاموش رہے۔ یہی اُسکے لئے سب سے اچھی تدبیر ہے اور اُسے واجب ہے کہ اپنے طرز عمل کو کسی حال مین بدلنے نہ دے۔ ہان اسے دانائی بھی نہ سمجھے۔ یہ ایک فائدہ مند احتیاط ہے دانائی نہین ہے۔ کسی طبیعت مین صاف گوئی، کم سخنی، اور سنجیدگی کی وہ ترکیب جو واقعی قابل تحسین ہے کوشش سے یا فوائد خاموشی کے پڑھنے سے پیدا نہین ہو سکتی۔ یا ایک

قدرتی بات ہے اور اسے حاصل کرنیکی سعی بے سود ہے، جو آدمی فطرتاً معاملات کے سیدھے سادے طریقہ پر کہ گذرنے اور دوسرن کے جذبات اور احساسات کا پورا پورا لحاظ رکھنے کے عادی ہوتے ہین انھین کے طبائع مین مذکورۂ بالا خوبیان مجتمع پائی جاتی ہین اور ایسے اشخاص مین یہ تمیز بالکل فطری ہوتی ہو کہ انہیں معاملات مین کتنے امر مخفی رکھنے کے قابل ہین اور کتنے رازداری سے کہنے کے قابل اور اسی طرح دوسرنکے معاملات مین کتنے فاش ہو جانیکے قابل اور کتنے چھپانیکے قابل ہین تھر جسمین کچھ نہین دکھائی پڑتا اور دبات جسمین ہر چیز منعکس ہو جاتی ہو برابر سخت اور بے حس ہین ایک ضمیر جسکی ہر بات مخفی ہو اور ایک طبیعت جس سے رفقار کا مادہ ہی معدوم ہو برابر ناکارہ ہین۔

جب کوئی بات عام ہو جاتی ہے تو عموماً یہ بات بہت بری نہین سمجھی جاتی اور عام طور سے لوگ ایسا کہہ بھی گذرتے ہین کہ فلان بات تو مجھے پہلے ہی سے معلوم تھی ممکن ہے کہ یہ کوئی بڑی تقصیر آئین رازداری کے خلاف نہو لیکن یہ تو دیکھو کہ تم ایسے وقت مین اس سے زیادہ افشائے راز کر ہی کیا سکتے ہو۔

اب رہی یہ بات کہ کس قسم کے آدمی قابل اعتبار ہوتے ہین اور راز کو راز کے طور پر رکھ سکتے ہین۔

یہ بات کہی جا سکتی ہو کہ سنجیدہ آدمی جسمین ذرا خود بینی کی بو بھی ہو نہایت قابل اعتبار لوگ ہوتے ہین اور اسی طرح وہ اشخاص بھی معتبر ہوتے ہین جنکو کبھی ایسے معاملات سے سابقہ پڑ چکا ہو جنمین خواہ مخواہ اُن کو رازداری کرنی پڑی ہو۔ کیونکہ پہلے جس کام کو وہ فرض کے طور پر شروع کرتے ہین وہی کچھ دنون بعد اُن کی عادت ہو جاتی ہے۔

یہ بات صحیح طور پر نہین کہی جا سکتی کہ کم فہم مغرور کا راز جلدی فاش ہوتا ہے یا بیوقوف کا۔

اکثر لوگون مین یہ عادت ہوتی ہو کہ اگر وہ کوئی راز جانتے ہین تو اُسکو صاف طور سے تو نہین کہتے لیکن اُسکے متعلق ایسی باتین کہتے ہین کہ سامعین مین سے کوئی تیز فہم شخص ضرور اُس کو دریافت کر لیتا ہے۔

ایسے لوگ بھی ہوتے ہین جنسے راز کہنا ہی نہ چاہئے کیونکہ اُن سے راز کہنا خطرہ سے خالی نہین ہوتا۔ اسمین کئی طرح کے لوگ ہوتے ہین بعض ایسے ہوتے ہین کہ کسی خاص راز کو جاننا اپنا اعزاز سمجھتے ہین اور اُسپر فخر کرتے پھرتے ہین بعض مین رازداری کا مادہ ہی نہین ہوتا۔ وہ راز بتقاضائے غلطی سے یکایک افشا کر دیتے ہین بعض ایسے بھی ہین جو کسی ایسے راز کو دریافت کر کے اُس سے بیجا اور ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہتے ہین اور ان سب سے جدا ایک جماعت ایسے لوگونکی بھی ہو جن کو دنیا کے

نشیب فراز کا کوئی تجربہ نہیں ہی جنکا زمانہ ہمیشہ یکسان موافق رہا ہو ایسے لوگ راز کو اسلیے نہین افشا کرتے کہ وہ اُس سے واقعی کسی کو نقصان پہونچا دین بلکہ وہ بیچارے سیدھے سادے لوگ جانتے ہی نہین کہ اسرار کے ظاہر ہو جانیسے کیا کیا نقصانات ممکن ہین بلکہ وہ یہ بھی نہین جانتے کہ راز فاش ہو جانیسے واقعی کوئی نقصان ہو سکتا ہی یا نہین قبل اسکے کہ تم کسی کو اپنا رازدار بناؤ یہ غور کر لینا بہت ضروری ہے کہ جو بات تم کہنا چاہتے ہو وہ واقعی راز ہی یا نہین اور کیا اُسمین کافی ذمہ داری کی ضرورت ہی. اکثر لوگون کا یہ خیال ہوتا ہے کہ تھوڑے دنون تک کسی راز کو مخفی رکھنا گویا رازداری کا پورا پورا حق ادا کرنا ہے ایسے لوگ جب کچھ عرصے تک کسی بات کو چھپا چکتے ہین تو اُسکے افشا کرنے مین انھین کچھ پس و پیش نہین ہوتا اور اسمین کچھ تعجب نہین۔ اکثر باتین ایسی ہلکی اور معمولی ہوتی ہین کہ کچھ عرصہ کے بعد ہم کو یاد بھی نہین رہتا کہ وہ کبھی ہم سے بطور راز کے کہی گئی تھین ۔

اکثر اپنے عزیز ترین دوست سے بھی بات چھپانیکی ضرورت ہوتی ہی. وہ یہ کہ جب تم کسی خاص بات کے بھولجانیکی کوشش کروگے تو جلد بھول سکوگے اور تمھاری پریشانی جلد ختم ہو جائیگی مگر برعکس اسکے اگر تم نے دوست سے کوئی بات کہدی اور کچھ عرصے بعد اُسکو بھول جانا چاہتے ہو تو یہ ممکن ہے کہ تم اُسے اپنے دل سے نکال ڈالو لیکن دوسرے کے دل سے اسکا نکال ڈالنا خواہ وہ تمھارا عزیز سے عزیز اور سچّے سے سچّا دوست کیون نہو آسان نہین ہی. ایسی حالت مین پریشانی کا کانٹا بالکل نہین نکلجاتا بلکہ وقتاً فوقتاً کھٹکا ہی کرتا ہی.

یہ تمیز بہت کم لوگون کو ہوتی ہی کہ کس وقت سکوت اختیار کرنا چاہیے اور کسوقت نصیحت اور ہمدردی کی باتین کرنی چاہئیے. یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ تم کسی کو بے ضرورت اپنا رازدار مت بناؤ اور نہ ایسے شخص سے اپنے مخفی اسرار کہو جسکا رازدار رہنا اگر ظاہر ہو جائے تو کسی کا دل دکھے امداد کی تمنا اور ہمدردی کی آرزو یہ باتین کیسی ہی کیون نہون لیکن دوسرون کو خواہ مخواہ اپنی مصیبت کا شریک بنانا عقلمندی کی بات نہین. تلسی داس جی نے کیا اچھا کہا ہی.

تلسی ہر گھر جا کے دکھ نہ کہیو رُوئے — آپن بھرم گنوائے کے بات نہ پوچھے کوئے

اپنے راز دوسرون سے کہنے مین ایسی ہی ذمہ داری ہے جیسی دوسرون کے راز جاننے اور اُن کے رازدار بننے مین .

کسان کی لڑکی

(از ایک حبیب [illegible])

گوالیار کے آگے دہلی کے راستہ مین بہت دور تک میدان چلے گئے ہین. دہلی جانے والون کو اس راستہ مین بہت تکلیفین اُٹھانی پڑتی ہین. دور دور تک پانی نہین ملتا. آبادی کا کوسون پتہ نہین۔ بندھیاچل کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہی. مسافرون کے حلق خشک ہو جاتے ہین. اور ہونٹون پر پپڑیان جم جاتی ہین. اگر خدانخواستہ اس راستہ مین سایہ دار درخت نہوتے تو مسافر گرمی کے مارے تڑپ تڑپ کر مر جاتے۔

ٹھیک دوپہر کا وقت ہی. ایک نیم کے درخت کے سایہ مین کوئی سوار دم لینے کے لئے ٹھہر گیا ہے باد سموم کے تھپیڑے چل رہے ہین. بیچارے نے بچاؤ کیلئے دامن سے منھ ڈھانپ لیا ہی اور دل ہی دل مین کہہ رہا ہی "اُف! اس طرف کیسی لو چلتی ہے. مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، جو اس طرف نکل آیا، سب کے ساتھ رہتا تو اچھا ہوتا. خیر! ذرا دھوپ کم ہو جائے تو آگے بڑھون، اور جبتک آبادی نظر نہ آئے دم نہ لون" کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوا. اور ایڑ لگائی. گرمی سے اُس کا حلق خشک ہو گیا تھا. پیاس کی شدت کے باعث وہ غش کھا کے گرا جاتا تھا. اتنے مین ایک گاؤن نظر آیا. سوار فوراً گاؤن کے کنوئین پر، جہان ایک کسان کی بھولی بھالی لڑکی پانی بھر رہی تھی، جا پہونچا، گاؤن کی لڑکی نے مشکل سے اس ٹھاٹھ کا کوئی سوار دیکھا ہوگا. اجنبی کے آنے سے وہ کچھ گھبرا سی گئی اور ڈول اُسکے ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئین مین گر پڑا. لڑکی نے گھبراہٹ مین جلدی سے رسی پکڑ تو لی مگر اُسکے ہاتھ برابر کانپ رہے تھے،

سوار نے کہا "گھبراؤ نہین مین تمھارا دوست ہون، دیکھو تمھارے ہاتھ کانپ رہے ہین رسی مجھے دو. مین ڈول کھینچ کر تمھین پانی پلا دون، اور خود بھی پیون" اتنا کہکر وہ گھوڑے سے اترا اور ڈول کھینچ کر لڑکی کو پانی دینا چاہا، مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا، جب دوبارہ سوار نے کہا تو وہ ڈرتے ڈرتے بولی "مہاراج آپ پی لو، مین نہ پیون گی"

غرض سوار نے پانی پی کر گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا. اور خود کنوئین کی جگت پر نیم کے سایہ مین پڑ کر سو رہا، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد یکبارگی چونک کر اُٹھا، تو دیکھتا کیا ہی کہ وہی لڑکی دودھ لئے کھڑی ہی. وہ بولی "مہاراج! یہ تھوڑا سا دودھ ہی اسے پی لو"

سوار نے انکار کرنا مناسب سمجھا، اور لڑکی کی سادہ دعوت پر مسکرا کر بولا "لڑکی! ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملین گے مگر کسی دوسری زمین پر، اور دوسری صورت مین۔ مجھے میرے ہمراہی سورما کہتے ہین۔ دیکھین تم مجھے پھر پہچانتی ہو کہ نہین"! اتنا کہکر اُس نے زین کسی اور گھوڑے پر سوار ہو کر باگ موڑی، اور اُسی میدان مین غائب ہو گیا۔

(۲)

"ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملین گے"! یہ کون تھا؟ کسی ملک کا راجہ ہو گا، جبھی تو ایسے کپڑے پہنے تھا۔ مگر راجہ کو کیا پڑی تھی، کہ یون مارا مارا پھرتا، راجہ نہین تھا، کسی دیوتا کا اُوتار تھا، یا کوئی اچھا آدمی تھا۔ سوار کے چلے جانیکے بعد لڑکی ان باتون پر غور کرتی رہی جو اُس نے چلتے وقت کہی تھین۔ اُسکے دل مین کچھ ایسی محبت پیدا ہو گئی تھی، کہ وہ ہر وقت اسی فکر مین رہتی تھی، کہ مین کیونکر سوار سے ملون گی۔"

دو مہینے اسی حالت مین گذر گئے۔ اب وہ زیادہ بے چین ہونے لگی کہ ابھی تک سورما نہین آیا۔ دنون پر دن گذرنے لگے۔ مگر بیچاری کالکا کے سورما کا کہین نام و نشان نہ تھا۔ اسکی اس حالت سے اسکے والدین بھی واقف ہو گئے۔ انھون نے مناسب سمجھا کہ اس کو کہین ٹھکانے لگا دین، مگر کالکا ان باتون کو زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ اُس نے ارادہ کر لیا کہ جس طرف میرا سورما گیا ہے، مین بھی اُسی طرف نکل کھڑی ہون گی، شاید کہین نہ کہین ایشور اُس سے بھینٹ کرا دے۔

(۳)

مصیبت کی ماری کالکا اپنے سورما کی تلاش مین پانی پت کے میدان مین جا پہنچی۔ راستہ مین ترکون نے اُسے تنگ کیا۔ مگر اپنے بھولے پن اور سادگی کی وجہ سے وہ اُنکے ہتھے سے نکل گئی۔

"شکر ہے تیرا۔ بڑی بلا سے تونے بچایا۔ ایسی ایسی مصیبتین جھیلین۔ دیکھون اب بھی سورما ملتا ہے کہ نہین، اگر یہان بھی پتہ نہ چلا، تو کہان جاؤن گی۔ کبتک جوگن بنی پھرون گی، خدایا اب تو جی گھبرا جاتا ہے، پاؤن مین طاقت نہین رہی، تلوؤن مین آبلے پڑ گئے ہین۔ آہ! ذرا آگے بڑھ کر دیکھون یہ کس کا ڈیرہ ہے۔ یہان تو لڑائی کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ یہان ضرور میرا سورما ہو گا، مگر میری ہمت کیون ٹوٹی جاتی ہے۔ راجپوت تو ہمت نہین ہارا کرتے! میرا باپ دن بھر اکیلا ہی ہل چلایا کرتا ہے اور مین اتنے ہی پر تھکی جاتی ہون۔" غرض بہادر کالکا اپنے دلسے اس قسم کی باتین کرتی ہوئی آگے بڑھی

ایک طرف احمد شاہ درانی کی فوج پڑی ہے، اور دوسری طرف مرہٹوں کا پڑاؤ ہے، یہ بھولی بھالی لڑکی اپنے سورما کی تلاش میں بادشاہ کے خیمے کے پاس جا پہونچی، افغان سپاہی لڑکی کو پکڑ کر اپنے افسر کے پاس لے گئے۔ تھوڑی دیر میں بادشاہ کو بھی خبر پہونچی۔ اُس نے لڑکی کو اپنے حضور میں بلا کر پوچھا "تو کون ہے؟ اور کہاں جانا چاہتی ہے؟ لڑکی نے سچا حال سچ سچ بتا دیا بادشاہ کو بھی اس کی باتوں پر یقین ہو گیا۔ لڑکی فوراً رہا کر دی گئی۔

آگے بڑھ کر وہ مرہٹوں کے پڑاؤ کے پاس جا پہونچی وہ بہت سہم سہم کر قدم اُٹھاتی تھی ایک جگہ کسی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی "میرے رام! کہیں سورما یہی تو نہیں! ذرا آگے بڑھ کر ان کا نام پوچھوں"۔ سیندھیا اپنے خیمہ میں جانے ہی کو تھا کہ لڑکی کے سامنے آجانے سے رُک گیا۔

لڑکی۔ "مہاراج! مجھے میرے کالی کالی آنکھوں والے سورما کا پتہ بتا دو۔"

یہ بھولی بھالی آواز سُن کر پہلے تو سیندھیا اس کی بھولی صورت دیکھتا رہا، مگر جب اُسے کچھ یاد نہ آیا تو بولا "تو کس کو پوچھتی ہے۔"

لڑکی "میرے راجہ کا نام سورما تھا۔ بندھیاچل کے پاس جہاں میرے ماں باپ رہتے ہیں اُنھوں نے ایک دفعہ مجھ سے کہا تھا کہ "ہم ضرور پھر کسی اور وقت ملیں گے! مہاراج! اُس سورما میں دیوتا کی سی باتیں تھیں میں کیا بتاؤں، کہ کہاں کہاں اُسے ڈھونڈھ پھری ہوں اسکے لئے میں جوگن بن گئی! یوں تو مہاراج! ہم غریب کسان ہیں، مگر ہم میں چھتری خون ہے جسنے مجھے یہاں تک پہونچایا، مہاراج! تمھاری صورت تمھاری آنکھیں، اس سے ملتی جلتی ہیں، کہیں تمھارا ہی نام تو سورما نہیں ہے۔"

سیندھیا لڑکی کی ان باتوں کو سُن کر بے چین ہو گیا، اور اس روز کا سماں اُسکی آنکھوں کے سامنے پھر گیا، اُسے حیرت تھی کہ گانوں کی لڑکی نے جس سے اُسنے مذاقاً پھر ملنے کے لئے کہدیا تھا، اسقدر بے چین ہو کر اُس کی تلاش میں کیسی کیسی مصیبتیں جھیلی ہیں، سیندھیا کے دل پر بھی اب اس لڑکی کی محبت کی چوٹ لگی، اُس نے کہا "لڑکی تیرا سورما میں ہی ہوں، تو نے بڑی تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔ آ۔ اس ڈیرے میں چل، تو میں اطمینان کے ساتھ تجھ سے بات چیت کروں۔

(۴)

پانی پت کے میدان میں جہاں ہمیشہ ہندستان کے بادشاہوں کو شکست ملا کی ہے، مرہٹے بھی ہارے، اور ایسے ہارے کہ پھر نہ پنپے، سیندھیا جی توڑ کر لڑا۔ مگر جب پانسہ پلٹتا ہو تو بنائے نہیں

بنتی، وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگا، تاہم کا لکا کی محبت اس نازک وقت مین بھی نہین بھولی جبتک لڑتا رہا، توبار بار خیمہ مین جاکر اُسے دلاسا دیتا رہا۔ اور اب بھاگا تو اُس کو بھی ساتھ لیکر بھاگا ہی۔ ایک افغان نے جب دیکھا کہ جس شکار کو پہلے اُس نے پکڑا تھا اُسے ایک مرہٹہ لئے جارہا ہی تو وہ اُس پر جھپٹا، سیندھیا نے بھی گھوڑے کو تیز کیا۔ دو گھنٹے تک وہ لگاتار گھوڑے کو دوڑاتا رہا اور اب اُس نے سمجھا کہ افغان نا اُمید ہو کر واپس چلا گیا ہوگا، لہذا گھوڑے کو آہستہ کر دیا لیکن تھوڑی ہی دیر مین افغان پھر نظر آیا، سیندھیا نے بھی گھوڑے کو تیز کر دیا، مگر افسوس جمنا چڑھی ہوئی تھی، اور تھکے ہوئے جانور کو پار لے جانا بہت مشکل تھا، سیندھیا کو بیحد صدمہ ہوا۔ افغان برابر پیچھے چلا آرہا ہی"

کا لکا نے جب یہ کیفیت دیکھی، تو کہا "مہاراج مجھے یہین چھوڑ دو، مجھ کمبخت کیلئے اپنی جان نہ گنواؤ، کالکا کی محبت کو آزمانے کا یہی وقت ہی! آیندہ جنم مین اسے اس خیال سے بڑی خوشی ہوگی کہ وہ اپنی پت کی لڑائی مین اپنے سورما پر سے نچھاور ہوگئی"۔

مگر سیندھیا کو یہ کب گوارا تھا۔ جان جائے پر کالکا پاس سے جُدا نہو۔ اسی اثنا مین افغان سر پر آپہونچا، سیندھیا نے کالکا کو گھوڑے سے اُتارا، اور خود دشمن پر جھپٹا، دونون مین بہت دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر سیندھیا کے سر پر ایک ایسی تلوار پڑی، کہ وہ اپنے گھوڑے کی گردن سے لپٹ کر بیہوش ہوگیا۔ گھوڑے نے جب اپنے مالک کی یہ حالت دیکھی، تو کسی طرف کو بھاگ نکلا، مگر ہائے کالکا کہان ہی؟ وہ اسی جگہ ہی جہان اُسکے سورما نے اُسکو اُتار دیا تھا اُسکے چہرے پر خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہین۔ اُسنے خود ہی خنجر سے اپنا کام تمام کرلیا ہی جس وقت اس افغان نے اُسے اُٹھانا چاہا تو کالکا کے منہ سے سورما نکلا، اور دنیا سے چل بسی۔

(ماخوذ) از "العصر"

صبح سرما کا ساقی نامہ

(از جناب مولانا شفق عماد پوری)

ساقی مئے دو آتشہ بھر کر پلا مجھے — گرمائے جس سے طبع وہ ساغر پلا مجھے
بے درد تیز و تند معطر پلا مجھے — آتش لباس بادۂ احمر پلا مجھے
دل کی لگی بجھائے وہ دے آگ ساقیا
سوتا ہے کیا سحر ہوئی اب جاگ ساقیا

جھپٹی ہین ماہتاب کے رخ پر ہوائیان — ہین زرد زرد شمع کی گوری کلائیان
کب تک سہین خمار کی زور آزمائیان — کب تک بخار دل کا نکالین جمائیان
لا جام آتشین ترے قربان ساقیا!
تو روح دخت رز ہے مری جان ساقیا!

سرما سے کھوئے جاتے ہین آئے ہوے حواس — سرمایہ کب ہے پاس کہ سرمائی کی ہو آس
جاگے تمام رات کے لب خشک منہ اداس — دانا ترا بھلا ہو بڑھا بھر کے اک گلاس
اعضا شکن ہے ہر نفس سرد ساقیا!
رگ رگ مین بند بند مین ہے درد ساقیا!

کملی کو بھی ترستے ہین محتاج آب و نان — لائین کہان سے شال دو شالے رضائیان
اٹھ اٹھ کے تاپتے رہے شب بھر انگیٹھیان — بیٹھے ہین دھوپ کھانیکو زیر آسمان
کب سے ہین منتظر ترے جام شراب کے
ذرے سب انتظار مین ہین آفتاب کے

جیب شفق سے تار شعاعی کا ہے ظہور — کرنین سنہری پھیلتی جاتی ہین دور دور
جنگل کا ہر شجر نظر آتا ہے نخل طور — چھایا ہوا ہے دشت و در و بحر و بر مین نور
ساقی! یہ عکس مہر نہین سطح آب پر
قلعی چڑھی ہے سونے کی جام حباب پر

گرتی تھی برف جو کرۂ زمہریر سے — پانی ہوئی ہے شعلۂ کان اثیر سے
ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جو چلتے تھے تیر سے — گرمائے اب حرارت مہر منیر سے

لبریز تھے جو لولو سے ذرّہ خوش آب کے
بھر کر چھلک گئے وہ کٹورے گلاب کے

سبزے نے رکھدی چادر شبنم اُتار کر | کلیان بھی مسکرانے لگین رول کر گُہر
نرگس بھی آنکھین ملتی جو اُٹھی جھکائے سر | سوسن زبان دراز تھی بول اُٹھی بےخطر

اے خفتگانِ خاک! دمِ نا و نوش ہے
ہنگامِ گرم خیزیِ جوش و خروش ہے

میکش پکارتے ہین کہ فریاد ساقیا! | وعدہ نہین ہے کل کا تجھے یاد ساقیا!
زندانِ رنج و غم سے کر آزاد ساقیا! | تو شاد میکدہ ترا آباد ساقیا!

سرما کی پھر یہ صبح کہان، یہ سمان کہان!
پھر تو کہان! یہ گُل کہان! یہ گلستان کہان!

روحی فداک جامِ صبوحی پلا مجھے | تازہ ہو جس سے رُوح ملے وہ مزا مجھے
کیا فکر راحتِ ابدی کے سوا مجھے | نے موت مین حیات فنا مین بقا مجھے

زندہ شفق کا شام و سحر شام ساقیا!
وہ جام دے بخیر ہو انجام ساقیا!

(ماخوذ العصر)



تصانیف مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

۴۱- آغا صادق کی شادی ایک دلچسپ قصہ ۱۰؍
۴۲- حسن کا ڈاکو حرامپور کے نواب کا اعمالنامہ ہر دو حصہ عہ
۴۳- اسرار دربار حرامپور حرامپور کے نواب کے رہے سہے حالات ہر دو جلد ۱۰؍
۴۴- غیب دان دلہن حیرت انگیز غیب دانی عہ؍
۴۵- خوفناک محبت، ہندوستان کی غریب دیوی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہوسکتی عہ
۴۶- محبوب، مصنف کا پہلا زور قلم ۸؍
۴۷- (؟)کش کامل ۱۴؍

ڈرامے اور نظمیں

۴۸- اسیری بابل گولڈ سمتھ کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ نظم میں ۱۲؍
۴۹- زمانہ اور اسلام ایک منزز دلد نیچرل نظم ۳؍
۵۰- شب غم - فراق کی بیتا بیان اور بیقراریاں ۱؍
۵۱- شب وصل، فراق کے بعد وصل کا بیان ۱؍

مضامین شرر

شاعرانہ و عاشقانہ دو حصے عہ؍
تاریخی و جغرافی 〃 عہ؍
گذشتہ لکھنؤ
سیر رجال
ختم سال و شروع سال
سیر نسوان دو حصے
ادب و تحقیق مسائل
اصلاح قوم و ملت
تاریخی واقعات پر خیال آرائی
نظم و ڈرامہ

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد	قیمت	جلد	قیمت
جلد سنہ ۱۸۸۸ء	عہ	جلد سنہ ۱۸۹۷ء	عہ
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	عہ	جلد سنہ ۱۹۱۷ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	عہ	جلد سنہ ۱۹۱۸ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۵ء	عہ	جلد سنہ ۱۹۲۱ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	عہ	جلد سنہ ۱۹۲۲ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	عہ	جلد سنہ ۱۹۲۳ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	عہ؍	جلد سنہ ۱۹۲۴ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۲۶ء	عہ	جلد سنہ ۱۹۲۰ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۲۷ء	عہ	جلد سنہ ۱۹۲۵ء	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۱ء	۱۰؍	جلد سنہ ۱۹۱۰ء	۱۵؍
جلد سنہ ۱۹۱۱ء	۱۰؍	جلد سنہ ۱۹۱۳ء	عہ؍

منتخب مضامین سنہ ۱۸۸۷ء .... ۱۰؍

متفرق تصانیف

الحکم الرفاعیہ، سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ ۳؍
حلیۃ العذرا، فارسی موسیٰ بن عبدالحق کی تاریخ ۱؍
ناولادت محمدی صلعم اول عہ دوم عہ کامل ۔؍
معتزلہ، مولانا کا ایک دلچسپ لکچر ۱۲؍
(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)
مرزا غالب کی شاعری مرزا محمد عسکری صاحب کا ایک محققانہ لکچر ۴؍ (چار آنہ)
یادرش عمل، رینالڈز کے مشہور ناول کا ترجمہ حصہ اول ۱۸؍
عہ دوم عہ سوم عہ چہارم عہ پنجم عہ
رفع النقاب، مروجہ پردے کی تردید ۱۴؍
اکاڈمی کی تاریخ پر مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۱۴؍
رامائن کے بعض سین ۴؍
آتالیق بی بی، میاں کی حرکتوں پر بیوی کی فریاد، نکتہ چینی ۱۸؍

المشتہر آپکا خادم حکیم محمد سراج الحق مینیجر دلگداز گڑھ نزرت(؟) بیگمات لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ا ۱۳۱۷

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۳ بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۳ء جلد ۳

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق مینیجر اور پرنٹر و پبلشر دلگداز

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان میں

چھپ کے شایع ہوا

چندہ سالانہ (عہ) مع محصول ڈاک



چلن

بشپ ولسن کہتا ہے "کسی کی نسبت یہ سن کے کہ اُس نے کسی غریب کو اس لیے روپیہ دیا کہ شراب خانے مین جا کے شراب پیے۔ یا قمار خانے پہونچ کے جُوا کھیلے یا بازار مین جا کے چند لغو کھلونے خرید لے ہمین کس قدر متحیر بنا دے گا؟ توپھر جس چیز کی اجازت دوسرے کو دینے مین تم ہنسے جاؤ گے اُس کے تم خود کیون مرتکب ہو؟"

اپنی نظر اونچی رکھو نیچی نہ رکھو **لارڈ ڈبکنس فیلڈ** کا قول ہے "جو شخص اپنی نظر اونچی نہین رکھتا اُس کی نظر کو نیچا ہونا پڑے گا۔ اور جس کی ہمت بلند نہین اُس کی قسمت مین ہے کہ پست ہو کر رہے۔"

جونا بیلی* کی نظم مین ہے "آہ کون شخص لاپروائی کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ شہرت بجز خالی نام کے اور کوئی چیز نہین؟ جبکہ اُس آواز مین ایک جادو موجود ہے جو دلی جذبات کو اس کی طرف کھینچتا اور دلون مین ایک گرمی پیدا کرتا ہے۔ جس طرح کہ نامور مرحومین سلف کو یاد کرکے نوجوان آدمی اپنے شباب کے بستر سے چونک کے اُٹھ کھڑا ہو گا۔ اور دونون ہاتھون کو اوپر اٹھا کے اور پھیلا کے عہد کرے گا کہ مین بھی ویسے ہی شریفانہ کام کرون گا۔"

اس مین شک نہین کہ حقائق اشیا کے لحاظ سے معمولی قسم کی اولوالعزمیان ہمین بالکل اپنے حوصلے کے زیر اثر نظر آتی ہین۔ اور اس مین بھی شک نہین کہ ہمارے

* جوانا بیلی انگلستان کی ایک مشہور مصنفہ ہے سنہ ۱۷۶۲ء مین پیدا ہوئی تھی اور سنہ ۱۸۵۱ء مین وفات پائی گو اس کی زندگی بیچ مذاق مصنفین کے مطابق عزلت و تنہائی مین گذری مگر پھر بھی کوئی مشہور معاصر مصنف نہ تھا جو چند روز اس کا مہمان نہ رہا ہو۔

بڑے سے بڑے لوگ شیکسپیر اور ملٹن۔ نیوٹن اور ڈارون۔ اُن خطابوں کے مطلقاً زیر بار احسان نہیں ہین جو سلطنت سے مل سکتے ہین۔ اولوالعزمی کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان کا دل کسی طرح بھر نہین چکتا۔ جیسے پہاڑون پر چڑھنا کہ جب ایک چوٹی تک پہونچ چکتے ہین تو دوسری چوٹی نظر آتی ہے۔ اعظم ترین فاتحون مثلاً سکندر اور نیپولین کا حوصلہ کبھی نہین پورا ہوا ہے۔ جھل اولوالعزمی کے گھائل نہ کبھی چین پاتے ہین اور نہ کبھی شکرگزار ہوتے ہین۔ نیپلین کہتا ہے ”جو شخص آگے ہی بڑھتے چلے جانے کا شیدا ہے اُسے رکنا پڑتا ہے۔ وہ خود اپنی نظر سے گرجاتا ہے۔ اور وہ چیز ہی نہین باقی رہتا جو کہ تھا“

تاہم شاعر کے ہم زبان ہو کے یہ کہنا کہ ”شاندار زندگی کی مصروفیت کا ایک گھنٹہ گمنامی کی ایک عمر سے بہتر ہے“ حد سے گذر جانا ہے۔

خودغرضانہ اولوالعزمی غول بیابان کی طرح ایک جگمگانے والا دھوکا ہے الن پی ولسن اپنی نظم مین کہتا ہے ”وہ ایک معز زفریب ہے۔ وہ خوش نصیب لڑکے کا کمرہ ڈھونڈھتی ہوئی آتی ہے۔ اس کی حقیر کھڑکی کھول کے اندر داخل ہوتی ہے۔ اس کے آتے ہی تنگ دیوارین پھیل کے وسیع ہو جاتی ہین۔ مکان ایک شاہانہ قصر بن جاتا ہے۔ چھت بلند ہوتے ہوتے آسمان سے جا لگتی ہے۔ اور نہ نظر آنے والی غیب کی انگلیاں چھت پر اعلیٰ درجہ کے سُنہرے نقش و نگار بنا دیتی ہین۔ اور سب سے بالا اس کے نام کو دہکتے ہوے حرفون مین لکھ دیتی ہین۔

”اور اس کا انعام کیا ہے؟ سب سے بڑھ کے ناموری۔ جس مین پہلے تعریف ہوتی ہے۔ جب اُسے سُنتے سنتے کان بھر جائین تو زر۔ جب وہ جس جوسیم و زر سے خوش ہوتی ہے مردہ ہو جاتی ہے تو ہار۔ جب وہ بال جن کی اُن ہارون سے زینت تھی سفید ہو جائین تو شہرت۔ پھر جب دل جوان نعمتون پر اچھلنے لگتا ہے بے حس ہو جائے تو اور باتین مگر محبت نہین۔ حالانکہ محبت ہی وہ چیز ہے جس کی ہمین ضرورت ہے۔ پھر اس کے بعد ہی موت آ پہونچتی ہے۔ اور قبل اس کے ہمین یہ بھی معلوم ہونے پائے کہ یہ غیر سودمند نعمتین ہمین ملی تھین یا کسی

اور کو ہمین برہنہ اور بیک بینی و دو گوش قبر مین پہونچا دیتی ہے"۔
"فقط عالی خاندان ہونے سے کیا ل جاتا ہے؟ **میری ڈوی میڈی سی** جو فرانس کی ملکہ مملکت فرانس کے نظم ونسق کی مالک۔ بادشاہ فرانس کی ماں۔ اسپین کی ملکہ۔ انگلستان کی ملکہ۔ اور سیوا ے کی نواب بیگم تھی۔ غرض کتنی ایک عزتین رکھتی تھی۔ مگر باوجود اس کے اُس کے بیٹون نے اُسے چھوڑ دیا اپنی قلمرو مین اُس کے آنے کے بھی روادار نہ تھے۔ اور آخر دس سال کی تباہیون کے بعد وہ شہر کلونیا مین فاقہ کر کر کے مرگیی۔
دنیا کے سارے تاج کم و بیش کانٹون کے تاج ہین۔ تاج پوشون کی جیسی حس ہو اسی کے مطابق اُن پر ذمہ داریون کا سخت بار رہا کرتا ہے جب کوئی غلط فیصلہ ہزارہا خلقت کو مصیبت مین مبتلا کر دیتا ہے تو اس کی تکلیف محسوس نہ کرنا غیر ممکن ہے۔
اس مین شک نہین کہ ترقی سے چاہے وہ کتنی ہی آہستگی کے ساتھ ہو زندگی پُر لطف ہو جاتی ہے۔ اور بغیر اس کے ناقابل برداشت رہتی ہے کیونکہ ٹرینچ کہتا ہے "ایسے اوقات آتے ہین جبکہ تمام لوگ اپنی آرزوؤن سے مسرور ہوتے ہین۔ اور انھین زیادہ ترقی دینے کے لیے خوشی کے ساتھ نغمہ و سرود۔ غزل خوانی۔ اور اسی قسم کی اور چیزون سے تائید حاصل کرتے ہین۔
انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ بڑھے نہ اس لیے کہ ایک ہی حالت پر پڑا رہے۔ ہم مین سے اکثر لوگ ایک حالت پر کسی طرح قرار نہین لے سکتے۔ ہمارے لیے لازمی ہے کہ آگے بڑھین یا مر جائین۔ مگر باوجود اس کے اپنے حوصلون مین ہمین وسائل ترقی اور نیز انجام سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ایک ظاہری ترقی اگر ناجائز وسائل سے حاصل بھی ہو گئی ہو تو دراصل وہ تنزل ہے۔ تو پھر ہم کیونکر اپنی ان دونون فطری ضرورتون کو ہم آہنگ بنا سکتے ہین؟ ہمارا حوصلہ یہ ہونا چاہیے کہ خود اپنے اوپر حکومت کرین جو کہ ہم مین سے ہر ایک شخص کی سچی سلطنت ہے اور سچی ترقی یہ ہے کہ زیادہ چاہین۔ زیادہ بڑھین اور زیادہ کام کرین۔ اس ترقی مین ٹھہرنے کی مطلق ضرورت نہین۔ ہر ہر قدم

وہ زیادہ مضبوط ہوتی جائے گی نہ مخدوش۔ پہلی اور سب سے اعلیٰ ترقی جو انسان حاصل کرسکتا ہے اپنے فرض منصبی کا بجا لانا ہے۔

مسز کریک اپنے اشعار میں کہتی ہیں "نہ اُسے شاعرانہ مدح خوانی تاج پہناتی ہے نہ رسم ورواج اسے اپنی بیڑیاں پہناتے ہیں۔ نہ دوستوں کی تحسین کی ضرورت ہے نہ دشمن الزام دیتے ہیں۔ موت بغیر کسی شان وشوکت یا حسن وجمال کے اُسے ایک ایسا دیانت دار آدمی پاتی ہے۔ جو اپنے فرض منصبی کو بجا لاتا ہو"

کہتے ہیں کہ "ناموری" کا لفظ **ڈیوک آف ولنگٹن** کے مراسلات میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ اُس کی زندگی کا شعار "فرض" تھا"

بغیر اس کے کہ ہمت میں فرق آئے اپنے آپ کو ولی اور دانا ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ **بائرن** کہتا ہے "فضول خودنمائی نے بھی شہرت کا ایک صحیح راستہ اس طریقہ سے پا لیا ہے کہ تاریخ کے بیکار صفحہ پر دس ہزار فاتحوں کے مقابلے میں صرف ایک دانا آدمی کو منتخب کرلیا"

آج کے سو برس بعد کیا امتیاز باقی رہے گا کہ تم مالدار تھے یا محتاج؟ نواب تھے یا کسان؟ مگر کیا اس کا امتیاز بھی مٹ سکتا ہے کہ تم نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک تھا یا غلط؟"

رسکن کہتا ہے "جو ہم خیال کرتے ہیں۔ یا جو ہم جانتے ہیں یا جس چیز کا ہم یقین رکھتے ہیں انجام میں سب بے نتیجہ ہیں۔ با نتیجہ چیز فقط یہ ہے کہ ہم کیا کرتے ہیں"

ایوب کی نظم میں ہے۔ دانائی کہاں ملتی ہے؟ اور سمجھ کہاں رہتی ہے؟ انسان نہیں جانتا اور نہ اُن کی قیمت جانتا ہے۔ وہ زندگی کی زمین پر نہیں ہے۔ پستی کہتی ہے کہ وہ مجھ میں نہیں۔ سمندر کہتا ہے مجھ میں بھی نہیں اشرفیاں دینے سے دستیاب نہیں ہوسکتی۔ اور نہ روپوں سے اس کی قیمت پوری ہوسکتی ہے۔ مونگے یا موتی کا نام نہ لو۔ اس لیے کہ دانائی کی قیمت یاقوت سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ دانائی کیا ہے؟ خدا کا خوف اور

سمجھ کیا ہے؟ برائیوں کو چھوڑ دینا"۔

دیانت دار اور راست باز رہو۔ **سجے۔ اِن۔ پال رچیر** کا قول ہے "پہلا گناہ جس کا مجرم شیطان ہوا وہ جھوٹ ہی تھا۔ دیانت داری سب سے اچھی اور صحیح پالیسی ہے"۔ عام مثل ہے "ایک جھوٹی ترازو خدا کی ناراضی کا باعث ہے مگر سچی تول میں اس کی خوشنودی ہے"۔

چاسر کہتا ہے "انسان جس اعلیٰ ترین نعمت کا مالک ہو سکتا ہے وہ سچائی ہے"۔ **سکلے رنڈن فاکلینڈ** کی نسبت کہتا ہے "وہ سچائی پر اس قدر فریفتہ تھا کہ چاہو تو آسانی سے اس کی زبان سے چوری پکڑ لو۔ یا اُسے اپنے خیالات نہ چھپانے کا الزام دیدو"۔

پلوٹارچ کہتا ہے "حق سے گریز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان خدا کی تحقیر کرتا اور انسان سے ڈرتا ہے"۔

"یہ اچھا ہے کہ تم اپنی غلطی پر نادم ہو۔ مگر اس کا اقرار کرنے پر ہرگز نہ شرماؤ"۔

میکسمولر کا بیان ہے۔ "بے شمار صفات ہیں جو انسان کو انسان اور اس کام کے لیے موزوں بناتے ہیں جو اس کی غرض تخلیق ہیں۔ لیکن اُن میں ایک ایسی صفت ہے جو بالکل اصلی ہے جس کے بغیر آدمی آدمی نہیں ہو سکتا جس کے بغیر کبھی کسی کو اعلیٰ زندگی نہیں نصیب ہوئی جس کے بغیر کبھی کوئی بڑا کام تکمیل کو نہیں پہونچا وہ صفت سچائی ہے۔ وہ سچائی جو اندرونی طور پر سچائی ہو۔ ان تمام لوگوں کو دیکھو جو حقیقت میں بڑے ... ہوئے ہیں۔ ہم انھیں کیوں بڑا اور اچھا کہتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ خود ہی اپنی نظر میں سچے ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور وہ وہ چیز ہونے کے مدعی ہو سکتے ہیں جو کہ وہ حقیقت میں ہیں"۔

شیکسپیر کہتا ہے "یہ سب پر بالا ہے کہ تو خود اپنی نظر میں سچا ہو اور اسکے بعد جس طرح رات کے بعد دن ہوا کرتا ہے لازمی طور پر یہ ہو گا کہ تو کسی کی نظر میں جھوٹا نہ ہو سکے گا"۔

ورڈسورتھ کہتا ہے "دو چیزیں بظاہر متضاد نظر آتی ہیں مگر انھیں ایک ساتھ نبھنا چاہیے۔ اول مردانہ پابندی۔ اور مردانہ آزادی۔ دوسرے مردانہ اعتماد۔ اور مردانگی کیساتھ خود اپنے اوپر بھروسا"۔ "تم فرمانبرداری سیکھو پھر فرمانروائی خود ہی آجائے گی۔ ڈزرل

(قواعد ورزش) دل اور جسم دونون کے لیے اچھی تربیت ہی اور ایک برا سپاہی کبھی اچھا سپہ سالار نہ بن سکے گا۔"

مثل مشہور ہی "اگر کامیابی تمھارے ساتھ ہی تو کبھی تکبر کو دل مین نہ آنے دینا۔ تکبر تباہی سے پہلے جاتا ہے۔ اور درشت مزاجی زوال سے پہلے جاتی ہے"

ہم اکثر کام کرتے وقت غصہ کرتے ہین اور بیکاری کے وقت تحمل بگریہ غلطی ہی تحمل کے لیے طاقت چاہیے۔ اسکے مقابل غصہ کمزوری کی دلیل ہی اور اسکے لیے اپنے اوپر قابو رکھنے کی قدرت چاہیے۔

اگر تمھین حکومت کی خدمت مل جائے تو نہایت ہی منصف اور خلیق رہو۔ **سعدی شیرازی** کہتے ہین "کسی مشرقی بادشاہ نے کسی بیگناہ کے قتل کا حکم دیا اس نے کہا اے بادشاہ اپنے آپ کو بچا۔ مجھے تو ایک لمحہ ہی بھر کے لیے تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ مگر تیری گردن پر گناہ کا بوجھ ہمیشہ لدا رہے گا"

اقتدار حاصل ہونے کے ساتھ ذمہ داری بھی عائد ہو جاتی ہی کسی معاملہ مین یہ نہ خیال کرو کہ تمھارا دل کیا چاہتا ہی بلکہ یہ خیال کرو کہ تمھین کیا کرنا چاہیے۔

اگر تو بڈھا مین ہو کر دو فرضون مین سے کسے انجام دیا جائے تو پہلا قریبی فرض کو پورا کرو۔ بعض لائق لوگ کا فرون کی اصلاح کے خیال مین پڑ کے اپنے خاندان کی خبر گیری سے غافل ہو جاتے ہین۔ مگر ہمدردی کو بھی نیکی کیطرح گھر ہی سے شروع ہونا چاہیے۔

اس دنیا مین ہر چیز راست بازی چاہتی ہی۔ اس بارے مین ہم اپنے تئین بہت آسانی سے مطمئن کر سکتے ہین۔ اچھا ہم گناہ کی سزا پر بحث کرتے ہین۔ ہمین کون سزا دیتا ہی؟ جواب یہ کہ ہم خود ہی اپنے تئین سزا دیتے ہین۔ اس دنیا کا نظام یون قائم ہی کہ بھلائی کرنے سے مسرت ہوتی ہی۔ اور برے کام سے رنج ہوتا ہی۔ لہذا گناہ کرنا اور پھر اسکی عقوبت سے بچ جانا ایسی چیز ہے جس سے قانون قدرت مین رخنہ پڑ جائے گا۔ گناہ کے معاف ہونے کا یہ مطلب نہین ہی کہ ہمین اس کی سزا نہ ملے گی۔ یہ غیر ممکن ہی نہین بلکہ اگر ایسا ہو تو آفت آجائے۔ واقعی اس سے بڑی کوئی آفت نہین کہ برائی کے ساتھ فارغ البالی بھی ہو۔ تم اگر غلط کاری مین مبتلا ہو گئے تو گذشتہ غلطی کی یاد تمھین آیندہ ہمیشہ ستاتی رہی گی۔ جن لوگون کو تم سے اذیت پہونچی ہی وہ تمھین معاف کر دے سکتے ہین۔ لیکن اس معاف کرنے سے وہ اور تمھارے سر پہ دہکتے ہوئے کوئلون کا انبار لگا دینگے کیونکہ ان کی فیاضی تمھارے گناہ کی سیاہی کو اور زیادہ

گہرا کردے گی"

چال چلن ہی زندگی ہے۔ عمر کی طولانی دوڑ میں مسرت و سرسبزی کا دارومدار اُسی پر ہے۔ بہ نسبت اُس کے خارجی امور کو تمھاری سرسبزی میں اتنا دخل نہیں ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں کیسی ہی ہوں اس میں چندان مضائقہ نہیں دیکھنا یہ ہے کہ خود تمھاری کیا حالت ہے۔ لہذا روز اپنی نگرانی کرتے رہو۔ عادت طبیعت ثانی ہے **بورڈمین** کہتا ہے "کام کو بو دو اور عادت کا پھل لو عادت کو بو دو اور چال چلن کا پھل لو۔ چال چلن کو بو دو اور مقدر کا پھل لو۔ ہم سب ہر روز کچھ نہ کچھ ترقی ضرور کرتے ہیں عام اس سے کہ وہ بُرائی میں ہو یا بھلائی میں۔ مناسب ہو کہ رات کو ہر شخص خود اپنے دل سے پوچھ لیا کرے کہ آج ہم نے کس چیز میں ترقی کی۔

امرسن نے کہا ہے "نوع انسانی دو طبقوں میں منقسم ہے۔ نیکوکار اور بدکار" اگر تم پچھلے گروہ میں ہو تو دوستوں کو دشمن بنا لو گے تو اپنے حافظے سے دکھ پاؤ گے۔ زندگی غمناک ہو جائے گی دنیا قید خانہ بنجائیگی اور موت ایک مہیب چیز ہو گی بمقابل اس کے اگر تم پہلے گروہ میں ہو۔ تو اگر ایک نیک اور روشن خیال دل میں لا سکو یا ایک خوشی کا گھنٹہ کسی بنی نوع کی زندگی کی نذر کر سکو تو سمجھ لو کہ تم نے ایک اچھے فرشتے کا کام کیا۔

یہ ایک بڑی بات ہو گی اگر ہر شخص ہر روز ایک گھنٹہ کے لیے یا آدھے ہی گھنٹہ کے لیے سہی اپنا کمرہ بند کر کے خاطر جمعی سے بیٹھے اور غور کیا کرے۔ یہ کہنا کہ اسکی فرصت نہیں غیر ممکن ہے **سر آرپیل** کا معمول تھا کہ ہر شب ہاؤس آف کامنز سے واپس آکے انجیل کا ایک باب پڑھ لیا کرتے تھے۔ مگر مجھے اس کا بھی اعتراف کر لینا چاہیے کہ اُن دنوں ہاؤس آف کامنز کا اجلاس رات کو اتنی دیر تک نہیں ہوتا تھا جتنی دیر تک کہ اب ہوتا ہے۔

اچھی بات کے خیال میں رہو پھر تم سے کوئی بری حرکت نہ سرزد ہو گی۔ **سر والٹر ریلے** کا قول ہے "جو شخص موت۔ روز جزا۔ اور جنت و دوزخ کو اکثر یاد کیا کرتا ہے وہ ضرور اچھی طرح مریگا"

اور اس کا انعام بھی بڑا ہے۔ خدا کہتا ہے "میرے بیٹے! میری شریعت کو نہ بھول بلکہ اپنے دل کو ادھر متوجہ رکھ کہ میرے احکام کی تعمیل کر۔ اس لیے کہ ان باتوں سے تیرے ایام زندگی تیری عمر اور تیرے اطمینان قلب میں برکت حاصل ہو گی"

ان باتوں کو ترک نہ کر۔ اس میں شباب کا عذر بھی نہ پیش کر۔ **مارگریٹ آف والوا**[ع۵] کا

ع۵ مارگریٹ آف والوا شاہ فرانس فرینسس اول کی بہن اور نوبیر کی ملکہ سنہ ۱۴۹۲ء میں پیدا ہوئی اور ۱۵۴۹ء میں وفات پائی۔

قول ہے "جب ہماری ہڈیون پر گوشت نہ باقی رہے گا ہم سب بڑے متقی و پرہیزگار ہو جائیں گے"

اس لیے عہد شباب مین اپنے خالق کو نہ بھولو۔ اگر ہمین آرزو ہے کہ جیسی موت ہم چاہتے ہین ویسی موت ہمین نصیب ہو تو اس طرح کی زندگی بسر کرین جیسی کہ ہمین بسر کرنی چاہیے۔ اچھے آدمی کے لیے موت مین اندیشے اور خطرے نہین ہین **بشپ ہال** اپنی آخری بیماری مین صرف یہ کام کرتا رہا کہ مندرجۂ ذیل فقرون کا ترجمہ سات زبانون مین کر ڈالا "چونکہ نیند موت کی بہن ہے اس لیے مجھے اس بارے مین غفلت نہ کرنا چاہیے کہ اپنے آپ کو خدا کی مرضی پر چھوڑ دے جو مجھے نیند کی موت اور موت کی نیند سے اُٹھا لیگا"

سقراط جب قتل کا حکم جاری کرنے والون کے اجلاس مین پیش ہوا تو سسرو کہتا ہے "وہ اُس شخص کی سی گفتگو نہین کرتا تھا جسے سزاے موت دی گئی ہو بلکہ اُس شخص کی سی باتین کر رہا تھا جسے آسمان پر معراج ہونیوالی ہو"

سنیکا کہتا ہے "اگر تم اپنے فرض کو بہادری اور فیاضی سے بجا لاؤ گے تو تمھین کیا ملے گا؟ تمھین یہ ملے گا کہ تم اسے کر چکے۔ کام خود ہی انعام ہے" ہمین حق پر عمل کرنا چاہیے نہ وعدون کی امید پر اور نہ سزا کے خوف سے بلکہ خود امر حق کے شوق سے۔ کیونکہ خدا کہتا ہے "خاص میرے دل کی خوشی تیری پسند ہے!"

نیکی آپ ہی اپنا انعام ہے۔ بعض کے لیے واقعی خلاف فطرت جزا و سزا کی ضرورت ہے تاکہ وہ گناہ سے بچنے پر مجبور رہون **اسپی نوزا**[ع] کہتا ہے "مین جانتا ہون کہ یہ شخص کیسی کیچڑ مین پھنسا ہوا ہے۔ یہ ان لوگون مین ہے جنھین اگر دوزخ کا خوف نہ ہوتا تو شہوت رانیون مین مبتلا ہو جاتے۔ اس طریقے سے وہ برے کامون سے بچتے اور خدا کے احکام بجا لاتے ہین۔ جیسے کوئی غلام بے دلی سے کام کرتا ہو۔ اور اُس کام کے صلہ مین خدا سے ان نعمتون کا امید وار ہو جو اس کے مذاق مین محبت الٰہی سے بڑھی ہوئی ہین۔ اور اُسے نیکی سے جو حقیقی نفرت ہے اس کے

[ع] اسپی نوزا ایک پرتگالی یہودی کا بیٹا تھا۔ علم و فضل مین ترقی کر کے بعض ایسے عقائد ظاہر کیے کہ یہود کے ربیون نے اس کے کفر کا فتوی دے دیا جس پر وہ عیسائی ہو گیا۔ وہ قدامت مادہ کا قائل ہے ۱۶۳۲ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۶۷۷ء مین مر گیا۔

دیکھتے وہ نعمتین اصل مین اس کے کام سے زیادہ ہین'' اس کے سوا دوسری جگہ بھی وہ عابد وزاہد شخص کی تصویرین انفاظ مین کھینچتا ہے ''روز جزا کو وہ اللہ جلشانہ کے سامنے آئین گے - اور امید وار ہونگے کہ زہد و تقویٰ کے تکلیف دہ بوجھ اُٹھانے کے صلہ مین رحمتون سے لاد دیے جائین'' جو شخص دراصل عقلمند ہے اسکے لیے نیکی کا صلہ رحمت نہین بلکہ خود نیکی ہے - گو اس منزل تک پہونچنے کا راستہ بہت ہی ڈھالو ہے مگر پھر بھی انسان اس پر سے گزر سکتا ہے - جتنی چیزین عمدہ ہین سب ایسی ہی دشوار اور ایسی ہی کمیاب ہوتی ہین -

ہم جانتے ہین کہ کمال کی انتہائی حد تک ہم نہین پہونچ سکتے - تاہم ہمارا مقصد یہی ہونا چاہیے کہ اور سب باتون کی طرح چال چلن مین بھی کمال حاصل کرلین - علاوہ برین ہم سب نے اپنے دلون مین ایک یقینی رہنما پیدا کرلیا ہے اگر ہم (اسی رہبر) کانشنس (نفس مطمئنہ) کے کہنے پر عمل کرین تو غلط راستہ پر نہین جاسکتے - اگر چاہے تو ہر شخص اپنی زندگی کو شریفانہ زندگی بنا لے سکتا ہے -

اس لیے جہانتک بنے بہترین زندگی کا نمونہ اپنے پیش نظر رکھا کرو - ڈگنن کہتا ہے '' انسان اگر اپنے سے زیادہ بلند درجہ پر اپنے آپ کو نہ چڑھا سکے تو وہ کس قدر حقیر چیز ہے ''

اس طرح بلکہ (زور دے کے کہا جائے تو) اسی طرح شاید تم اپنے آپ کو ایسا تیار کرسکو کہ اگر مرد ہو تو تمھاری نسبت وہی کہا جاسکے جو شیکسپیر نے مارک انٹونی کی زبان سے بروٹس کی نسبت کہا ہے کہ اُس کی زندگی شریفانہ تھی اور اُس کی صورت مین عناصر کا ایسا مناسب امتزاج ہوا تھا کہ کیا عجب جو خود قدرت کھڑی ہو کے ساری دنیا مین پکار دیتی کہ انسان ایسے ہوتے ہین ! اور اگر عورت ہو تو ورڈس ورتھ کا یہ قول صادق آئے کہ ایک مکمل عورت جو اندیشون سے ہوشیار کرنے - تسلی دینے اور حکومت کرنے کے لیے نفاست کے ساتھ بنی ہے - اور باوجود اس کے ایک خاموش اور روشن روح ہے جس مین تھوڑی بہت فرشتون کی نورانیت بھی ملی ہوئی ہے !!

سر ڈالٹر اسکاٹ نے اپنے بستر مرگ پر لاکھارٹ سے جو الفاظ کہے یہ تھے "نیکوکار رہو۔ پابند دین بنے رہو۔ اور ایک اچھے آدمی رہو۔ بس اس کے سوا اور کسی طرح تمھین اس مقام پر جہان مین لیٹا ہوا ہون اطمینان قلب نہ حاصل ہو سکے گا"۔ بلعام کے دل مین بھی یہی تمنا تھی کہ مین ایک حق پرست کی طرح مرون۔ اور میرا خاتمہ ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کا ہوتا ہے"۔

اطمینان و مسرت

کامیابی اور مسرت ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ نہین دیتی ہین! اور بہت سے لوگ تکلیف مین ہین باوجودیکہ اُن کے پاس مسرت کا پورا سامان جمع ہے۔ فطرت تاشہ زور کو جو اس کا لاڈلا ہوا کرتا ہے دولت۔ قوت۔ خطاب۔ اور عمر طویل۔ غرض سارے سامان عیش دے سکتی ہے مگر اسے مسرور نہین بنا سکتی۔ اپنے تئین مسرور بنانا یہ خود اس کا کام ہے۔ دنیوی کامیابی کی زندگی خطرون اور فکرون سے بھری ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ذات مین مسرت کے اسباب نہین پاتا تو اُسے دنیا بھر کا حسن سامان کیثر۔ دنیوی خوشیان۔ اور منفعتین غرض کوئی چیز بھی اسے مسرت نہین دے سکتی شوپن ہاور کہتا ہے "دنیا ایک شخص کی نظر مین بے سود بے مزہ اور لغو ہے۔ اور دوسرے کی نظر مین سودمند۔ دلچسپ۔ اور بانتیجہ"! مسرت ایک ایسی چیز ہے جس سے کام لینا سرود کی مثل ہے۔ اگر ہم ٹھیک طور پر قاعدے سے سیکھین گے تو بجانا آجائے گا۔ لیکن خیال رہے کہ اس کے شوق مین ہم حد سے نہ گزر جائین۔ ڈالس[عہ] کہتا ہے ہماری اعلیٰ سے اعلیٰ مسرت عالم ارواح مین واپس چلی جائے گی اگر ہم اور ینوس کی طرح اس کی

عہ یہ ایک نامی انگریز مقنن کا نام ہے جو وارن ہسٹینگز کے مقدمہ مین صفائی کی طرف سے پیروی کرتا تھا۔ ۱۸۲۴ء مین دنیا سے رخصت ہوا۔

طرف پلٹ کے دیکھ لین گے **فرینکلن** کا مقولہ ہے "تم مسرتون سے بھاگو۔ پھر وہ تمھارے پاس دوڑی چلی آئین گی۔

اپنے آپ کو بہت بڑھا چڑھا نہ تصور کرو۔ دنیا مین اکیلے تمھین نہین ہو رسکن کہتا ہے "عیش و عشرت کی جستجو نہ کرو۔ لیکن ہمیشہ خوش ہونے کے لیے آمادہ رہو"۔ زندگی کو مسرتون کے حصول مین کامیاب بنانا بڑی چیز ہے چاہے وہ مسرتین چھوٹی ہی چھوٹی ہون۔

مین فطرۃً یہ کہتا ہون کہ ظرافت کا جذبہ ایک الہی نعمت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس مین شک کیا جاتا ہے کہ بیون اور علتون کو جانور بھی سمجھتے ہین یا نہین۔ مگر بادی النظر مین وہ مسرور ہونے کی برکت سے مطلقاً محروم ہین۔

جیمز فورٹ کا قول ہے "جس دن ہم ہنسے نہ ہون وہ دن ہمارے ہاتھ سے ضائع ہو گیا"۔ ایک خندۂ مسرت کی آواز سے بڑی کون مسرت ہو سکتی ہے؟ دل پر سے وہ بار کو کس قدر ہلکا کر دیتا ہے۔ **شکسپیر** کہتا ہے "ایک مسرور دل سارے دن چلتا رہتا ہے مگر تمھارا غمگین دل ایک ہی میل مین تھک جاتا ہے" ایک عیسائی اسقف کا قول ہے "مسیحیت کے دس حصون مین سے نو حصہ عمدہ مذاق ہے"۔ اور اگر تم کسی بات پر برہم ہو تو **انجیل** کے اس حکم کو نہ بھولو کہ "تمھارا غصہ فرو ہونے سے پہلے آفتاب نہ ڈوبے" لڑائی مین دو فریق ہوا کرتے ہین۔ اس کا خیال رکھو کہ ان دونون مین سے کوئی فریق تم نہ ہو۔

عہ یہ نقطہ طلب جملہ ہے۔ اور یونانیون کی دیو مالا سے متعلق ہے۔ یونان کے دیوتاؤن کے زمانے مین اورفیوس نام ایک کلاونت گویا تھا جس کا نغمہ جادو کی طرح در و دیوار پر اثر کرتا اور حجر و شجر کو رقص مین لے آتا تھا۔ اسکی جورو یوری ڈیس مرگئی تو اسکی تلاش مین وہ عالم ارواح مین گھس گیا۔ اور گا بجا کے وہان والون کو ایسا بیخود کیا کہ انھون نے اس کی جورو یوری ڈیس کو اجازت دے دی کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جائے۔ مگر اس شرط سے کہ جبتک اوپر کی دنیا مین نہ پہونچ جانا جورو کی طرف پلٹ کے نہ دیکھنا اور چپ چاپ چلے جانا۔ مگر اورفیوس شوق دید مین ایسا اندھا ہو رہا تھا کہ مقام مقررہ تک پہونچنے سے پہلے ہی پھر کے دیکھ لیا فوراً اثر جاتا رہا اور اسکی معشوقہ بی بی ہمیشہ کے لیے اس سے چھن گئی۔

بعض آدمی ہمیشہ دکھڑا روتے رہتے ہین - اگر وہ جنت عدن مین پیدا ہوتے تو وہان بھی اُنھین شکایت کے بہت سے موقع مل جاتے - ان کے مقابل بعض اور لوگ ہین جو ہر جگہ خوش رہتے ہین - وہ اپنے گرد و پیش مسرتین اور برکتین ہی پاتے ہین ما رس اپنی نظم "جنت دنیوی" مین کہتا ہے "دنیا کیسی جنت بن جاتی اگر خوف زمین کے اندر دفن ہوجاتا - امید نامراد نہ رہتی - اور محبت کو زوال نہ ہوتا"

خوش مزاجی ایک بڑا اخلاقی علاج ہے جیسے سورج کی کرنین پھول کھلاتی اور میوون کو پکاتی ہین ویسے ہی خوش مزاجی جس سے آزادی و زندہ دلی کا جذبہ مراد ہے - ہمارے اندر خوبی کے تمام تخمون کو نشو و نما دیتی اور ہم مین جو کچھ خوبیان ہین اُن کو چمکا دیتی ہے خوش مزاجی ہمارا ایک فرض ہے - اور دوسرون کے ساتھ اُس فرض کے بجا لانے کے ہم ذمہ دار ہین - ایک پُرانی کہاوت چلی آتی ہے کہ "قوس قزح جس جگہ زمین سے چھو جاتی ہے وہان ایک سونے کا جام پیدا ہو جاتا ہے" اور بعض ایسے لوگ ہین جن کی مسکراہٹ جن کی ہنسی کی آواز - اور جن کی موجودگی آفتاب کی شعاعون کی طرح ہر چیز کو سُنہرا بنا دیتی ہے - لوگ جب تک اپنے آپ کو خوش مزاج رکھین ہرگز شگفتہ خاطر نہین ہو سکتے سی بکسٹن کہتا ہے "ایک مسرور دل اپنے علاوہ دوسرون کے لیے بھی ایک ہمیشہ برقرار رہنے والی ضیافت ہے فلارنس نائٹن گیل[1] کی صورت اس کی دواؤن سے زیادہ شفا بخش تھی - اور اگر ہم دوسرون کے بوجھ مین ہاتھ لگا دین گے تو خود ہمارا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا -

بعض لوگون کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ خوش مزاجی بے فکری سے وابستہ ہے - مگر ان دونون مین کوئی لازمی علاقہ نہین ہے آرنلڈ کہتا ہے "سہولت پسند

---

[1] مس فلارنس نائٹن گیل ایک انگلش خاتون تھی جس نے مختلف زبانون کی تحصیل کے بعد قومی خدمت پہ کمر باندھی - ڈاکٹری کا فن حاصل کیا - مریضون کی خدمت گزاری کرتے کرتے بڑی نمود حاصل کی - اور آخر کریمیا کی لڑائی مین انگریزی فوج کے ساتھ آئی واپسی مین قوم نے بڑی قدر کی - اور ہر شخص اس کے نام پر فریفتہ تھا - جس مریض کے سرہانے جا کھڑی ہوتی اُسے تسکین ہو جاتی سنہ ۱۸۲۰ء مین پیدا ہوئی تھی اور تھوڑے دن ہوے مر گئی -

طبائع جو دنیا میں واقعی خدا کی اعلیٰ ترین برکات ہیں اُن میں کبھی نہایت ہی پرجوش خیال اور نازک ترین محبت کی دُھن پیدا ہو جاتی ہے۔ اور نہایت ہی خوبی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو خدا کی نظر میں احمق ہیں اُن کے طبائع کی تنگی اور درشتی اگر اُن کی اُس دُھن میں مل جاتی تو یہ خوبی ہرگز نہ ہوتی۔"

بہت سے لوگ ہیں جن کی پیدائش بھی اُن کے حق میں مدت العمر کے لیے محنت شاقہ کی سزا ہے۔ اس کو غریبی ہی کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ دولت مندوں کو بھی ویسی ہی بلکہ اس سے زیادہ سخت محنت کرنا پڑتی ہے۔ اسوا اس کے کتنے ہیں جن کے لیے تکلیف کا باعث اُن کی دولت ہی ہے۔ جن کو زندگی میں نہ آسائش نصیب ہے اور نہ سکون و اطمینان۔ اس دنیا میں ہم تکلیف سے نہیں بچ سکتے۔ لیکن ہاں اگر ہم خود ہی چاہیں تو اس پر غالب آ سکتے ہیں اور اس غرض کے حاصل کرنے کے لیے ہمیں اپنے حافظے کے کمرے کی دیواروں کو خوبصورت تصورات کی تصویروں اور مسرت کی یادداشتوں سے آراستہ کرنا چاہیے۔

چاہتے سب ہیں مگر جانتے چند ہی ہیں کہ اپنے آپ کو کیونکر مسرور بنانا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ زندگی کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔

"چھوٹی مصیبتوں کو بڑا نہ بناؤ" **وسپر** کہتا ہے "اس زندگی میں کون سی مصیبت ہے جو اس شخص کو بڑی نظر آئے جو ابدیت اور لامانی الکون کی وسعت سے آشنا ہے؟ کیونکہ انسانی علم میں یا زندگی کے چھوٹے ظرف میں کون سی چیز ایسی ہو سکتی ہے جو اس دانا شخص کی نظر میں بڑی معلوم ہو سکے جس کا دل ہمیشہ اُسکی جانچ کرتا رہتا ہے کہ کون سی ایسی مصیبت ہے جو غیر متوقع ہو۔"

ایک خفیف سی چوٹ آ جاتی ہے تو ہم اُسے اکثر ایک بڑا بھاری کاری زخم تصور کر لیتے ہیں **فلر** یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ کوئی سرجن (جراح) ایک خفیف زخم کے علاج کے لیے بلایا گیا۔ سرجن نے آدمی کو دوڑایا کہ اسی وقت بھاگتے ہوئے جاؤ اور شہر سے مرہم کا پھاہا لے آؤ۔ معزز مریض نے اُسے جلدی کی سخت تاکید کرتے دیکھ کے پوچھا، "کیوں ڈاکٹر صاحب کیا یہ زخم خطرناک تو نہیں ہے؟" سرجن نے کہا، "خطرناک تو نہیں ہے مگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر یہ آدمی لوا ایسی ڈاک دوا لیکے نہ آیا۔

تو یہ زخم خود ہی اچھا ہو جائے گا اور مرہم بیکار جائے گا: مرور ایام سے جس طرح زخم اچھے ہوتے ہین اسی طرح غم بھی دور ہو جاتے ہین۔ **جان اسٹوارٹ مِل** کہتا ہے "ایک شائستہ دل (میری مراد فلسفی کے دل سے نہین ہے بلکہ ہر دل جس مین علم کے چشمے جاری ہو گئے ہون۔ اور کسی حد تک تحمل و برداشت کے عمل مین سدھ گیا ہو) اپنے گرد و پیش کی تمام چیزون مین منافع کے غیر فانی سرچشمے دیکھے گا۔ نطرت کے مقاصد مین علم و فن کی مہمات مین شاعری کی خیال آفرینی مین۔ تاریخ کے واقعات مین۔ انسانی اطوار و اوضاع مین۔ گذشتہ و حال مین۔ اور اُن کی آیندہ امیدون مین۔ غرض سب چیزون مین ایسے ہی فوائد و منافع نظر آئین گے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص قبل اس کے کہ اُن کا ہزارواں حصہ بھی ختم ہوا ہو ان سے بے پروا ہو جائے ہان یہ اور بات ہے کہ کسی کی غرض شروع ہی سے ان چیزون کی طرف توجہ کرنے مین کوئی اخلاقی یا انسانی دلچسپی نہ ہو بلکہ اُس کا مقصود صرف اپنا شوق پورا کرنا ہو"

ہم ایک ایسی دنیا مین رہتے ہین جس مین پھول ہین درخت ہین۔ سبزہ ہے۔ ندیان ہین۔ جھیلین ہین سمندر ہین۔ پہاڑ ہین۔ اور سورج کی کرنین ہین۔ باغ قدرت روشن کے لیے روشن ہے۔ اور جو تسلی پذیر ہین انھین تسلی دینے والا ہے۔ **ولیم مارس** کہتا ہے "روشن کرنون والی صبح خاموش اور اجلی تھی معطر کہرا ہوا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا لطیف سمان تھا کہ معلوم ہوتا جیسے موسم بہار پھر واپس آکے اپنی باہین زندگی ختم کرنے والے برس کے گلے مین ڈالے دیتا ہے۔ دنیا نعمتون کے خواب ناز مین غافل سو رہی ہے اور وہ اس کا منھ چوم رہا ہے۔

لیکن حسن کی قدر دانی کے لیے ہم مین حسن کے پہچاننے کی حس ہونی چاہیے اور ہاتھی کی ہوشیاری کے ہم نے بہت سے واقعات سنے ہین۔ لیکن ایسا خیال کرنے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی کہ دنیا کے نہایت دلفریب منظر دیکھ کے اُنھین بھی کوئی لطف آتا ہے۔

ہم بعض اوقات لوگون کو بیکاری کی شکایت کرتے سنتے ہین۔ یعنی وہ کہتے ہین کہ ہمین کرنے کو کوئی کام نہین ہے۔ لیکن ایسی باتون کی اصلیت یہ ہے کہ بیکاری خود انھین کی ذات مین ہے **ساودی** کہتا ہے "اگر کوئی تعلیم یافتہ آدمی جو تندرست ہو

آنکھیں اور ہاتھ رکھتا ہو۔ اُسے فرصت بھی ہو۔ اور پھر اس کے ساتھ بیکاری کی شکایت کرے تو سمجھنا چاہیئے کہ خدا تعالی نے یہ تمام نعمتیں ایک ایسے شخص کو دیدیں جو اُن کا مستحق نہ تھا"!

مسرت نہ دولت سے ملتی ہے نہ عزت سے۔ بغیر محنت۔ فیاضی۔ اور فارغ البالی کے تم دولتمند بن سکتے ہو۔ بڑے آدمی ہو سکتے ہو۔ اور زبردست بھی مانے جاسکتے ہو۔ مگر مسرور نہیں ہو سکتے۔

فارس میں ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک عالی مرتبہ بادشاہ کی پریشانی نہ جاتی تھی آخر نجومیوں سے پوچھا گیا کہ یہ پریشانی کیوں ہے؟ اور کیونکر دور ہو گی؟ انھوں نے بتایا کہ جہان پناہ کسی ایسے شخص کا کرتا لے کے پہنیں جو ہمہ وجوہ خوش ہو۔ دربار میں اور سارے ملک کے تمام آسودہ حال لوگوں میں اس صفت کا شخص ڈھونڈھا جانے لگا مگر پتہ نہ لگا۔ اور ساری جستجو بیکار گئی۔ آخر خدا خدا کر کے ایک مزدور مل گیا جو اپنا کام پورا کر کے آرہا تھا اور اُس میں نجومیوں کے بتائے ہوئے تمام شرائط موجود تھے یعنی ہمہ وجوہ شادان و فرحان تھا۔ مگر افسوس بادشاہ کی پریشانی کی دوا اب بھی دستیاب نہ ہوئی۔ کیونکہ اس شخص کے جسم میں کرتا ہی نہ تھا۔

میں پہلے بتا چکا ہوں اور سب لوگوں کو اس پر اتفاق بھی ہے کہ مسرت نہ کہیں روپیہ دے کے مول لی جاسکتی ہے۔ اور نہ تو دربازو سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بادشاہوں کے تاجوں میں کانٹے لپٹے ہوئے ہیں ہیرو نے سی مونی ڈینز سے کہا۔ نوع انسان کا زیادہ حصہ شاہی شان و شکوہ سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ مگر میں اس پر بالکل فریفتہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ میرے نزدیک لوگوں کے مسرور یا پریشان خاطر ہونے کا اندازہ عوام الناس بالتخصیص انھیں چیزوں سے کرتے ہیں جو ان کو نظر آتی ہیں۔ اور شاہی عام دنیا کے سامنے علانیہ طور پر اور بالکل آشکارا طریقہ سے اُن چیزوں کو نمایاں کرتی ہے جو نہایت ہی قیمتی خیال کیجاتی ہیں۔ برخلاف اس کے بادشاہی کی دشواریوں اور فکروں کو وہ روح کے اُن نہایت ہی پوشیدہ خلوت کدوں میں چھپائے رکھتی ہے جو انسانی مسرت و الم کے رہنے کے خاص مقامات ہیں اگر تم خود دیسی ہی بات پوچھو تو مجھے تجربہ سے بخوبی معلوم ہے اور سی مونی ڈینز ہیں تمھیں بھی اس کا یقین

دلاتا ہون کہ بادشاہون کو اعلیٰ ترین مسرتون مین سے بہت ہی کم نصیب ہوئی ہین اور اکثر بدترین برائیان ان مین موجود ہین"

مگر مسرت کی مختلف روشنیون اور نیکی کے دلکش طریقون کی حالت بیان کرنے مین ہم بالکل عاجز ہین اور سب سے اعلیٰ مسرت کی نسبت ہم جو کچھ کہہ سکتے ہین یہ ہے کہ اس مین ایک نامعلوم اور ناقابل بیان جادو ہے۔ اور اعلیٰ ترین نعمت کے متعلق ہم بس اسی قدر کہہ سکتے ہین کہ اُسے زبان ادا نہین کر سکتی۔

اگر ہم ٹھیک طور پر دیکھین تو ڈینٹ کے ساتھ ہم سب کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جائین گے "اور مین نے جو کچھ دیکھا ایک عالم وجد تھا۔ ساری چیزین ایک عالم تبسم کی شان مین نمایان تھین۔ بے نظیر فرحت تھی! ناقابل بیان مسرت تھی! اطمینان و محبت کی غیر فانی زندگی تھی۔ نہ گھٹنے والی دولت تھی۔ اور بیحد و بے پایان رحمت"

عالم فطرت مین ہر چیز ایک عاقلانہ اور فیاضانہ نظام کے تابع ہے۔ ہر چیز دوسری سے وابستہ ہے۔ اور نفع رسانی کے لیے کام کر رہی ہے۔ اگر ہم تکلیف مین مبتلا ہوتے ہین تو اُن مین یا تو خود ہمارا ہی قصور ہوتا ہے اور یا عالم کی عام بہبود اُسی مین متصور ہوتی ہے۔ سنیکا کہتا ہے "ایسا کوئی فرض منصبی نہین ہے جس کے بجا لانے مین کچھین مسرت نہ ہوتی ہو۔ اور نہ کوئی ایسی ہوس ہے جس کی کوئی روک نہ موجود ہو"

سسرو کے بیان کے مطابق اپی کیورس نے اُسے یون لکھا ہے کہ "خواہشین تین قسم کی ہوتی ہین پہلی تو وہ جو فطری بھی ہین اور ضروری بھی ہین دوسری وہ جو فطری تو ہین مگر ضروری نہین تیسری وہ جو نہ فطری ہین اور نہ ضروری۔ اور ان تینون کی کیفیت یہ ہے کہ جو فطری بھی ہین اور ضروری بھی وہ بغیر زیادہ دشواریون کے اور بغیر زیادہ صرف کرنیکے رفع ہو جاتی ہین۔ جو فطری ہین مگر ضروری نہین وہ بھی بہت زیادہ صرف نہین چاہتین۔ کیونکہ فطرۃ کا قاعدہ ہے کہ اُسکی خواہشین جن دولتون سے پوری ہوتی ہون اُنھین وہ ہمیشہ سہل الحصول رکھتی ہے۔ اور ایک محدود مقدار تک مہیا رکھتی ہے لیکن فضول خواہشین (جو نہ فطری ہین اور نہ ضروری) اُن مین کسی قسم کا اعتدال پیدا کرنا یا اُن کی کوئی حد مقرر کرنا غیر ممکن ہے"



اطمینان ومسرت

وائن کہتا ہے "وہ شخص کیسا مسرور پیدا ہوا اور کیسے مسرت کے آغوش مین پلا ہے جو دوسرون کی مرضی کا غلام نہین۔ جس کی آواز اس کے نیک نیتی کے پاکیزہ خیالات ہین اور جس کا اعلیٰ ترین ہنر کمال سادگی کے ساتھ اُس کا سچ بولنا ہے"۔

ہمارے زمانے کی اور بدقسمتیون مین سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمین سستانے اور دم لینے کی بہت ہی کم مہلت ملتی ہے۔ ہم ایک دائمی چکر مین رہتے ہین۔ کتنی ایک عورتون اور نیز مردون کے دلون مین پورشیا عہ کی طرح یہ خیال گزرا ہوگا کہ "میرے اس ننھے سے جسم کو اس بڑی بھاری دنیا نے تھکا ڈالا ہے"

الغرض اچھا کام جلدی مین نہین ہوسکتا ہے۔ قوت متخیلہ فرصت اور اطمینان چاہتی ہے **کنگسلے** کہتا ہے "مین جانتا ہون کہ ہم سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ اطمینان وفارغ البالی ہے۔ یعنی دل و دماغ کا سکون یتیمن۔ مضبوط۔ رکا تھا۔ اور ضابط مزاج جس کے لیے کسی محرک کی ضرورت نہین ہوتی۔ کیونکہ اُسے پستی وپژمردگی کا عارضہ نہین ہے۔ نہ کسی مسکن کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ اُسے جوش مین آپے سے باہر ہو جانے کی شکایت نہین ہے۔ زاہدانہ اتقا کی بھی ضرورت نہین ہوتی۔ کیونکہ وہ اس بات پہ پوری طرح قادر ہے کہ خدا کی نعمتون کو بغیر اس کے کہ اُن کی بے وقعتی ہو کام مین لائے۔ وہ مزاج جس مین سچ مچ اتقا دیرہیز ہے۔ کھانے پینے ہی مین نہین بلکہ تمام خواہشون خیالون

عہ پورشیا شیکسپیر کے ایک ڈراما کی ہیروئن کا نام ہے۔ جس کی زبان سے اُس نے یہ خیال ظاہر کرایا ہے۔

اور کاموں میں جو وحشیانہ شہوتوں اور ہوسوں سے بچا ہوا ہے (جن میں کہ ہمارے پرانے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام مبتلا ہو گئے تھے۔ اور ممنوع چیز کے ذریعے سے نورانیت اور زندگی کی آرزو کرنے کے باعث بیماری اور موت کی آفت میں پھنس گئے) ہاں ہاں میں اس ضرورت کو جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ آرام وہیں مل سکتا ہے جہاں تم کو نظر آیا ہے"

ایکٹی ٹس کہتا ہے "جیسا زیوس (یونانیوں کے مہادیو) نے مقدر کر دیا ہے۔ ویسا ہی تمھارا عمل بھی رہے۔ اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو سزا بھگتو گے اور سزا کیا ہے؟ اپنے فرض منصبی کو پورا نہ کر چکنا اس کے ساتھ ہی تم میں سے اعتدال دیانتداری۔ اور قابلیت کے خصائل فنا ہو جائیں گے۔ کیا اس سے بڑی کوئی اور بھی سزا ہو سکتی ہے؟

رسکن کا قول ہے "ہم بہت سی ضرورتوں کی شکایتیں کیا کرتے ہیں ہمیں ووٹ کی ضرورت ہے۔ ہمیں آزادی کی ضرورت ہے۔ ہمیں دلچسپیوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں روپیہ کی ضرورت ہے۔ مگر ہم میں سے کون محسوس کرتا یا سمجھتا ہے کہ اسے اطمینان خاطر کی ضرورت ہے۔ اگر تمھیں اس کی ضرورت ہے تو اس کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ جن میں سے پہلا مطلقاً تمھارے ہی اختیار میں ہے۔ وہ یہ کہ اپنے آپ کو مسرت و شادمانی کے خیالات کا آشیانہ بنا لو..........

اس بات کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ عنفوان شباب میں کسی کو اس کی تعلیم ہی نہیں ہوتی ہے کہ پر لطف خیالات سے ہم کیسے کیسے پریوں کے محل بنا کے کھڑے کر سکتے ہیں جو ہر قسم کی دست برد سے مصئون و مامون ہوں۔ روشن خیالات پرانی فارغ البالی کی باتوں کی یاد۔ دیانتداری کے اقوال قیمتی اور اطمینان بخش خیالات کا خزانہ یہ ایسی نعمتیں ہیں جن میں فکر خلل نہیں ڈال سکتی۔ درد پریشان نہیں کر سکتا۔ حتی کہ مفلسی بھی اُن کو ہم سے نہیں چھین سکتی۔ یہ ایسے قصر و ایوان ہیں جو بغیر ہاتھ لگے بن گئے ہیں۔ تا کہ ہماری روحیں اُن میں آرام کریں۔

نیک شہنشاہ **انٹونی نس اعظم** نے مرتے وقت جو آخری "پرول" اپنے پہرے کے افسر کو دیا "مستقیم سکون"، تھا۔ حضرت مسیح کے استقلال میں کبھی فرق

نہین آیا۔ اور ہمارے پیغمبر آخرالزمان محمد صلعم کا استقلال تحمل و برداشت کا ایک بینظیر نمونہ تھا۔ سینٹ ٹامس آف کمپس کہتا ہے "خواہش کو چھوڑ دے بس تجھے اطمینان حاصل ہو جائے گا" ہم کو زندگی مین چھوٹی چھوٹی باتون سے ویسا ہی صدمہ ہوتا ہے جیسا کہ بڑی باتون سے کمبرلینڈ اپنے ایک شعر مین کہتا ہے "وہ تمام بُری چیزین جن سے انسان مردود خلائق ہو جاتا ہے اُن سب سے بدتر خود اپنی بُری طبیعت ہے" اک کلی سی ایسٹی کس مین جو کہ عیسائیون کی ایک غیر متلو انجیل ہے درج ہے کہ "ایک توانا جسم سے بڑی کوئی دولت نہین۔ اور دل کی خوشی سے بڑھ کے کوئی خوشی نہین"

اپنے مسرور کرنے کے لیے ہمین باہر کیطرف نظر نہ دوڑانی چاہیے۔ بلکہ خود اپنے نفس مین اور اپنے دل مین دیکھنا چاہیے۔ آسمانی سلطنت تمھارے نفس کے اندر موجود ہے۔ اگر ہم یہین نہ خوش ہو سکین تو ہمین دوسرے عالم مین مسرت کی توقع رکھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ کیا وہان خدا یہان سے زیادہ ہماری نگہبانی کرے گا؟ اگر ہم دنیا ہی مین اطمینان قلب نہین حاصل کر سکتے تو پھر جنت مین اسکے حاصل کرنے کی ہمین کیونکر امید ہو سکتی ہے؟ اس نعمت سے ہمین کونسی چیز محروم رکھتی ہے؟ وہ نخوت۔ حرص۔ خود غرضی۔ اور بلند پروازی کے جذبات ہین لیکن اُن کی اور اُن کے سے اور بہت سے بڑے جذبات حاصل ہونیکے بغیر ہی ہم یہان خوش ہو سکتے ہین اور جب تک ان مین مبتلا ہین ہمین ہرگز مسرت نہین نصیب ہو سکتی۔ اگر ہمین یہان کھٹکا لگا ہوا ہے کہ جو چیزین ہماری نظر مین قیمتی ہین کہین ہم سے چھن نہ جائین تو اس سے کس قدر زیادہ دھڑکا ہمین جنت مین لگا رہے گا۔ اگر ہم یہان دوسرون کے ساتھ اطمینان سے نہین رہ سکتے تو کسی دوسرے عالم مین ہمین اُن کے ساتھ خوش رہنے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ اگر ہمارے اطمنان اور ہماری مسرت کی بنا بیرونی چیزون پر ہوا اور اُن کے لیے ہم دوسرے عالم کی طرف نظر دوڑائین تو کیا یہ نہ ہو گا کہ اس دوسرے عالم کی زندگی مین ہم ایک تیسرے عالم کے آرزومند ہون؟ اور اسی طرح سلسلۂ امید برابر آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

اس مین شک نہین ہے کہ مسرت کا لطف پیش بینی۔ آرزومندی۔

اور یاد کرنے مین سہ گونہ ہو جاتا ہے۔ لہذا حصول مسرت کا ایک خالص اور وسیع سرچشمہ آئندہ پر نظر ڈالنے مین ہوتا ہے۔ یعنی اس بات کی امید کرنے مین کہ ہمارے جو پیارے ہم سے چھوٹ گئے ہین اُن سے پھر ملاقات ہوگی۔ اس شوق مین ہم اُن چیزون کو زیادہ نمایان طور پر دیکھنے لگتے ہین جو ہماری نظر سے مخفی ہین۔ تسکین و مسرت کے اس سرچشمہ کے متعلق مین کچھ کہنا نہین چاہتا۔ مگر ہان اتنا ضرور کہون گا کہ ہمین موجودہ نعمتون کی بے قدری اور ناشکری نہ کرنی چاہیے

۱۱۔ لہذا کوشش کرکے اپنے آپ کو اس قابل بناؤ کہ مندرجۂ ذیل مقولہ مین کیبل کے ہم زبان ہو سکو۔ "میرے خدا! جیسی تیری مقدس مرضی ہو۔ اگر یہاں ہی مین خاموش پڑا رہون گا۔ مین ذرا بھی چون و چرا نہ کرون گا۔ مبادا تیرا ہاتھ مجھ سے جدا ہو جائے۔ اور وہ نغمہ موقوف ہو جائے جس کی لوریان سُن سُن کے مین نہایت آرام سے سوتا اور اپنے باپ (خدا) کے سینہ سے لگا ہوا ہون"

باغ فطرت کے سکوت و سکون سے بس تم اسی طرح لطف اٹھا سکتے ہو۔ جس کی نسبت ورڈس ورتھ کہتا ہے۔ "وہ خموشی جو تارون بھرے آسمان مین ہے اور وہ نیند جو سنسان پہاڑون پہ طاری ہے"

اس باغ سے جب تم اس طرح لطف اٹھاؤ گے تو فرشتے خود تمھارے گھر مین چلے آئین گے جس طرح کہ مدت ہوئی حضرت ابراہیم کے پاس ممرے کے میدان مین آئے تھے۔ مانٹ گزہ کہتا ہے۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ بہت سی ایسی نئی مسرتین بھی ہون جن سے انسان اس وقت تک نا آشنا ہو اور جنھین وہ تمدن کے اچھے راستہ مین حاصل کر سکے"

۱۲۔ جرمی ٹیلر کا قول ہے۔ "روح جب عقلمندی سے حکومت اور محبت کے ساتھ فرمان روائی کرتی ہے اُس کے مقاصد نفع بخش ہوتے ہین۔ وہ افراط کے ساتھ سامان ترقی فراہم کرتی ہے۔ اور جسم کو نیکوکاری کے راستہ پر لے جاتی ہے جو کہ اس کا شریک مگر ادنی درجہ کا شریک ہے۔ پھر اس وقت روح اور جسم سے مل کے ایک انسان کامل بن جاتا ہے۔ لیکن اگر جسم حکمران

بن جائے۔ اور خواہشات کے ہجوم مین پڑکے پہلے تو فہم و فراست کو ذلیل کرے پھر اسکے بعد مرضی اور انتخاب کے زیادہ حصہ پر قابض ہو جائے۔ تو ایسی حالت مین جسم اور روح مین مناسب اشتراک نہین قائم رہے گا۔ اور اُن سے مل کے جو انسان بنے گا وہ نالائق اور لغو ہوگا۔ روح اگر حکومت نہ کرے تو پھر وہ جسم کے ساتھ برابر کی شریک نہ رہیگی۔ اسکے لیے لازمی ہی کہ یا تو حکومت کرے۔ اور نہین تو غلام بن جائے"

اگر ہم زندگی سے حظ نہ اُٹھا سکین تو یہ خود ہمارا قصور ہی **رسکن** کہتا ہے "تمام آدمی لُطف اُٹھا سکتے ہین اگرچہ یہ چند ہی آدمیون سے ہو سکتا ہی" دل کو مطمئن اور مسرور رکھنے کے لیے ضروری ہی کہ تم اُسے اعلیٰ درجہ کے خیالات سے بھر دو۔ **افلاطون** کا قول ہی "خدا ترسی۔ دانائی۔ حسن۔ اور نیکی اور اسی قسم کے اور بہت سے صفات ہین جن سے روح کے پر و بال نشو و نما پاتے اور جلدی بڑھتے ہین۔ لیکن اگر ان کا تغذیہ بُرائی سے ہو تو وہ ضائع اور خشک ہو جاتے ہین"

اس لیے اِن مین سے جو بات ٹھیک ہو اُسے اختیار کرو۔ **جان اینجلو** کا قول ہی "خوشی کو اپنے گھر مین لاؤ۔ اپنے دل مین اسکے لیے جگہ نکالو۔ اسے نشو و نما کا موقع دو۔ اور اسکی پرورش کرو۔ جب تم یہ کرو گے تو اکثر اوقات جبکہ تم ہل جوتتے یا کھیت کو نکارتے ہو گے وہ آکے تمھین اپنا نغمہ سنائے گی۔ خوش رہنا ایک زیبا وضع ہی۔ اور مسرت ہی خدا کی حمد و ثنا ہے جسے ہم ادا کیا کرتے ہین"

سقراط نے کہا ہے "سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنے مکمل بنانے کی سب سے زیادہ کوشش کرتا ہے۔ اور سب سے زیادہ مسرور وہ شخص ہے جسے سب سے زیادہ محسوس ہوتا ہو کہ مین اپنے نفس کی تکمیل کر رہا ہون"

دین

دین کے مسائل آلہی اگرچہ بڑے سے بڑے قابل لوگون کی نظر مین بھی آج تک ایک راز سربستہ ہین۔ مگر دینیا کے عملی فرائض ایک بچہ کی نظر مین بھی روشن اور صاف ہین۔

جریمی ٹیلر کہتا ہے "فرائض دین کے احکام نہ اپالو (یونانی دیوتا) سے

سندر کی مجد وبانہ بڑون کی طرح دو فصلی ہین۔ نہ معنون کے لحاظ سے مبہم اور پیچیدہ ہین نہ اُن کا مفہوم کوئی چیستان ہے۔ نہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے وہ دھوکا دینے والے ہین۔ اور نہ ایسا ہے کہ ظاہر کے خلاف اُن کا منشا کچھ اور ہی ہو۔ بلکہ فرائض کے احکام جو خدا کے الفاظ مین ہین۔ آسمان کی طرح آشکارا چاند کی طرح روشن اور سورج کی کرنون کی طرح صحت بخش ہین۔ یہ بات یقیناً سچ ہے کہ جب کوئی چیز نامعلوم ہوتی ہے تو گو وہ ہمین مجبور کرتی ہے کہ دانائی کے ساتھ اُس کی حقیقت کا پتہ لگائین۔ لیکن اُس جستجو مین عاجز رہنے کی وجہ سے ہم گنہگار نہین ہو سکتے۔ گناہ اسی وقت عائد ہوتا ہے جبکہ کوئی بات صاف طور پر سمجھ مین آئے۔"

فصیح وحق پژوہ ہو کر کہتا ہے "انسان کے کمزور دماغ کے لیے خطرناک تھا کہ اس خدائے برتر کے معاملات کی جستجو کرے جس کا جاننا اگرچہ باعث زندگی اور اس کا نام لینا موجب مسرت ہے گر بادجود اس کے ہمارا اکمل ترین علم صرف اتنا سمجھ لینا ہے کہ اس کی کنہ حقیقت کو ہم نہین جانتے۔ اور نہ جان سکتے ہین۔ اس کے بارے مین ہماری اعلیٰ ترین فصاحت خاموشی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہم بغیر زبان ہلائے ظاہر کرتے ہین کہ اس کی عظمت الفاظ مین نہین ادا ہو سکتی۔ اور اُس کی برتری ہمارے ظرف اور ہماری عقل کی رسائی سے بالا ہے۔"

لاک نے یہ جو بچون کی نسبت کہا ہے یہ فی الواقع بہت سے نوجوانون سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے "اُن کے دلون مین اس وحدہ لاشریک کی محبت اور اس کا ادب بٹھا دو۔ شروع شروع مین بس اتنا ہی کافی ہے۔ اس کے سوا اور کچھ بیان کرنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ایسا نہ ہو روحانیات کی نازک بحثین چھیڑنا اس کے لیے قبل از وقت ہو۔ اور اس ازلی ہستی کی نوعیت جو سمجھ سے باہر ہے اس کے سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کی بے وقت کوشش سے ممکن ہے کہ اُن کے دماغ مین غلط خیالات پیدا ہو جائین یا اس جل جلالہ کے حالات جو سمجھ سے باہر ہین اُن کے خیالات کو پریشان کر دین۔

میرے خیال مین تو یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ لوگ علی العموم اللہ جل شانہ کے بارے مین بس اسی حد پہ مطمئن ہو جائین کہ اس کی عظمت اور اس کا ادب دل پر نقش ہو جاے۔ بغیر اس کے کہ وہ ایک ایسی ہستی کے متعلق جسے سب ناقابل ادراک تسلیم کرتے ہین خیال آرائیان کر کے وادی حیرت مین بھٹکتے پھرین جس کا نتیجہ یہ ہونا ہے کہ بہت سے لوگ جن مین نہ اس کی قدرت سے اور نہ جس کہ اپنے اقتداری اور غیر اقتداری امور مین امتیاز کر سکین یا تو ضعیف الاعتقادیون مین مبتلا ہو جاتے ہین۔ اور یا الحاد کے گڑھے مین گر پڑتے ہین۔ یا تو خدا کو اپنا ہی سا تصور کر لیتے ہین اور یا بوجہ اپنے قصور فہم کے اس کی ہستی ہی سے انکار کر دیتے ہین۔

لول نہایت ہی اعتراف کے ساتھ **جانسن** کے اس قول کا حوالہ دیا کرتا تھا۔ جو چیز ہمین اپنے حواس کی قوت مین عاجز ثابت کرتی ہے۔ جو چیز گذشتہ آیندہ اور دور کی باتون کو موجودہ باتون کے مقابلے مین اہم ثابت کرتی ہے۔ وہی ہمین اس نتیجہ تک پہونچاتی ہے کہ جس مخلوق مین قوت مدرکہ ہو وہ زیادہ باوقعت ہے" الٰہیات اور فقہ بے شک علوم ہین۔ مگر دین کا جوہر نہین ہین۔ مذہب روزانہ زندگی کے لیے چال چلن کا ایک قانون ہے۔ اقبال مندی و کامرانی مین محافظ ہے۔ بدبختی و ناکامی مین تسلی دینے والا ہے۔ پریشانی مین دستگیری کرنیوالا ہے۔ اور امن و امان کی ایک بندرگاہ ہے۔ مذہب جسم و روح دونون کے لیے یکسان ضروری ہے۔ اور اسی لیے جسم و روح دونون کی عزت کرنی چاہیے۔

فحٹ سچ کہتا ہے کہ مذہب فی نفسہ یا فی حد ذاتہ کوئی معاملت نہین ہے جس پر انسان اپنے دیگر مشاغل سے جدا ہو کے یا خاص ایام و واقعات مین عمل کرے وہ تو خاص اندرونی روح ہے جو سارے جسم مین سرایت کیے ہوے ہے۔ دل مین خیالات کو القا کرتی ہے اور ہمارے تمام خیالات اور حرکات و سکنات مین دائر و سائر رہتی ہے۔ اگرچہ ہمارے وہ خیالات اور حرکات و سکنات دوسری حیثیت سے بغیر کسی تبدیلی یا خلل کے

اپنی معینہ و مقررہ رفتار پر چلتے رہتے ہین"

مقدس کتابین (توریت و انجیل و قرآن) ہمین مغلق مسائل کے چکر مین ڈال کے پریشان نہین کرتین۔ بلکہ اس قسم کی پیچیدہ باتون سے وہ ہمارے خیالات کو ہٹا دیتی ہین۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا "لہذا یہ حکم جو آج مین تجھے دیتا ہون نہ تجھ سے مخفی ہے اور نہ دور ہے۔ وہ آسمان پر نہین ہے کہ تو کہے ہمارے لیے کون آسمان پر جائے گا۔ اور وہان سے لائے گا تا کہ ہم سنین اور اُس پر عمل کرین۔ وہ سمندر کے اس پار نہین ہے کہ تو کہے ہمارے لیے کون سمندر پار جائے گا اور لائے گا۔ کہ ہم سُنین اور اس پر عمل کرین۔ بلکہ یہ لفظ تجھ سے بہت نزدیک تیرے منھ اور تیرے دل ہی مین ہے تا کہ تو اس پر عمل کرے"

قانون دان شخص کے جواب مین حضرت عیسیٰ نے فرمایا "اپنے مالک خدا سے تو محبت کر۔ پورے دل سے اور پوری جان سے اور پورے نفس سے۔ یہ ہے پہلا اور بڑا حکم۔ اور اسی کے مثل دوسرا حکم یہ ہے کہ تو جیسا خود اپنی ذات کو چاہتا ہے ویسا ہی تو اپنے پڑوسی کو چاہ"

انھین دو حکمون پر سارا قانون شرع اور تمام انبیاے سلف کے احکام مبنی ہین سینٹ جیمس کا قول ہے "خالص دین جو خدا اُس پروردگار عالم کے سامنے بے داغ ہو یہ ہے کہ یتیمون اور بیوؤن کے دُکھ مین شریک ہونا اور اپنے آپ کو دنیا کے دھبون سے بچاے رہنا"

عبداللہ بن طاہر

"ابو العباس عبداللہ بن طاہر بن حسین بن مصعب بن زریق بن ماہان خزاعی" ان لوگون مین ہین جن کو اللہ تعالیٰ نے دونون قسم کی برکتون علم و فضل اور ظلع علم سے سرفراز کیا۔ یہ اسی خاندان کی بانی ہین جو صدیون تک خراسان پر حکمران رہا اور آخر مین وہان کا با اختیار فرمان روا ہوا۔ علما اکثر ایک نامعلوم اور مجہول حالت سے نکل کے ناموری کے اسٹیج پر جلوہ فرما ہوتے ہین۔ مگر عبداللہ بن طاہر

ایک ایسے نامور باپ کے گھر مین پیدا ہوے جو اپنے عہد مین دنیا کا بہت بڑا نامور شخص تھا۔ طاہر بن حسین جس کو مامون نے ذوالیمینین کا خطاب دیا تھا اگر سچ پوچھیے تو خلافت مامون کا قوی سبب یہی تھا۔
خلیفہ محمد امین کو قتل کر کے بغداد اسی نے فتح کیا اور اسی فتح نے اُسے مامون کی نظر مین اور با وقعت کر دیا۔ اسکے بعد مامون خود بغداد مین آیا اور طاہر ذوالیمینین کو موصل اور بلاد سواحل فرات۔ شام اور مغرب کا گورنر جنرل مقرر کیا۔ یہ صوبجات بغداد سے قریب واقع تھے۔ اور طاہر کو خلیفہ کی حضوری مین بارہا حاضر ہونے کا موقع ملتا رہتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن طاہر مامون کے دربار مین کسی کام کی غرض سے آیا۔ مامون نے وہ کام تو پورا کر دیا۔ مگر طاہر کی صورت دیکھتے ہی اُسکی آنکھون سے آنسو نکل پڑے۔ طاہر نے عرض کیا، "خدا حضور کو ہمیشہ شادان و فرحان رکھے۔ یہ اس وقت حضور کے دل پر کیسا ملال گذرا؟" مامون نے اس سوال کو ایسے تیورون سے ٹال دیا کہ طاہر کو دوبارہ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی روز حسین سے جو مامون کا خادم خاص تھا اُس نے کہا کہ اگر امیرالمومنین سے اس روز کے رونے کا سبب دریافت کر دو تو تمھین بہت کچھ مال و اسباب اُسکے صلہ مین دونگا۔ حسین نے خلوت مین موقع پاکے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ طاہر کی صورت دیکھتے ہی مامون کو اپنا مظلوم بھائی محمد امین یاد آگیا۔ اور اسی بنا پر اس کی آنکھون سے آنسو ٹپک پڑے۔ جب طاہر کو یہ معلوم ہوا تو خیال ہوا کہ کہین ایسا نہ ہو یہی جوش محبت ایک دن میرا کام تمام کر دے۔ جاکے وزیر سے ملا۔ اور بڑی خوشامد و التجا کے ساتھ درخواست کی کہ وہ کسی دور و دراز ملک کی گورنری پر بھیجدے۔ تاکہ مامون کا سامنا ہونے کا کم اتفاق ہو۔ وزیر اس کوشش مین کامیاب ہوا۔ اور طاہر خراسان کی گورنری پر بھیجا گیا۔ یہ پہلا دن ہے جس روز خراسان کی حکومت طاہر کے ہاتھ مین آئی۔ خراسان کی مستقر حکومت شہر مرو مین ربیع الاول ۲۰۶ھ مین داخل ہوا تھا۔ اور ۲۰۷ھ مین ایک ہی برس والی رہ کر مر گیا۔ مامون نے اسکے بیٹے پر طاہر کے مرنے کا افسوس ظاہر کیا۔ اور اُس کو والی مقرر کیا۔ طاہر

کیونکہ مرا۔ اس کی نسبت مورخین نے عجب عجب بنائین بتائی ہین۔ جن کو اگر ہم خود طاہر کی لائف لکھتے ہوتے تو بیان کرتے۔ ہمارا ہیرو اس کا بیٹا عبداللہ بن طاہر ہے جو اب خراسان کا حکمران مقرر ہوا ہے۔ لیکن والی معین ہونے کے زمانے مین وہ ایک مہم پر تھا اور دینور مین قیام پذیر تھا۔ اس نے اپنے بھائی طلحہ بن طاہر کو اس کام پر مامور کیا کہ اسکی طرف سے خراسان پر حکمرانی کرے۔ سیستان مین حمزہ شانی نے علم بغاوت بلند کیا۔ اور طلحہ نے بہادری سے مقابلہ کر کے ان کو شکست دیدی۔ اس فتح کے بعد جب وہ اطمینان سے جا کے مرو مین بیٹھا ہی تھا کہ مرض موت مین مبتلا ہو کے رہ نورد عالم آخرت ہوا۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا علی بن طلحہ قائم مقام گورنر خراسان ہوا۔ اس پر بھی باغیون نے یورش کی اور آخر جس سال باپ نے رحلت کی تھی اسی سال بہادری کے ساتھ لڑ کے مارا گیا۔ یہ خبر جب جب بغداد مین پہونچی تو مامون نے عبداللہ بن طاہر کے نام فرمان بھیجا کہ خود جا کے خراسان کا انتظام کرے۔ طاہر دینور مین بابک خرمی کے مقابلے کا سامان کر رہا تھا۔ یہ حکم پاتے ہی مشرق کیطرف روانہ ہوا۔ اور ماہ رجب ۲۱۵ھ مین نیشاپور مین داخل ہوا۔ اُن دنون خراسان مین قحط عام تھا۔ اور ہر طرف آہ وزاری کی آواز بلند تھی غربا مرے جاتے تھے۔ اور غلہ کا کہین نام بھی نہ نظر آتا تھا۔ عبداللہ بن طاہر جیسے ہی نیشاپور مین پہونچا رحمت الٰہی نے مینھ کی صورت مین نزول کیا۔ اور اس قدر پانی برسا کہ سوکھی ہوئی کھیتیان لہلہا اُٹھین۔ اور ہر غریب و امیر کی باچھین کھل گئین۔ اس نزول رحمت نے رعایا کی نظر مین عبداللہ کو ایسا بابرکت بنا دیا تھا کہ نیشاپور مین وہ سیر کو نکلا تو سب طرف سے تحسین و مرحبا کے نعرے بلند تھے ایک بازاری شخص نے بڑھ کے یہ قطعہ پڑھا۔

قد قحط الناس فی زمانهم حتی اذا جئت جئت بالدرر

باغیون کے زمانے مین لوگون پر ملاسے قحط نازل تھی یہان تک کہ تو آیا اور آیا تو موتی برساتا ہوا آیا۔

غیثان فی ساعة منا قدامت فمرحبا بالامیر والمطر

دو رحمتین ایک ساتھ نازل ہوئین۔ لہذا ہمارے امیر اور باران رحمت دونون کو مرحبا۔

سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ مامون کے دل مین باوجود طاہر کی وفاداری کے اس کی طرف سے کچھ برے خیالات تھے۔ مگر وہ سب خیالات عبداللہ کے زمانے مین بالکل مٹ گئے۔ عبداللہ بن طاہر کو مامون رشید نہایت ہی عزیز رکھتا تھا۔ جس روز طلحہ بن طاہر مرو مین مرا ہے اسی روز مامون نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو جو اس عہد کے مشہور و معروف فقیہ و محدث تھے عبداللہ ممدوح کے پاس دینور مین روانہ کیا جنھون نے جا کے اس کے بھائی کی تعزیت کے بعد اسے بہت کچھ تسلی دی۔ مامون کی مہربانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے تین والیون کے اختیار مین اتنی بڑی بڑی قلمرو تھی جس کو بجائے خود ایک بڑی سلطنت سمجھنا چاہیے۔ ان مین سے دو تو خاص شاہنشاہی خاندان عباسیہ سے تھے یعنی معتصم باللہ ہارون کا بیٹا اور مامون کا بھائی جو مصر و شام کا والی تھا۔ اور خود مامون کا بیٹا شہزادہ عباس جو بلاد جزیرہ وغیرہ کا والی تھا۔ انھین دونون کے ہم پلہ تیسرا عبداللہ بن طاہر تھا جو خراسان اور تمام مشرقی قلمرو اسلام کا حکمران تھا۔ ایک دن مامون نے ان تینون مذکورہ والیون کو خوشی مین آ کے پانچ لاکھ دینار دے ڈالے تھے۔ بلکہ مشہور ہے کہ مامون نے پھر کبھی اتنا روپیہ کسی کو ایک تاریخ مین نہین دیا۔ عبداللہ بن طاہر نے ایسی خوش انتظامی سے خراسان کی حکومت کی اور وہان ایسی بہادری اور جرأت سے مقابلہ کیا کہ چند ہی روز مین کل خوارج اور باغیون کو شکست دیدی اور حکومت عباسیہ کا ڈنکا تمام خراسان اور ترکستان کی حدود مین بجا دیا۔

عبداللہ بن طاہر کا وصف کچھ اسی قدر نہین ہے کہ وہ ایک عمدہ جنرل یا کوئی خوش انتظام گورنر تھا بلکہ سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ اس مین علمی لیاقت ایسی اچھی تھی کہ بڑے بڑے علما اور اہل فن اس کے آگے دعوی استادی کرتے ڈرتے تھے۔ ان دنون علمی دنیا کے نامورون مین بہت سے اہل کمال زندہ موجود تھے۔ جن کی صحبت کسی علم دوست فرمانروا کو باسانی نصیب ہو سکتی تھی۔ عبداللہ بن طاہر کی داد دہش اور نیز اس کی نکتہ سنجی اور اس کے بلیغ علمی شہرے سُن سُن کے اسلامی دنیا کے دور دراز مقامات سے علما و فضلا چلے آتے تھے۔ جو ہمیشہ اس کے دربار کا زیور بنے رہتے تھے۔ اور جن کی صحبت نے عبداللہ کو بھی

نہایت ہی اعلیٰ نیکنامی کے درجہ تک پہونچا دیا تھا۔ عبداللہ کی صحبت کے بعض علما وشعرا کے نام تاریخ مین نہایت عظمت ووقعت کے ساتھ لیے گئے ہین۔ اور وہ ایسے لوگ ہین کہ اگر عبداللہ کے نام کو ذاتی طور پہ بقاے دوام نہ بھی حاصل ہو تو اپنے ہی ضمن مین سہی مگر اس کے نام کو کبھی صفحہ روزگار سے مٹنے نہ دین گے۔

عبداللہ بن طاہر کے علم دوست ہونے کا شہرہ چند ہی روز مین تمام دنیا مین پھیل گیا تھا۔ اور مشہور ہو گیا تھا کہ جیسا فیاض قدر دان اور جیسا نکتہ سنج ودقیقہ رس رئیس عبداللہ بن طاہر ہے اور کوئی نہین۔ اسلام کا مشہور مصنف اور ادیب ابوتمام طائی جس کی کتاب "حماسہ" رہتی دنیا تک نیکنامی اور شہرت کا ساتھ دے گی۔ اس نے بھی اپنی خوش قسمتی سے عبداللہ بن طاہر کا زمانہ پایا۔ ابوتمام کو عبداللہ کی شہرت کا چرچا سُن کے شوق ہوا کہ اُس کی شرف ملازمت سے بہرہ یاب ہو۔ عراق سے خراسان کو روانہ ہوا۔ ابوتمام کو اس سفر مین بڑی بڑی دقتین پیش آئین۔ شہر قومس مین پہونچ کے اس نے اپنے مصائب کو بعض اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کیا تھا جو آج تک یادگار ہین خیر وہان سے آگے بڑھا۔ اور بہت سے منازل قطع کر کے ہمدان مین وارد ہوا۔ جاڑون کا موسم سر پہ آگیا اور ہمدان کے اطراف کی سردی مشہور ہے سفر اور دشوار گذار ہو گیا۔ اور کیسی طرح ممکن نہ تھا کہ آگے بڑھے۔ برف نے راستہ بند کر دیے تھے۔ الغرض آخر سرما تک اُسے شہر ہمدان ہی مین اس انتظار مین ٹھہرنا پڑا کہ برف گھل لے۔ اور راستہ کھل جائین تو آگے کا قصد کرے۔ ابوتمام حُسن اتفاق سے ایک ہمدان کے رئیس کے وہان ٹھہرا ہوا تھا۔ جس کے گھر مین ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ خصوصاً اہل عرب کے قدیم دیوان اس کتب خانہ مین بہت کثرت سے تھے۔ یہ نایاب کتابین ابوتمام کے دل بہلانے بلکہ اس کے ردک لینے کے لیے کافی تھین۔ علامہ ابوتمام شب وروز اُن دیوانون ہی کو دیکھا کرتے تھے۔ جس کے بعد اُنھون نے اچھوتے ذوق کے موافق کتاب حماسہ کو مرتب کیا۔ جس مین اکثر مقبول

اور نامور شعراے عرب کے بے مثل اشعار موجود ہین۔ اس کتاب مین جاہلیت اور اسلام دونون عہدون کے اشعار موجود ہین۔ حماسہ آج تک ہمارے کورس مین داخل ہے۔ اور عربی علم ادب کی انتہائی تعلیم کے وقت پڑھی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے شعراے عرب نے عبداللہ بن طاہر کی مدح سرائی مین اپنے قلم اور اپنی طبیعت کے جوہر دکھائے ہین۔ خراسان مین آنے سے پہلے عبداللہ بن طاہر مصر کا والی اور گورنر تھا۔ وہان کے شعرا نے جو اشعار اُسکی مدح مین فرمائے ہین وہ بھی آج تک مادح وممدوح کی یاد دلا رہے ہین۔ عبداللہ بن طاہر کی یادگار مین ایک خاص قسم کا تربوز مصر مین موجود ہے جو عبداللہ مذکور کے نام کو یاد دلا کے کھانے والون کا کلیجہ ٹھنڈا کیا کرتا ہے۔ لوگون کو اس مین شبہ ہے کہ وہ تربوز کیون عبداللہ مذکور کی جانب منسوب کیا گیا۔ بعض کا بیان ہے کہ عبداللہ کو اس کی جانب زیادہ رغبت تھی۔ اور بعض کا بیان ہے کہ اس تربوز کا تخم کسی اور سرزمین سے لا کے پہلے پہل عبداللہ بن طاہر نے زمین مصر مین بویا تھا۔ بہرحال باعث شہرت چاہے جو کچھ ہو۔ مگر اس مین شک نہین کہ عبداللہ بن طاہر کو وہ تربوز آج تک مصر کی خاص سوسائیٹیون سے لے کے بازارون تک مشہور کیے ہوے ہے۔

مورخین کا بیان ہے کہ عبداللہ بن طاہر بہت بڑا ادیب بذلہ سنج اور لائق وفائق رئیس تھا۔ علم موسیقی مین بہت دخل رکھتا تھا۔ چنانچہ صاحب آغانی تحریر فرماتے ہین کہ اس نے خود اپنی طبیعت داری سے بہت سے نئے راگ ایجاد کیے۔ اور ان کو بہت ہی دلکش ثابت کیا۔ موسیقی کے متاخر واقف کارون نے ان راگون کو عبداللہ مذکور سے نقل کیا ہے اور اپنے فن پر اُس کا بہت بڑا احسان تسلیم کیا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ موسیقی جو ان دنون نہایت ہی معیوب فن تصور کیا جاتا ہے گو شرعی حیثیت سے نہایت ہی بُرا ہو۔ مگر اسلام کے زمانۂ سلف مین اتنا معیوب نہین خیال کیا جاتا تھا جتنا اب معیوب ہے۔ امرا وشرفا کے لڑکے تو گلے بازی کی مشق کر کے آج بھی بدنام ہو جاتے ہین۔ مگر ان دنون گے

علما و فضلا مین بھی اکثر ایسے نکلین گے جو موسیقی کو ایک فن تصور کر کے حاصل کرتے تھے۔ اور زمانہ اُن کی ویسی ہی قدر کرتا تھا جیسی کہ یون کرتا۔ مورخین اور عام معتقدین اُن کے نام اس عظمت سے لیتے تھے جس طرح کہ ہم اپنے مقتداؤن کا نام لیتے ہین۔ ہان ہمارے عہد کے مشائخ صوفیہ ترک دنیا کے دعوون کے ساتھ گانا سننے کے بہت مشتاق رہا کرتے ہین۔ مگر خرابی یہ ہے کہ ان بزرگوارون نے اس کو حلال کر لیا ہے۔ گانے کو شرعاً بھی موجب الزام نہین ثابت ہونے دیتے۔ بخلاف اس کے اُن دنون علما مین سے جو گانا جانتے تھے وہ گانے کو حرام مطلق سمجھنے مین پورے طور پر ہمارے ہم زبان تھے۔ اور اُن کی اس راست بازی ہی کا نتیجہ تھا کہ اُن کی وقعت مین کوئی فرق نہین آتا تھا۔

عبداللہ بن طاہر اگرچہ اُس باپ کا بیٹا تھا جس نے بغداد کے محاصرہ کے وقت محمد امین پر بہت کچھ سختیان کی تھین مگر اس کے دل مین رحم اور درگذر کا مادہ بہت کچھ تھا۔ جہان تک ممکن ہوتا تھا وہان تک درگذر کرنے کی پالسی ہی کو مقدم رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کوتوال شہر یا کسی اور انتظامی عہدہ دار کی طرف سے ایک رپورٹ اُسکے ملاحظہ مین پیش کی گئی۔ یہ اُن دنون کا ذکر ہے جب وہ مصر کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ رپورٹ کا مضمون یہ تھا کہ کچھ لوگ گروہ اور جتھا باندھ کے شہر سے باہر نکلے۔ جن کی رفتار سے بدگمانی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اُن کے ہمراہ ایک خوبصورت اور کم سن لڑکا بھی ہے۔ ایسے لوگون کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ عبداللہ بن طاہر نے رپورٹ کی پیشانی پر لکھا "ایسے نوجوانون کے تعرض کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے جو اپنے دلون کی خواہش کے موافق تنہائی کے مقام مین جانے کے لیے نکلے ہین۔ اور وہ لڑکا شاید اُن مین سے کسی کا بیٹا ہو یا کسی کا عزیز ہو۔"

اس کی رحم دلی عام تھی اور کسی خاص سوسائٹی یا خاص قوم سے اُسکو ہمدردی نہ تھی۔ اس کی حکومت خراسان کے زمانہ مین ایک عجب متعصبانہ کاروائی اہل خراسان سے ظاہر ہوئی تھی۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ عبداللہ بن طاہر سچے دل سے ثابت قدم رہا۔ خراسان کے شہر ہرات مین آتش پرستون کی

بہت زیادہ اور بکثرت آبادی تھی۔ جو اب ایک مطیع رعایا کی حیثیت سے زندگی بسر کیا کرتے تھے اُن کا کوئی مذہبی آتشکدہ ان کی بدقسمتی سے کسی مسجد کے پاس واقع ہوا تھا۔ ماسوا اس کے ان مین اور کوئی خرابی نہ تھی۔ وفادار رعایا کی طرح جزیہ ادا کرتے تھے۔ سلطنت کے فرمانون کو شائستگی اور اطاعت سے قبول کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک واعظ صاحب جو خراسان کے قصبہ بالان مین وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے کلام مین عام سامعین کی طرف خطاب کر کے فرمانے لگے "اب اس شہر مین اسلام ضعیف ہو گیا۔ صریحاً تم سب دیکھتے ہو کہ مسجد سے ملحق آتشکدہ ہے اور کسی مسلمان کو غیرت نہین آتی۔ سب خاموش ہین اور کوئی اس مصیبت اور اسلامی توہین کے دفع کرنے کی کوشش نہین کرتا" واعظ صاحب کی یہ تقریر جادو کا اثر کر گئی۔ مسلمانون کے دل مین جوش حمیت پیدا ہوا۔ اور جہلا کے دل مین ٹھان لی کہ جس طرح بنے اس آتشکدہ کو دفع کرنا چاہیے۔ اس وقت تو خاموش ہو رہے اور رات کو سبھون نے باتفاق یورش کر کے آتشکدہ اور مسجد دونون کو کھود کے برابر کر دیا۔ اس کے بعد تختہ زمین کو برابر کیا۔ اور ایسا اہتمام و انتظام کیا کہ اُن دونون کی جگہ اسی رات بھر مین ایک دوسری عالیشان مسجد بنا کے کھڑی کر دی۔ صبح ہونے سے پہلے دوسری مسجد تیار تھی۔ آتش پرستون نے جو صبح اُٹھ کے دیکھا تو گھبرا گئے۔ اور آتشکدہ کو نہ دیکھ کے دنیا ان کی نظر مین تاریک ہو گئی دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مسلمانون نے یہ کارروائی کی۔ بیچارے دن سے اور کچھ نہ بن پڑا ہرات چھوڑ کے دار السلطنت خراسان نیشاپور مین گئے۔ اور عبداللہ بن طاہر کی خدمت مین اپنی داستان اور مذہبی مصیبت بیان کی۔ اور کہا آپ کا ایسا عدل گستر فرمان روا ہو اور ہم پر ایسے ظلم ہون۔ عبداللہ نے اس امر کی تحقیقات کا حکم دیا۔ فوراً سرکاری حکام نے ہرات مین تحقیقات شروع کر دی۔ لیکن ان دنون مسلمانون مین قومی اتفاق بڑھا ہوا تھا۔ اور جو بات ایک شخص کی زبان سے نکل جاتی تھی وہی سب کی زبان سے نکلتی تھی۔ مسلمانون نے انکار کر دیا کہ ہم نے کوئی کارروائی نہین کی۔ یہ مسجد ہمیشہ سے ایسی ہی اور اسی وضع کی ہے۔ اور نہ ہم نے یہان کبھی کوئی آتشکدہ دیکھا۔ ہرات کے تمام لوگون کا اظہار لیا گیا۔

اور بڑے بڑے بڈھون نے یہی اظہار دیا کہ یہان کبھی کوئی آتشکدہ نہ تھا۔ یہ مسجد جیسی ہے ہمیشہ سے ایسی ہی بنی ہوئی تھی۔ آخر عبداللہ بن طاہر نے تنگ آکے دعویٰ ڈسمس کر دیا۔ اور کوئی کارروائی نہ ہو سکی۔

اگرچہ خاندان کی بنا طاہر ذوالیمینین سے ہے۔ مگر جو خاندان کہ خراسان مین ایک مدت تک حکمران رہا اس کا اصل بانی عبداللہ بن طاہر ہی کو سمجھنا چاہیے۔ طاہر نے خراسان کی گورنری کو نہین عزت دی بلکہ وہ ایک بڑے حصہ زمین کا جو ہندوستان کی حدود سے ایران کے وسط تک پھیلا ہوا تھا اس پہ خود مختار حکمران رہا۔ اس عہد مین ہندوستان سے لے کے دریاے دجلہ تک کے ممالک تین حصون پہ تقسیم تھے۔ ایک تو وہ خاص حصہ جس مین دارالخلافت بغداد تھا اُسے عراق عرب کہتے تھے۔ اور ایک حصہ وہ تھا جو گویا ایران کا مغرب ملک مع تنی زائد تھا اسے عراق عجم کہتے تھے۔ اور تیسرا حصہ جوان دونون سے بڑا تھا اور عراق عجم کی مشرقی حدود سے ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ اور جس مین ترکستان بھی شامل تھا۔ یہ خراسان کہلاتا تھا۔ اس خراسان پر خاندان طاہر ذوالیمینین کی حکومت تھی۔ مگر افسوس عبداللہ بن طاہر کے پوتے ہی پر سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ لیث کی نسل نے خراسان و دیار عجم مین ایسا سر اٹھایا کہ اس نسل کا خاتمہ ہو گیا۔

عبداللہ بن طاہر شاعر بھی تھا۔ جس طرح نکتہ رس اور دقیقہ سنج شعرا کے کلام کی داد دیا کرتا تھا اُسی طرح اپنے کلام کی داد اُن کی زبان سے بھی سُنا کرتا تھا اس کا کلام موجود ہے۔

آخر وہ زمانہ آگیا جو سب کو آنے والا ہے۔ موت قریب آئی اور اُس کے اعضا نے جواب دے دیا۔ اور عبداللہ خراسان کے مشہور شہر مرو مین تھا کہ فرشتۂ اجل نے پیام مرگ پہونچایا۔ دوشنبہ کے روز ۱۱۔ ربیع الاول سنہ ۲۴۲ھ مین انتقال کیا۔ شان مزنی کے مرنے کے سات روز بعد اس نے دنیا کو چھوڑا عبداللہ کے باپ طاہر ذوالیمینین کی عمر ۴۸ برس کی ہوئی تھی اُسکے مطابق عبداللہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پہ چل کے دنیا سے رخصت ہوا۔ اور ۴۸ ہی برس کی عمر پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تصانیف مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

۴۱- آغا صادق کی شادی ایک دلچسپ قصہ ۱۰/
۴۲- حسن کا ڈاکو جرا ہو کے لٹیرا اعانا سیہو [illegible]
۴۳- اسرار دربار حرا پور جو بہوئے مکھ عوب کے بہت سے حالات ہر دو جلد
۴۴- غیب دان دلہن حیرت انگیز غیب دانی [illegible]
۴۵- خوفناک محبت، ہندوستان کی غریب بیوہ دیہاتی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی
۴۶- دلچسپ، مصنف کا پہلا زور قلم
۴۷- سوگ فلس ہلال

ڈرامے اور نظمیں

۴۸- اسیری بابل گود دہتے کے ڈرامے کا ترجمہ نظم میں
۴۹- زمانہ اور اسلام ایک مخزدلانہ نجل نظم
۵۰- غیب غم - فراق کی بپتا بیان بغیر [illegible]
۵۱- غیب وصل، الفراق کے بعد وصل کا بیان

مضامین شرر

شاعرانہ و عاشقانہ دو حصے
تاریخی و جغرافی
گذشتہ لکھنؤ
سیر حال
ختم سال و شروع سال
سیر نسوان دو حصے
ادب و تحقیق مسائل
اصلاح قوم و ملت
تاریخی واقعات پر خیال آرائی
تنظیم و ڈرامہ

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد	جلد
جلد سنہ ۱۸۸۸ء	جلد سنہ ۱۹۲۰ء
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	جلد سنہ ۱۹۱۷ء
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	جلد سنہ ۱۹۱۸ء
جلد سنہ ۱۹۰۴ء	جلد سنہ ۱۹۲۱ء
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	جلد سنہ ۱۹۲۲ء
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	جلد سنہ ۱۹۲۳ء
جلد سنہ ۱۹۱۶ء	جلد سنہ ۱۹۲۴ء
جلد سنہ ۱۹۲۶ء	جلد سنہ ۱۹۲۸ء
جلد سنہ ۱۹۲۷ء	جلد سنہ ۱۹۲۹ء
جلد سنہ ۱۹۰۹ء	جلد سنہ ۱۹۱۰ء
جلد سنہ ۱۹۱۱ء	جلد سنہ ۱۹۱۲ء

منتخب مضامین سنہ ۱۸۸۸ء ۱۰/

متفرق تصانیف

الحکم الرفاعیہ سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ ۱۳/
حلیۃ العذراء، فارسی ہیجا بن یحییٰ کی تاریخ
تاریخ ولادت محمدی صلعم اول مقبول و کامل
معتزلہ، مولانا کا ایک دلچسپ لکچر ۱۲/
(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)
مرزا غالب کی شاعری مرزا محمد عسکری صاحب کا ایک مختار تذکرہ (چار آنہ)
بادرش عمل، بنگالہ کے مشہور ناول کا ترجمہ اردو
مجموعہ سوم، چہارم، پنجم
رفیع الکتاب، اردو پردے کی تردید ۱۲/
اکابر دہلی کی تاریخ پر مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۱۲/
رومانس کے بعض پہلو
الالیق بی بی، سماج کی عورتوں کے لیے ایک دیباچہ منظوم ۱۸/

المشتہر: حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز [illegible] لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ا ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۴ بابت ماہ اپریل ۱۹۳۰ء جلد ۳

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق منیجر اور پرنٹر و پبلشر دلگداز

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان میں

چھپ کے شایع ہوا

چندہ سالانہ (عیر) مع محصول ڈاک

کارخانہ روغن اگر یاسمین لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

(آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں)

عطر کے لئے لکھنؤ مشہور ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جو عطر ہے وہ باہر والوں کو نہیں ملتا، کیونکہ کمیشن ال کی روانگی نوکروں کے ہاتھ ہے اور انکے ذاتی فضل کا خمیازہ ان ہیں، غریبوں کو اٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے منگوانے اور بے دیکھے خریدنے پر مجبور ہیں۔ اور بعض اشتہار دینے والوں کی یہ حالت ہے کہ روپیہ کا مال دو کو اور کبھی چار کو بیچ دیتے ہیں۔ یہ تمام خرابیاں دیکھ کے ہم نے ذمہ لیا ہے کہ باہر کے جو طلب فرمائیں ان کے لئے معتبر اور مستند کارخانوں کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کر کے مال بخوبی جانچ کے اور یکجا خرچ کر کے روانہ کر دیا کریں جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے۔

عطر کے شائق

ایک دفعہ امتحاناً منگوا کر دیکھیں کہ ہماری معرفت سے آپ کو کیسا اچھا عطر اور کن داموں کو ملتا ہے

عطروں کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ [illegible]	عطر پانڑی فی تولہ [illegible]	عطر عروس فی تولہ [illegible]
〃 موتیا 〃 [illegible]	〃 بیلا 〃 [illegible]	〃 برگ حنا 〃 [illegible]
〃 چنبیلی 〃 [illegible]	〃 مجموعہ 〃 [illegible] صد برگ [illegible]	〃 راحت روح 〃 [illegible]
〃 کیوڑا 〃 [illegible]	〃 جوہی 〃 [illegible]	〃 سہاگ 〃 [illegible]
〃 خس 〃 [illegible]	〃 شگفتہ 〃 [illegible]	〃 مہک پری 〃 [illegible]
〃 نفیسہ 〃 [illegible]	〃 چمپا 〃 [illegible]	〃 روح پانڑی 〃 [illegible]
〃 مولسری 〃 [illegible]	〃 سیوتی 〃 [illegible]	〃 مٹی 〃 [illegible]
〃 اگر غرقی کہنہ 〃 [illegible]	〃 اگر غرقی کہنہ 〃 [illegible]	〃 روح گلاب اصلی 〃 [illegible]
〃 روح خس اصلی 〃 [illegible]	〃 ناگیسر 〃 [illegible]	〃 شہناز 〃 [illegible]
〃 مخلوط آصفی 〃 [illegible]	〃 مخلوط عنبری 〃 [illegible]	〃 محبوب پسند 〃 [illegible]

خوشبودار تیلوں کی فہرست ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر [illegible]	روغن بیلا فی سیر [illegible]	روغن کیوڑا فی سیر [illegible]	روغن حنا فی سیر [illegible]

اعلیٰ درجہ کا خوشبودار عمدہ بامزہ تمباکو

زردہ تمباکو مشکی فی سیر [illegible]، قوام مشکی فی تولہ [illegible]، گولیاں تمباکو مشکی طلائی فی تولہ [illegible]
ایضاً زعفرانی [illegible]، ایضاً زعفرانی [illegible]، 〃 نقرئی فی تولہ [illegible] بالورقی [illegible]

نوٹ:- درخواست آتے ہی ویلیو پی ایبل روانہ ہوگا، ہر معاملہ دمصارف ڈاک ذمہ خریدار

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کمرہ نمبر ... گولہ گنج لکھنؤ



زنان ترک کا حمام

ترکی عورتون کا حمام مین جانا وہان غسل کرنا کپڑے بدلنا لطف و مذاق مین وقت صرف کرنا بہت دلچسپ داستان ہے اس لیے مختصر حال وہان کا ناظرین کے پیش کیا جاتا ہے۔

قسطنطنیہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک عظیم الشان حمام ہے یہ حمام آغا حمام کے نام سے مشہور ہے یہان پر اعلیٰ طبقہ کی عورتین غسل کرنے کی غرض سے جاتی ہین کچھ یہ بات نہین ہے کہ ان عورتون کے یہان حمام نہ ہون صرف اس سبب سے وہان جاتی ہین کہ اپنی ہمجنس اور اپنی ہمسن دوست عورتون سے ملاقات ہو اور سوسائٹی کا لطف حاصل ہو اکثر عورتین مع اپنی جوان لڑکیون کے جاتی ہین۔ وہان پر اُن کی شادی بیاہ کی نسبتون کا چرچا کرنے کا خوب موقع ہوتا ہے۔ ان شریف اور رئیس عورتون کے ساتھ حبشی لونڈیان یا خواجہ سرا وغیرہ ہوتے ہین ہر قسم کا سامان آرائش ساتھ ہوتا ہے حمام کی عمارت نہایت نفیس بنی ہے وہان پہونچکر عورتین پہلے کمرے مین اپنے اپنے کپڑے اتار کر الگ کرتی ہین صرف ایک شفاف چادر باندھ کر حمام کے اندر داخل ہوتی ہین۔ اور اندر پہونچکر اس چادر کو بھی الگ پھینکتی ہین۔ اور سنگ مرمر کی چادر پر جو حمام کے اندر ڈھالو رکھی ہوتی ہین لیٹ جاتی ہین۔

دو نہلانیوالیان ہر عورت کے حصہ مین آتی ہین ایک تو جسم کے بالائی حصہ کی صفائی مین مصروف ہوتی ہے دوسری حصہ زیرین کا چارج لیتی ہے ایک قسم کا صابون ہوتا ہے جس کو وہان پیلو کہتے ہین بدن ملنے مین استعمال ہوتا ہے۔ مگر بالون اور چہرے کے واسطے اور قسم کے

صابون صرف مین آتے ہین - نہلانے والی عورتین بعض تو گورے رنگ کی ترکنین ہوتی ہین اور بعض حبشنین ہوتی ہین -

جب تمام بدن کی مالش اچھی طرح ہو چکتی ہے مختلف حوضون کی نلیان کھول دیجاتی ہین - ان مین سے خوشبودار پانی ان عورات کے صاف اور شفاف جسم پر جو سنگ مرمر پر برف کے ٹکڑون کیطرح غلطان ہوتی ہین جاری ہوتا ہے - اس آب روان سے بدن پر جس قدر صابون کا پھین اور میل ہوتا ہے سب دھو جاتا ہے - اس کے بعد ایک دوسرے حوض سے خوب گرم پانی لے کر آہستہ آہستہ اپنے بدن پر ڈالتی ہین یہ پانی اس قدر گرم ہوتا ہے کہ بجز ترکی عورتون کے جو حمام مین نہانے کی عادی ہوتی ہین یہان کی عورتین برداشت نہ کر سکین - ان تمام کامون کے درمیان یہ عورتین زور و شور کے قہقہے لگاتی ہین اور کسی قسم کا مذاق اٹھا نہین رکھتی ہین - منھ دُھلاتے وقت اگر کہین آنکھون مین صابون لگ گیا تو بس غضب ہو گیا - نہلانے والی کو ایسی لات جڑتی ہین کہ اسی سے پوچھنا چاہیے - گوری کالی ہر رنگ کی عورتون کا جمگھٹ ہوتا ہے نو نو برس کی حسین و ملائم بدن کی لڑکیان بھی اس غسل خانہ مین ہوتی ہین کیونکہ اس سن کی لڑکیان وہان عورتون مین شمار کیجاتی ہین اور ان کو سوسائٹی کی کے تمام حقوق حاصل ہوتے ہین -

منجملہ اور حوضون کے ایک بہت بڑا حوض ہوتا ہے اس مین یہ عورتین یکبارگی کود کود کر جیسے بہت سے مرد دریا مین نہاتے ہون اسی انداز سے نہاتی ہین اور وہ ہنسی دل لگی ہوتی ہے کہ حد و حساب سے باہر ہے - جب نہانے اور کھیلنے سے جی بھر جاتا ہے تو وہین سنگ مرمر کی چٹانون پر بیٹھ کر حاضری طلب کرتی ہین خدام تو تیار ہی رہتے ہین فوراً سب چیزین حاضر اسی برہنہ حالت مین کہ بجز سیاہ لمبے بالون کے اور کوئی شے ان کے چہرون کا نقاب نہین ہوتی ہے - خوب سیر ہو کر کھا چکتی ہین تو تھوڑی دیر کے واسطے پھر بڑے حوض مین گھا گھم کودتی ہین - اور پھر ہنسی مذاق کی بازیان کھیل کر نکلتی ہین اور سیدھی پوشاک پہننے کے کمرے مین جاتی ہین - وہ مخصوص حمام کرنے کے بعد پہننے کا جامہ زیبا تن کر کے کوچون پر بیٹھتی ہین جن کو جمرٹ سے شوق ہے وہ اس سے تھوڑی دیر کیفیت

حاصل کرتی ہین ورنہ قہوہ یا چاے تو سب پیتی ہین۔ اسکے بعد مشاطہ آکر حاضر ہوتی ہے۔ اول مشاطہ کا کام صرف بالون کی درستی ہے۔ ہاتھ اور پارچہ سے نہایت ملائمت سے بالون کو خشک کرتی ہے۔ بعدہ دو لٹون مین تقسیم کرتی ہے۔ مگر بعض عورتین پشت پہ کھلے ہوے بال آویزان رکھتی ہین اور ایسی عمدہ خوشبو ان سے نکلتی ہے کہ دماغ معطر ہو جاے۔ جب زلفون کی مشاطہ کا کام ختم ہو جاتا ہے دوسری خادمہ نہایت خوشبودار منجن اور برش ہاتھ مین لے کے پہونچتی ہے چند منٹ مین یہ بھی اپنے ڈیوٹی سے فرصت پا جاتی ہے۔ تب تیسری قسم کی مشاطہ حاضر ہوتی ہے اس کے ہاتھ مین سرمہ دانی اور چند اقسام کے خوشبودار روغنون کی شیشیان ہوتی ہین آنکھون کو خوب خوشنما اور چمکیلی بناکر رخسارون کا حسن بھی معطر غازہ سے دوبالا کرکے افشان کا رنگ جماکر یہ مشاطہ بھی الگ ہو جاتی ہے۔ ان آرائشات سے فراغت کرکے سیر بازار کا لباس طلب کیا جاتا ہے جو کہ نہایت قیمتی اور خوبصورت پارچون سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ اس لباس کے ساتھ اولاً ایک نفیس کرتہ پہنتی ہین اسکے بعد پائجامہ جسکی مہریان بہت لمبی اور چوڑی ہوتی ہین یہان تک کہ ٹخنون کے قریب ایک بند سے باندھنے کی حاجت ہوتی ہے اس لباس کے اوپر ایک اور جامہ پہنتی ہین اس مین صرف دو تین بٹن شکم کے اوپر لگتے ہین۔ صدر بالکل کھلا رہتا ہے۔ اس جامہ کے دامن پیچھے مل کر ایک عجیب خوشنما قطع پیدا کرتے ہین مثل یورپین لیڈیون کے یہ کوئی بالائی کمربند استعمال نہین کرتی ہین بلکہ بجاے اس کے نہایت نفیس شالین دو تین پیچ دیکر کمر مین باندھتی ہین ایک سرا اس شال کا سامنے لٹکتا ہوتا ہے جو عورتین شال نہین استعمال کرتی ہین وہ جاکٹ کیطرح ایک صدری پہنتی ہین اس مین بھی صدر کھلا رہتا ہے۔ تحت صدر سے ناف تک البتہ طلائی یا نقرئی یا جواہرات کے بٹن جڑے ہوے ہوتے ہین جن کی آب و تاب سے آنکھین تلملاتی ہین اپنی حیثیت کے موافق اچھی طرح لباس ہاے نفیس اور بیش بہا سے اس طور پر بن ٹھن کر یہ عورتین زیورات کی فرمائش کرتی ہین۔ اس آرائش مین بہت سی چیزین نہین ہین۔ عموماً کانون مین بالیان بہت ہوتی ہین اور ہاتھون مین کنگن۔ انگلیون مین طلائی انگشتریان جن مین یاقوت اور ہیرے وغیرہ قیمتی جواہرات نہایت حسن و خوبی سے جڑے ہوتے ہین

جب اس بناوٹ سے بھی فراغت ملتی ہے یہ ترکی لیڈیان سیر و تفریح کے واسطے بالکل تیار ہوتی ہین سر پر صرف ایک قسم کی کلاہ رکھنے کی دیر رہتی ہے یہ کلاہ اسکاچی قطع کی ہوتی ہے۔ رنگ سرخ۔ سبز یا زرد ہوتا ہے طرح طرح کے چمکدار جواہرات لگے ہوتے ہین۔ اس بناؤ سنگار سے حمام سے برآمد ہو کر اپنے چہرون پر وسمک یعنی برقع ڈال کر یہ عورتین سیر بازار کو نکلتی ہین اس وقت ان کا حسن و زیب قابل دید ہوتا ہے۔ برقع کے سبب سے خوبی اور طرحداری اور بڑھ جاتی ہے۔ ورنہ بغیر اس کے شاید بعض ترکنین معمولی عورتین معلوم ہون گی۔

تصویر غم

کھل گئے دل مین گل داغ ملالِ آرزو — اس چمن سے مٹ گئے کب کے نہالِ آرزو
رفتہ رفتہ حسرتون نے یہ سبق مجھ کو دیا — باعثِ اندوہ و حرمان ہے کمالِ آرزو
وہ امنگین مٹ گئین وہ ولولے جاتے رہے — اب دلِ غمگین ہے یا رنج و ملالِ آرزو
وہ بھی کیا دن تھے الٰہی ہاے جب ہر وقت تھا — دیدہ و دل محوِ دیدارِ جمالِ آرزو
وہ تمناؤن کے جلوے وہ امیدونکا فروغ — وہ دلِ محزون مین نورِ بیمثالِ آرزو
ہاے وہ آنا کسی کے روے انور کا خیال — اور پھر وہ شعلۂ برقِ جلالِ آرزو
اے دلِ محزون رہیگا کیا یہ نہین وقفِ الم — اے جدائی! کیا نہو گا پھر وصالِ آرزو
ایک مشتِ خاک اس پر یہ غم و آلام آہ! — مین نہ مٹ جاؤن تو سمجھاے دلِ ناکام آہ!

مین ازل سے محوِ ذوقِ نالۂ شبگیر ہون — لطف گیرِ رنج ہون لذت کشِ تعزیر ہون
آشناے دردِ غم، منت کشِ جور و ستم — محیطِ آفاتِ عالم غمزدہ، دلگیر ہون
پیکرِ رنج و مصیبت! ہیکلِ درد و محن — بیکسی کا ہون مرقع یاس کی تصویر ہون
کامیابی میری ناکامی سے رکھتی ہے بگاڑ — بخت ہون بگڑا ہوا پھوٹی ہوئی تقدیر ہون
شیون بیفائدہ سمجھو کہ آہِ نارسا — نالۂ بے سود ہون فریادِ بے تاثیر ہون
کوئی دیکھے تو سہی میری شکستہ حالیان — قصر ہون ٹوٹا ہوا، اجڑی ہوئی تعمیر ہون
کون ہون! کیا ہون؟ سواے اسکے بتاؤن اور کیا — رنج و غم کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہون

کیا کوئی مجھ سا بھی ہوگا عاشقِ صادق کہین
انتہاے عشق یہ ہے! حسرتین بھی مٹ گئین

(تسکین سورونوی)

دین

بعض اوقات جیسا ہم دوسرون کی شکایت کرنے پر آمادہ ہوتے ہین اسوقت ہمین **ٹامس کمپس** کا یہ قول نہ بھولنا چاہیے کہ "جب تو خود اپنے تئین ویسا نہین بنا سکتا جیسا کہ تو چاہتا ہے تو تو اس بات کی کیونکر امید کر سکتا ہے کہ دوسرا شخص تمام باتون مین تیری خواہش کے مطابق ہو جائے"

اور اگر ہم شکایت کی صحیح وجہ رکھتے بھی ہون تو جس طرح ہم دوسرون سے معافی کی امید کرتے ہین ویسے ہی ہمین بھی معاف کر دینا چاہیے اور ایک ہی بار نہین بلکہ **بطرس حواری** کی تجویز کے مطابق "سات بار نہین بلکہ ستر مرتبہ سات سات بار" حضرت **محمد مصطفےٰ** (صلعم) فرماتے ہین "تم مین سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی (انسان) کے لیے وہی نہ چاہے جو خود اپنے لیے چاہتا ہے"

اکثر طبائع پر بمقابل مسرت کی امید کے تکلیف کا اندیشہ زیادہ اثر کرتا ہے کنیسہ **فیورشام** مین ایک قبر پر عجیب پرانا کتبہ ہے جس کے الفاظ یہ ہین "جس کسی نے اس شخص کو اپنے دل مین یہ لحاظ کر کے دیکھا ہوگا کہ اس کا بچھونے سے گڑھے مین اور پھر گڑھے سے ایسے تکلیف کے مقام مین جانا جہان کی تکلیفین کبھی ختم ہونے کو نہ آئین گی کس قدر سخت تھا وہ شخص اگر ساری دنیا کی دولت مل جائے تو بھی کبھی گناہ مین مبتلا ہونے کی جرأت نہ کرے گا"

ہمین نہ وعید سے غافل ہونا چاہیے اور نہ وعدہ کو حقیر تصور کرنا چاہیے **انجیل یوحنا** مین ہے "تاہم روشنی تھوڑی دیر کے لیے تمھارے ساتھ ہے اور اسی روشنی مین تمھین جہان جانا ہے چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اندھیر اگھپ ہو جائے کیونکہ جو اندھیرے مین چلتا ہے اسے خبر نہین ہوتی کہ کدھر جا رہا ہون"

انجیل مین یہ بھی ہے "ہر وہ شخص جو میری باتین سن رہا ہے اور اُن پر عمل نہین کرتا وہ اس بیہودہ شخص کے مانند ہوگا جس نے بالو پر اپنا گھر بنایا اور مینھ برسا۔ اور سیلاب آیا۔ اور ہوا چلی۔ اور اس مکان کو تھپیڑے دیے اور وہ گر پڑا۔ اور اس کا گرنا ایک امر عظیم تھا" لیکن بخلاف اس کے جو شخص میری ان باتون کو سنتا ہے اور اُن پر عمل کرتا ہے اسے مین اُس عاقل شخص کے مثل سمجھون گا جس نے اپنا مکان ایک چٹان پر بنایا۔ اور مینھ برسا۔ اور سیلاب آیا۔ اور ہوا چلی

اور اس گھر کو تھپیڑے دیے۔ اور وہ نہین گرا۔ کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر رکھی گئی تھی؛

اور سب سے زیادہ افسوس اس شخص کے حال پر ہے جو اورون کو اور خاصتہً نوجوانون کو گمراہ کرتا ہے؛

متی کی انجیل مین ہے " گو یہ غیر ممکن ہے کہ پھر بھی ایسے گناہ ہون گے لیکن افسوس ہے اس کے حال پر جس کے ذریعہ سے گناہ ہوتا ہے اس کے لیے بہتر تھا کہ ایک چکی کا پاٹ اُس کے گلے مین لٹکا دیا جاتا۔ اور وہ سمندر مین ڈال دیا جاتا۔ بہ نسبت اُس کے کہ اُن کمسن لوگون کو وہ گنہگار بناتا؛

لوقا کی انجیل مین ہے " انسان کو کیا مل جائے گا اگر وہ ساری دنیا حاصل کرلے اور خود اپنی جان کو ہاتھ سے کھو دے؟ یا انسان اپنی جان کے معاوضہ مین کیا دے گا؟"

گو ہم نے کتنے ہی گناہ کیے ہون مگر کتب آسمانی کا فقرے کے بعد فقرہ اور وعدے کے بعد وعدہ ہمین مایوس ہونے سے منع کرتا ہے۔ دین مسیحی کی نسبت کہا جاتا ہے کہ " ایک امید کا مذہب ہے " مگر قرآن مجید مین بھی خدا یہی نہین فرماتا کہ " اللہ کی رحمت نیکوکارون قریب ہی ہے " بلکہ یہ بھی ارشاد ہوتا ہی کہ " رحمت الٰہی سے نا امید نہ ہو " وعدے اور وعید دونون حیثیتون سے قرآن دیگر کتب آسمانی سے بڑھا ہوا ہے۔

مگر ہمین رسکلے کے خیال کے مطابق خوف و رجا کو عقلمندی کے ساتھ لون جمع کرنا چاہیے کہ جو کوئی موت اور روز جزا کا اور جنت و دوزخ کا اکثر خیال کرتا ہے وہ یقیناً اچھا ہے "

خداے برتر قرآن مجید مین کہتا ہے " بڑا برکت والا ہے وہ خدا جس کے ہاتھ مین ملک ہے۔ وہ سب چیزون پر قادر ہے۔ اور وہی ہے جس نے موت و زندگی کو پیدا کیا۔ تاکہ تمھین آزمائے " کہ تم مین سے کس کے اعمال اچھے ہین۔

مگر لوگ راہ راست کی بہ نسبت گمراہی کو زیادہ آسانی سے اختیار کرتے ہین۔ بہت سے لوگ جو حساب دینے کے اندیشون کی تحقیر کرتے ہین ان پر ڈرمنڈ

کے اس قول سے حق آشکارا ہو جائے گا کہ" دس منٹ جو مسیح کی صحبت مین صرف ہون بلکہ دو منٹ بھی اگر اسسے یہ کیفیت حاصل ہو کہ چہرہ مسیح کے چہرے کے سامنے ہے اور دل مسیح کے دل سے ملا ہوا ہے تو یہ کیفیت اس کی زندگی کو کچھ اور ہی بنا دے گی"

مسیح کی صحبت سے مراد ان کی نصیحتون پہ دل لگانا اور کاربند ہونا ہے اُس کے مطابق فارسی کا یہ مقولہ ضرب المثل ہو گیا ہے ع "کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی" اس کا خیال کرو کہ اچھا کون کام ہے۔ پھر تم کوئی برا کام نہ کرو گے۔ **انجیل کے نامہ فلپین** مین ہے جتنی باتین سچی ہین۔ جتنی باتین دیانت داری کی ہین۔ جتنی باتین منصفانہ ہین۔ جتنی باتین پاک ہین۔ جتنی باتین پسندیدہ ہین۔ جتنی باتین خوش خبری کی ہین اگر اُن مین کوئی خوبی ہو اور اگر وہ کسی تعریف کے قابل ہون تو اُن کو خیال کرو" جب تک بار ہا کئا ہون کا ارتکاب خیالات مین نہ ہولے اعضا سے نہین ہوتا۔)

سنیکا کا قول ہے" خدا سے کوئی ایسی چیز نہ مانگو جس کی نسبت تم پسند نہ کرو کہ انسان کو اس کی خبر ہو جائے۔ اسی طرح انسان سے بھی کوئی ایسی چیز نہ چاہو جس کی نسبت تم پسند نہ کرو کہ خدا کو اس کا علم ہو جائے" لیکن جب ہم خیال کرین کہ زمان و مکان کی غیر محدود فضا مین ہم کیسی تھوڑی اور غیر متعین زندگی رکھنے والے مخلوق ہین تو اسپنسر کے ساتھ شریک ہو کے ہم بھی سوال کر سکتے ہین کہ" کیا جنت مین بھی فکر ہو گی؟ کیا آسمانی روحون مین دنیا کے ان ادنی مخلوقون کی محبت ہے؟"

حضرت داؤد کی زبور مین کیا خوب کہا گیا ہے کہ" جب مین تیرے آسمانون تیرے انگلیون کے کامون چاند اور ستارون کا خیال کرتا ہون جنھین تو نے آراستہ کیا ہے تو انسان کی کیا اصل و حقیقت ہے کہ تجھے اُس کی فکر ہو! یا ابن آدم کی کیا حقیقت ہے کہ تو اس سے آ کے ملے؟"

لیکن **کالرج** کے جواب مین یہ تسلی ہے کہ" انسان اگر پکارے گا تو ولی اُس کی مدد کرین گے۔ کیونکہ یہ نیلا آسمان سب کے سرون پہ جھکا ہوا ہے"

لیکن یہ بعد کی مشرکانہ مسیحیت ہی جو دیوتاؤں سے فریاد رسی کراتی ہے۔ ورنہ اسلام کی طرح مسیحی اور حقیقی مسیحیت کی تعلیم مین "خدا کے سوا کوئی فریاد رس نہین۔ خدا قرآن پاک مین کہتا ہے "کون ہے جو بیقرار کے فریاد کرتے وقت اُس کی فریاد رسی کرتا ہے؟ اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے؟ تمھین زمین کی وراثت دیتا ہے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے؟ نہین بلکہ یہ لوگ جاہل ہین" اور اسی حکم کی پابندی مین ہر مسلمان نماز پڑھتے وقت ہر رکعت مین اس اقرار کی تجدید کرتا ہے کہ ہم تجھی کو پوجتے ہین اور تجھی سے مدد مانگتے ہین۔

کیا **متی کی انجیل** مین وعدہ نہین کیا گیا ہے کہ "مانگو تمھین ملے گا۔ ڈھونڈھو پاؤ گے دروازہ کھٹکھٹاؤ وہ کھلے گا" **یوحنا کی انجیل** مین بھی ہے "تم میرے نام سے جو چاہو گے وہ مین کرون گا" نیز **انجیل** مین ہے "اگر تم مجھ مین رہو گے اور میرے لفظ تم مین رہین گے تو تم جو چاہو گے مانگو گے اور مین تمھاری آرزو کے موافق کرون گا" اللہ جل شانہ کی نسبت بتایا گیا ہے کہ "سارے دل اُس پر آشکارا ہین۔ اور وہ سب کی مرادون کو جانتا ہے" یعنی وہ کسی غمزدہ دل کی آہ سرد کو یا کسی حسرت نصیب کی آرزوون کو حقارت کی نظر سے نہین دیکھتا۔ خلاصہ یہ کہ "تم اپنی ساری فکرون کو اس کے سامنے پیش کر دو کیونکہ اُسے تمھاری فکر ہے"

ہمین یہ نہ چاہیے کہ اپنی کاہلی کی عیب پوشی کے لیے نظر اوپر اٹھا کے دیکھین اور امیدوار ہون کہ خدا چھپر پھاڑ کے دے گا۔ خدا نے اگرچہ مدد ہی کا وعدہ نہین کیا ہے بلکہ یہ بھی فرمایا ہے جیسے **سینٹ جیمس** ان الفاظ مین ظاہر کرتا ہے۔ "جب تک خدا نہ بنانا چاہے مکان بنانے مین اُن کی (لوگون کی) محنت اکارت ہے۔ اور جب تک خدا نگہبانی نہ کرے پاسبان جو شہر کی رکھوالی کر رہے ہین بیکار ہی محنت کرتے ہین۔ ہر اچھی برکت اور ہر کامل برکت اوپر ہی سے ہے۔ جو اُس نور الانوار کے پاس سے آتی ہے جس مین نہ کسی قسم کا تغیر ہے اور نہ کسی انقلاب کا کوئی اثر ہے"

مسیحیت اس جانب نہین بلاتی ہے کہ دوسرے عالم کے سنبھالنے کی فکر پر اس دنیا کو قربان کر دو۔ بخلاف اس کے وہ تعلیم دیتی ہے کہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اُس سے انصرام کرنا اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے اُس کا شوق رکھنا تمھارے دونون جہان

کی مسرت کو ترقی دے گا۔ دنیوی عقلمندی اور آسمانی عقلمندی مین کوئی حقیقی فرق نہین ہے۔ کیونکہ مذہب ہماری ہر روزکی زندگی کو متبرک بناتا ہے"۔

ہمین اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے کہ اصلی مسیحیت اور حضرت مسیح کی سچی تعلیمین دین کے لیے دنیا کو نہین چھڑاتی ہین مگر قرون وسطی کی رہبانیت اور یورپ کے احکام و اعمال نے دنیا کو باور کرا دیا تھا کہ ترک دنیا ہی مین مذہبی ترقی ہے۔ اور راہبون اور ننون کے لیے فرض تھا کہ نہ شادی کرین نہ اچھا کھائین نہ اچھا پہنین چنانچہ اسی خیال کے مٹانے کے لیے اسلام آیا جس کا دعوی ہے کہ "دین مین رہبانیت نہین ہے" اور ہر دیندار شخص شرعی اعتدال کو قائم رکھ کے ہر قسم کے دنیوی لطف اٹھا سکتا ہے۔

کیبل کہتا ہے "ہمین ضرورت نہین ہے کہ گوشہ نشینی کی خانقاہ کے لیے اپنی پرورش اور اپنے کاروبار کو خیرباد کہہ دین۔ یہ گرد و پیش کی خفیف چیزین یہ عام قسم کے کام کاج ہم جو کچھ مانگنا چاہین ہمین دین گے۔ اپنے کو بھول جانا ہی ہمارے لیے وہ سڑک بنائے گا جس پر چل کے ہم روز بروز خدا سے نزدیک ہوتے جائین گے"۔

انجیل یوحنا مین ہے کہ حضرت **مسیح** نے اپنے حواریون سے فرمایا "مین تجھ سے اس بات کی خواہش نہین کرتا کہ تو انھین (لوگون کو) اس دنیا سے باہر نکال لے جا۔ بلکہ یہ چاہتا ہون کہ تو انھین برائی سے بچا"۔

افلاطون۔ ارسطو۔ ایپکٹیٹس۔ سنیکا۔ مرقس اوریلیس سب کی تعلیم د مین شریفانہ اخلاق موجود ہین۔ مگر محبت کی تعلیم جیسی آسمانی کتابون مین ہے کہین نہین ہے۔

حضرت **مسیح** نے بجا فرمایا ہے کہ میرا مذہب ایک نیا مذہب ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین "مین تم کو ایک نیا حکم دیتا ہون وہ یہ کہ تم ایک دوسرے کو محبت رکھو جیسا کہ مین نے تم کو محبت رکھی ہے ویسی ہی تم ہر ایک دوسرے کے ساتھ رکھو۔ اسی پہچان سے تمام لوگ جان لین گے کہ تم میرے شاگرد ہو۔ اگر تم مین باہم محبت ہے تو میرے شاگرد سمجھے جاؤ گے"۔

یہ بھی فرمایا جو **انجیل یوحنا** مین موجود ہے کہ "جیسے باپ نے مجھ سے محبت رکھی ویسے ہی مین نے تم سے

کہی ہین تاکہ مین تم سے خوش رہون۔ اور تمھین پوری مسرت حاصل رہے۔ یہ میرا حکم ہے کہ جس طرح مین نے تم سے محبت کی ہے اُسی طرح تم باہم ایک دوسرے سے محبت کرو۔ انسان اس سے زیادہ محبت نہین کر سکتا کہ ایک شخص دوستون کے لیے اپنی جان دیدے۔ تم جب ہی میرے دوست ہو جب میرے حکم پر عمل کرو۔ اسوقت سے مین تمھین خادم نہ کہون گا۔ کیونکہ نوکر کو نہین خبر ہوتی کہ اس کا آقا کیا کرتا ہے بلکہ مین نے تھین اپنا دوست بنایا ہے۔ کیونکہ مین نے وہ تمام چیزین جو اپنے باپ سے سُنی ہین تم پر آشکارا کر دین"

دین مسیحی کی آمد پر حسب بیان **انجیل لوقا** ظاہر کیا گیا تھا کہ "یہ دین ملاء اعلیٰ مین رحمت الٰہی۔ زمین پر امن و امان۔ اور انسان کے حق مین بھلائی ہے" جناب مسیح نے حضرت موسیٰ کی تعلیم سے خاص طور پر اختلاف کر کے اس بات کو زور دے کر ارشاد فرمایا کہ "دشمنون کے ساتھ بھی محبت اور معافی کا برتاؤ کرنا چاہیے"

چنانچہ **انجیل متی** مین آپ کا یہ قول موجود ہے "تم نے سنا ہی جو کہا گیا ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے محبت کر۔ اور اپنے دشمن سے نفرت کر۔ مگر مین تم سے یہ کہتا ہون کہ اپنے دشمنون سے محبت کرو۔ جو تمھین گالیان دین اُنھین دعائین دو۔ جو تم سے نفرت کرین ان کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور جو تمھاری حقارت کرین اور تم پر جور کرین ان کے لیے بھی دعاے خیر کرو۔ تاکہ تم اپنے اُس باپ (خالق) کے فرزند بن سکو جو آسمان پر ہے اس لیے کہ اس نے اپنے سورج کو اس لیے بنایا ہے کہ برے بھلے دونون پر چمکے۔ اور حق و باطل دونون پر مینھ برساتا ہے۔ کیونکہ اگر تم اُنھین لوگون سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتے ہین تو پھر انعام کس بات کا؟ کیا عام لوگ بھی ایسا ہی نہین کرتے ہین۔ اور اگر تم فقط اپنے بھائیون کو سلام کرو تو تم دوسرون سے بڑھ کے کون سی بات کرتے ہو؟ کیا عام لوگ بھی ایسا ہی نہین کرتے ہین؟ لہٰذا تم مکمل ہو جیسا کہ تمھارا باپ جو آسمان پر ہے مکمل ہے"

ہمین یاد رکھنا چاہیے کہ مشکلون رنجون اور فکرون سے ضرور

سابقہ پڑے گا۔ مگر یہ سمجھ کے کہ "رنجون سے صبر۔ صبر سے تجربہ۔ اور تجربہ سے امید پیدا ہوتی ہے ہمین رنجون پر بھی خوشی منانی چاہیے۔ اور ہمین یقین دلایا گیا ہے کہ "اس موجودہ زمانے کی مصیبتین اُن برکتون کے مقابلہ مین جو کہ ہم پر ظاہر ہونگی کچھ بھی نہین ہین" اور اس کا بھی یقین دلایا گیا ہے کہ "جو چیزین خدا نے اُن لوگون کے لیے جو اس سے محبت کرتے ہین مہیا کر رکھی ہین ویسی نہ کسی کان نے سُنی ہین اور نہ کبھی کسی انسان کے دل مین گزری ہین"۔

ایک بے لسٹن کہتا ہے "تمام دوسری مسرتون کے مقام پر اس مسرت کو قائم کرو کہ تمھین اس بات کی حس رہے کہ تم خدا کی فرمان برداری کر رہے ہو۔ اور نیز اس بات کی کہ صرف لفظون مین نہین بلکہ حقیقی طور پر تم ایک عقلمند اور اچھے آدمی کے سے کام کر رہے ہو" مگر باوجود اس کے لوگ اپنے دین کے لیے کس قدر کم کام کرتے ہین۔ بقول **فرمدل** کے وہ اس کے لیے جھگڑے مین پڑتے ہین۔ اس کے لیے لڑتے ہین۔ گالیان دیتے ہین۔ پڑوسیون کو ستاتے ہین۔ اُنھین آگ مین جلاتے ہین۔ یہان تک کہ مذہب کے لیے خونریزی کرتے ہین۔ اپنی جانین صرف کرتے ہین۔ غرض سب ہی کچھ کرتے ہین۔ مگر یہ نہین کرتے کہ اس کی تعلیم کے مطابق عمل کرین۔ بہت ہی کم لوگ ایسے ہین جو اس کی کوشش بھی کرتے ہون"۔

ٹامس آف کمپس کہتا ہے "ایک تھوڑی سی رقم پر ایک لمبا سفر اختیار کر لیا جائے گا۔ مگر ابدی زندگی کے لیے اکثر لوگون کا یہ حال ہے کہ کبھی شاذ و نادر ہی اُنھون نے قدم بھی اُٹھایا ہو گا"۔ دوسری جگہ کہتا ہے "لکھو۔ پڑھو۔ ماتم کرو۔ خاموش رہو۔ عبادت کرو۔ جوانمردی کے ساتھ تکلیفون کو برداشت کرو۔ ابدی زندگی اس قابل ہے کہ اس کے لیے سب باتین کی جائین۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کے سخت میدان فتح کرنا پڑین"۔ اور پھر خیال تو کرو کہ کس قدر کم ذمہ داریان ہمارے ذمہ عائد کی گئی ہین"۔

میکاہ نبی کی کتاب مین ہے "خدا تجھ سے کیا چاہتا ہے؟ صرف یہ کہ سلامتی کی راہ چل رحم کو دوست رکھ۔ اور اپنے خدا کے ساتھ عاجزی کے ساتھ چل"۔ لیکن اگر یہ بھی ہوتا کہ ہم سے بہت زیادہ باتون کی خواہش کی جاتی۔

عہ ارومیون کا مراسلہ۔ انجیل۔ عسه مراسلہ اہل کورنتھ۔ انجیل۔

بڑی بڑی قربانیان چاہی جاتین۔ ہم سے کہا جاتا کہ دنیا کی تمام چیزون کو ترک کردو تو بھی کیا تھا؟ زندگی کس قدر تھوڑی ہے؟ برایانٹ اپنی نظم مین کہتا ہے۔

"جس طرح سایہ سورج اور بدلی سے گرمیون کی گھاس پر پڑتا اور ہٹا کیا چلا جاتا ہے۔ ویسے ہی اس خداے واحد جل جلالہ کی نظر مین زمین کی نسلین گزرتی چلی جاتی ہین۔ اور جس طرح برس جن کے آنے کا سلسلہ نامتناہی ہے آتے اور تیزی سے گزرجاتے ہین ویسے ہی وہ دوستن تمام جن پہ زمین کو ناز ہے چمکتے اور غائب ہوجاتے ہین"

بیشک ہمین بقول تھورو کے صحیح معنون مین یہ کہنا چاہیے کہ "مین ایسا ہونے کی کوشش کرون گا کہ گویا تو میرے ساتھ ہی تھا۔ مین جس راہ مین قدم اٹھاؤن گا وہ تیرے ہی لیے ہوگی"

ایسا جوش آپ ہی اپنا اجر ہے کیونکہ دین کے وعدے اس دوسرے عالم ہی تک محدود نہین ہین وہ یہین اور اسی وقت اور فوراً ہی پورے ہونا شروع ہوجاتے ہین۔ ہم مین سے ہر ایک شخص کے قبضہ مین خود اپنی روح کے اندر آب حیات کا ایک کنوان موجود ہے اس کا بس اس قدر کام ہے کہ اسے پاک وصاف رکھے۔

اسکاٹ کہتا ہے "فانی لوگون کو بعض ایسے جذبات دیے گئے ہین کہ اُن مین بمقابل آسمانی ہونے کے دنیویت بہت کم ہے"

سِسرو بہت سچ کہتا ہے "اگر یہ سچ ہے کہ نیکوکار آدمی کے سوا کوئی خوش نہین ہے اور یہ کہ سارے نیکوکار مسرور ہین تو فلسفہ کے سوا کون چیز نشو ونما دینے کے قابل ہوسکتی ہے؟ یا یون کہا جاے کہ نیکی سے زیادہ کون چیز ربانی ہوسکتی ہے؟"

گو یہ بالکل سچ ہے مگر اس کا یقین کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ انسان اپنے تحمل سے زیادہ آزمائش مین نہین ڈالے گئے ہین۔ دراصل "خدا عادل ہے۔ وہ تمھاری برداشت سے زیادہ آزمائش مین تمھین نہ ڈالے گا۔ کسی بُرے کام کی رغبت کے ساتھ وہ اس سے بچنے کا ایک راستہ بھی تمھارے لیے پیدا کردے گا۔

اور وہ ایسا ہوگا جسے تم برداشت کر سکو"[عہ]

تاہم انسان ایسا ضعیف ہے کہ ہمین حکم دیا گیا ہے کہ "اس پر نظر رکھو اور دعا کرتے رہو کہ تم خواہشات نفسانی مین نہ پڑ جاؤ۔ روح بے شک تمھارے روکنے پر آمادہ ہے مگر گوشت کمزور ہے"[عہ]

ہمارا ارادہ یہی رہنا چاہیے کہ "اپنے آپ کو درجۂ کمال پر پہونچائین۔ ویسا ہی جیسا کہ ہمارا باپ (خالق) جو آسمان مین ہے مکمل ہے" اور اس کا اجر فوراً ملے گا۔ اور بے حساب ملے گا۔ ہمارے بہت سے مشکلات تو ذہین سے پیدا ہوتے ہین۔ انسان بے اصل سایون (اوہام) مین پڑ کے اپنے تئین خود ہی تکلیف دیتا ہے۔ ہم مین سے اکثر لوگ اس قول مین حضرت دانیال کے ہم زبان ہو سکتے ہین کہ "میرے دماغ کے اوہام نے مجھے مصیبت مین مبتلا کیا" لیکن اگر ہم چاہین تو مطمئن رہ سکتے ہین۔ اور اگر ہم مطمئن نہین ہین تو یہ خود ہمارا قصور ہے۔ مذہب اس دنیا مین ہم سے آرام و سلامتی اور اطمینان قلب اور افکار سے نجات دلانے کا وعدہ کرتا ہے۔ جنت آیندہ کے آغوش مین اور تم سے دور نہین ہے بلکہ خود تم مین موجود ہے۔

اگر تم تھکے ماندے اور عاجز و ناتوان ہو تو کیا تمھارے لیے متی کی انجیل مین یہ نہین کہا گیا ہے کہ "لوگو! جو محنت مزدوری کرتے ہو اور بھاری بوجھ کے نیچے دبے ہوے ہو۔ تم سب میرے پاس آؤ۔ مین تمھین آرام دون گا" دیکھو انجیل متی مین حضرت مسیح کا قول ہے "اپنے دلون کو تکلیف نہ دو۔ تم خدا پر یقین رکھو۔ اور نیز مجھ پر یقین رکھو" یا افکار دنیوی کے بارے مین کیا انجیل یوحنا مین نہین مذکور ہے کہ "ہوا کی چڑیون کو دیکھو۔ وہ نہ بوتی ہین۔ نہ فصل کاٹتی ہین۔ نہ کھلیانون مین غلہ جمع کرتی ہین۔ لیکن اس پر بھی تمھارا آسمانی باپ (خالق) اُنھین کھلاتا ہے۔ کیا تم اُن سے بدرجہا زیادہ بہتر نہین ہو؟ اور تمھین لباس کی کیون فکر ہے۔ میدان کے جنگلی کے پھولون کو خیال کرو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہین۔ وہ محنت نہین کرتے۔ چرخا

عہ نامہ کورنتھ (انجیل)

عہ انجیل متی۔

نہین کاتتے۔ اور باوجود اس کے مین تم سے کہتا ہون۔ کہ سلیمان کو باوجود اپنی ساری عظمت و جبروت کے کبھی ایسا خوشنما لباس نہ نصیب ہوا ہوگا جیسا کہ یہ پہنے ہین۔ تو پھر جب خدا میدان کی گھاس کو جو کہ آج ہے اور کل بھٹی مین ڈال کے جلادی جائے گی۔ کپڑے پہناتا ہے۔ اے ضعیف الاعتقاد لوگون کیا وہ تمھین ان سے بڑھ کے کپڑے نہ پہنائے گا؟"

لوقا کی انجیل مین ہے "تم اُن چیزون کو جنھین کھاؤ گے یا پیو گے تلاش نہ کرو۔ کیونکہ ان تمام چیزون کی تلاش مین دنیا کی سبھی قومین لگی ہین۔ اور تمھارا باپ (خدا) جانتا ہے کہ تمھین ان چیزون کی احتیاج ہے۔ مگر تم خدا کی بادشاہی کو تلاش کرو اور یہ تمام چیزین اس پر اضافہ ہو کر تمھین مل جائین گی"

یہی سبق بار بار دیا گیا ہے۔ اور یہی وعدے مکرر وسہ کرر کیے گئے ہین **حضرت داؤدؑ کی زبور** مین ہے "اپنے لیے زمین پر خزانہ جمع کر کے نہ رکھو جہان کیڑے کھا جاتے ہین۔ زنگ لگ جاتا ہے۔ اور جہان چور سیند دے کے آتے اور چرا لے جاتے ہین۔ بلکہ اپنے لیے جنت مین خزانے جمع کرو۔ جہان نہ کیڑے کھائین گے۔ نہ زنگ لگے گا۔ اور نہ جہان چور سیند دے کر آسکے گا۔ نہ چرا سکے گا۔ کیونکہ جہان تمھارا خزانہ ہوگا وہین تمھارا دل بھی لگا رہے گا" اور دوسری جگہ مذکور ہے "اگر دولت بڑھے تو اپنا دل اُس مین نہ لگائے رکھو" انکار دتمر دوات کا اصلی باعث افلاس نہین بلکہ دولت ہے۔ کیونکہ **زبور** مین ہے "جن لوگون کا دل سامان دولت مین لگا ہوا ہے اُن کے لیے آسمانی بادشاہت مین داخل ہونا بہت مشکل ہے"

پہاڑ پر وعظ کے ذریعے سے حضرت **مسیح** کی زبان سے جن لوگون کے لیے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ قابل رحم کمزور صلح جو اور پاک باطن لوگ ہین۔

ہم سے کہا گیا ہے کہ خدا سے نہ ڈرین اس لیے کہ وہ ہمارا باپ ہے۔ اور نہ کامل محبت خوف کو دور کر دیتی ہے۔

ع ۱ انجیل متی

ہمین انسان سے ڈرنے کی ضرورت نہین کیونکہ زبور مین ہے "مجھے خدا پر بھروسہ ہے اور اس سے نہ ڈرون گا کہ انسان میرے ساتھ کیا سلوک کر سکتا ہے"

ہمین کسی چیز سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہین - درحقیقت ہمین کوئی چیز ضرر نہین پہونچا سکتی سینٹ پال کا قول ہے "اُن لوگون کی بھلائی کے لیے جو خدا سے محبت رکھتے ہین تمام چیزین مل کے بالاتفاق کوشش کرتی ہین"

ہمین یقین دلایا گیا ہے کہ زندگی کی تمام تکلیفون اور دشواریون مین خدا کی رحمت جو سمجھ سے بالا ہے تمھارے دلون اور خیالون کو خدا کے علم اور اُس کی محبت مین مصروف رکھے گی اور خدا کی برکت تمھارے ساتھ ہوگا - اور ہمیشہ برقرار رہے گی"

اور یہ وعدے ہم سب سے کیے گئے ہین صرف دولتمندون عالی مرتبہ لوگون اور ہوشیار اور صاحبان علم بزرگون ہی تک محدود نہین ہین - بلکہ ہم سب کے لیے ہین - کیونکہ "خدا کے یہان کسی کو فوقیت نہین دیجاتی -

مرقس کی انجیل مین ہے چھوٹے بچون کو میرے پاس آنے دو اور اُنھین منع نہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت ایسی ہی ہے"

اسلیے ہم ہی وہ ہین جو اپنے آپ کو اُن فائدون سے محروم کر سکتے ہین کیونکہ رومیون کے مراسلہ مین ہے "میرا خیال ہے کہ موت - زندگی - فرشتہ - مملکتین طاقتین - اور تمام موجودہ چیزین اور نیز آیندہ چیزین - بلندی یا پستی غرض کسی چیز مین یہ قدرت نہین ہے کہ ہمین خدا کی اس محبت سے جدا کر سکے جو اپنے آقا حضرت مسیح کے واسطے سے ہم کو حاصل ہے"

اس طرح اور فقط اسی طرح زندگی روشن پر امن اور مسرور ہو سکتی ہے گناہون سے بچو اور ان چیزون کی طرف توجہ کرو جو حق ہین - کیونکہ یہی چیز آخرکار انسان کے لیے اطمینان قلب کو لے آئے گی -

اسی طرح تم مسرور ہونے کی امید کر سکتے ہو چاہے تمھاری زندگی کسی حالت مین ہو کیونکہ وہ تمام مقامات جن پر آسمان کی نظر پڑتی ہے - ایک عقلمند آدمی کے لیے امن وامان کی بندرگاہین اور مسرت کے ساحل ہین - ویسے ہی نیک بنو جیسا کہ کنگسلے کے یہ شریفانہ الفاظ بتاتے ہین

[illegible]

"جو شخص ہوشیار ہے اُسے شریفانہ کام کرنے دو۔ نہ یہ کہ سارے دن اُن کا خواب دیکھتا رہے۔ اور اس طریقے سے اُسے اپنی زندگی موت اور اپنے ازلی بقا کو ایک باوقعت اور شیریں نغمہ بنا دینے دو۔

ریویو

اسلامی محمدی تقویم بمبئی ۱۳۴۹ھ - یہ بالکل نئی اور اچھوتی اسلامی تقویم ہے جو ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۹ھ سے شروع کیگئی ہے اسکے مولف سید محمد قربان علیصاحب مدنی الدہلوی مقیم بمبئی ہیں۔ اسمین سنین و ایام ہجری و عیسوی و بکرمی و فصلی و شہنشاہی مندرج ہونیکے علاوہ بہت سی باتین ایسی درج ہین جو مسلمانون اور خاصکر صوفیون کیواسطے نہایت کار آمد ہین مثلاً تاریخ وفات و جائے دفن خلفاے راشدین و اولاد و ازواج آنحضرت صلعم و دوازدہ امام و اسماے عشرہ مبشرہ و دیگر بزرگان دین سلسلہ قادریہ و چشتیہ و نقشبندیہ اوقات نماز پنجگانہ و علم قیافہ و نقشہ بہ آورد و تنخواہ و شجرہ نسب حضرات خلفاے راشدین و اسماے اصحاب کہف و ترکیب فاتحہ حضرت غوث الاعظم و دوازدہ بروج و فالنامہ و حضرت رسول صلعم کے اخلاق و توشہ خانہ کے حالات کے علاوہ اور بہت سی واقفیت اور دلچسپی کی باتین ہین۔ یہ تقویم ۲۲×۱۸/۴ سائز کے ۸۰ صفحون مین بہت نفیس و لائتی چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔ اور قیمت غالباً ۶/ ہے

خلاصۃ التقویم - یہ ۱۸-۲۲ سائز کے بہت عمدہ چکنے کاغذ پر چھپی ہوئی سنہ ۱۳۴۹ھ کی اسلامی تقویم ہے اس مین سنہ ہجری کی تاریخون کے ساتھ سنین عیسوی و ہندی و فصلی الٰہی کی تاریخون کے علاوہ طلوع و غروب کے اوقات اور ابتداے صبح صادق و زوال آفتاب کے اوقات بھی دکھلائے گئے ہین کیفیت کے خانے مین مشہور مشہور باتین بھی لکھی گئی ہین رمضان شریف کا انتہائی وقت سحر افطار کا صحیح وقت اور سورج گہن کا نقشہ بھی موجود ہے۔ غرضیکہ دریا کو کوزے مین بھر دیا ہے۔ ساری تقویم مختلف رنگون سے چھپنے کی وجہ سے بھی بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ قیمت کا حال معلوم نہین شائقین مندرجہ بالا دونون تقویمین حاجی الحرمین شریفین علی بھائی و شرف علی صاحب تاجران کتب دکان نمبر ۵ بھنڈی بازار بمبئی سے طلب فرمائین۔

مصباح الابصار - مولفہ جناب مولوی قمر علیصاحب ایم اے۔ ایل ایل بی ایڈوکیٹ بریلی جس مین لائق مولف نے یہ ثابت کیا ہے کہ عربی نصاب مروجہ محتاج اصلاح ہے۔ اور مسلمانون کو یہ زبان بہت آسانی سے تھوڑی مدت مین آ سکتی ہے۔ اور اسکی مشکلات رفع کرنیکے کیا طریقے ہین صفحات ۴۰ تقطیع ۲۰×۲۶ کاغذ سفید جرمنی۔ لکھائی چھپائی معمولی۔ شائقین مولف سے ۴ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کرین۔

نئی ایجاد

روغن مقوی بصر - اس روغن کے اگر دو قطرے روزانہ کان مین ڈال لیے جائین تو بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور تھوڑے دنون کے استعمال کے بعد عینک کی ضرورت نہین رہتی ضعیف البصر حضرات فائدہ اُٹھائین۔ قیمت فی شیشی عہ ملنے کا پتہ۔ منیجر کارخانہ روضۃ الریاحین کٹرہ بزن بیگخان لکھنؤ"

تصانیف مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

۴۱- آغا صادق کی شادی ایک دلچسپ قصہ ۱۰/

۴۲- حسن کا ڈاکو حرامپور کے نواب کا افسانہ ہر دو حصہ [illegible]

۴۳- اسرار دربار حرامپور حرامپور کے نواب کے پیچھے کے حالات ہر دو جلد ۱۰/

۴۴- غیب دان دلہن حیرت انگیز غیب دانی کی [illegible]

۴۵- خوفناک محبت، ہندوستان کی غریب دیو پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی [illegible]

۴۶- دلچسپ، مصنف کا پہلا ناول ۸/

۴۷- ؟ کا ؟ ۱۴/

ڈرامے اور نظمیں

۴۸- اسیری بابل گولڈ اسمتھ کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ نظم میں [illegible]

۴۹- زمانہ اور اسلام ایک ؟ دلچسپ نظم ۳/

۵۰- شب غم - فراق کی بپتا بیان ؟ ۱/

۵۱- شب وصل، فراق کے بعد وصل کا بیان ۱/

مضامین شرر

شاعرانہ و عاشقانہ دو حصے [illegible]

تاریخی و جغرافی [illegible]

گذشتہ لکھنؤ [illegible]

سیر رجال [illegible]

ختم سال و شروع سال [illegible]

سیر نسوان دو حصے [illegible]

ادب و تحقیق مسائل [illegible]

اصلاح قوم و ملت [illegible]

تاریخی واقعات پر خیال آرائی [illegible]

نظم و ڈرامہ [illegible]

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد	قیمت	جلد	قیمت
جلد سنہ ۱۸۸۸ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۸۹۰ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۱۷ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۱۸ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۱ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۰۷ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۲ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۳ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۴ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۲۶ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۸ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۲۷ء	[illegible]	جلد سنہ ۱۹۲۹ء	[illegible]
جلد سنہ ۱۹۱۰ء	۱۰/	جلد سنہ ۱۹۱۰ء	۱۵/
جلد سنہ ۱۹۱۱ء	۱۰/	جلد سنہ ۱۹۱۳ء	[illegible]

منتخب مضامین سنہ ۱۸۸۷ء ۱۰/

متفرق تصانیف

الحکم الرفاعیہ، سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ ۳/

حلیۃ العذرا، فارسی یحییٰ بن برمک کی تاریخ

تاریخ ولادت محمدی صلعم اول، دوم، سوم کا کامل

معتزلہ، مولانا کا ایک دلچسپ لکچر ۱۲/

(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)

مرزا غالب کی شاعری، مرزا محمد عسکری صاحب کا ایک محققانہ لکچر (جلسانہ)

پاداش عمل، رینالڈس کے مشہور ناول کا ترجمہ، اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم

رفع النقاب، مروجہ پردے کی تردید ۱۲/

اکادیمی کی تاریخ پر مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۱۲/

رامائن کے بعض سین

اتالیق بی بی، مسلمان کی جو کتاب سب بی بی کی درباز بمقدم ؟ ۱۸/

المشتہر ایک خادم حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز گھر نزد بیگمات لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ا ۔ ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شررؔ مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر [illegible] بابت ماہ [illegible] ۱۹۳۰ء جلد [illegible]

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق مینجر اور پرنٹر و پبلشر دلگداز

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان میں

چھپ کے شایع ہوا

چندہ سالانہ (عہ) مع محصول ڈاک



مولیٰ خواجہ زادہ

از مولانا شرر مرحوم

"مصلح الدین مصطفیٰ ابن یوسف ابن صالح" سلطان محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کے عہد مین تھے۔ اور اس عصر کے مشہور علما مین ہین تقدیر جس قسم کے عجیب و غریب انقلابات دکھلایا کرتی ہے اُسکا ایک حیرت انگیز نمونہ ان کی سوانحعمری سے بھی نمایان ہے۔ اگر کبھی گھڑی بھر کے لیے ہم اس امر پہ غور کرین کہ قسمت انسان کو کہان سے کہان پھینکتی ہے اور پھر کہان سے کہان پہونچاتی ہے تو سچ یہ ہے کہ ہمین اپنی خوشیان اور اپنے غم دونون بے حقیقت اور بے اصل معلوم ہونے لگین۔ مولانا خواجہ زادہ ہی کو دیکھیے کہ اُن کے پدر بزرگوار ایک بہت بڑے سوداگر تھے۔ مال و دولت لونڈی غلام غرض کہ امارت کا کوئی سامان نہ تھا جو اس گھر مین موجود نہ ہو۔ جس مین مولنا خواجہ زادہ پیدا ہوے اور کھیل کود کر سن رُشد کو پہونچے۔ یوسف ابن صالح جن کو مولانا ے ممدوح کے ایسے بیٹے پر فخر کرنے کا موقع ملا۔ انھین خدا نے اور بھی اولادین دین تھین۔ سب لڑکے امیری کے ٹھاٹھ سے رہا کرتے تھے اور کوئی نہ تھا جس کی وضع لباس۔ حرکات و سکنات سے بوے امارت نہ آتی ہو۔ لیکن اُس آبائی سامان امارت مین سے مولیٰ خواجہ زادہ کی قسمت کا بہت تھوڑا تھا۔ اُن دنون جبکہ یوسف ابن صالح کے سب بیٹے عیش و عشرت مین مشغول رہتے تھے مولیٰ خواجہ زادہ کو ایک بہت ہی قلیل رقم یعنی ایک درہم روزانہ تمام مصارف کے لیے ملا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی

کہ اور بھائی اپنے باپ کے مذاق پر تھے۔ اغراض تجارت مین اپنے بڈھے باپ کی مدد کرتے تھے۔ بخلاف خواجہ زادہ کے کہ یہ ہر وقت مشاغل علمی مین مشغول رہا کرتے تھے۔ سچ یہ ہے کہ علم و فضل کی اگرچہ ہر شخص کی زبان سے تعریفیں سنی جاتی ہے۔ مگر اکثر اہل حرفہ اپنے حق مین اسے ایک قسم کی مصیبت ہی خیال کرتے ہین۔

مولی خواجہ زادہ کے باپ نے پہلے انھین پڑھنے لکھنے سے بہت روکا مگر ایک سچا اور کوئی نتیجہ دکھانے والا شوق کسی کی زبردستیون سے دل کو نہین چھوڑ سکتا۔ انھین اختلافات کا یہ نتیجہ ہوا کہ مولی خواجہ زادہ کے باپ اُن سے ہمیشہ ناراض رہا کرتے تھے۔

انھین دنون کا ذکر ہے ایک مرتبہ یوسف ابن صالح شیخ شمس الدین بخاری قدس سرہ کی خدمت مین حاضر ہوے۔ جو اس عصر کے ایک بہت بڑے ولی اللہ اور صاحب کشف و کرامت مشہور تھے۔ شیخ شمس الدین ممدوح نے اس بات کو حیرت سے دیکھا کہ یوسف ابن صالح کے اور لڑکے جو سب کے سب اس صحبت مین موجود تھے۔ سب لباس فاخرہ پہنے شان و شوکت کے ساتھ مرتبہ اور عزت کے مقامون پر بیٹھے ہین۔ مگر انھین کے ایک بھائی خواجہ زادہ نہایت ہی شکستہ حال ہین۔ کپڑے پھٹے ہوے ہین۔ اور اس مقام پہ بیٹھے ہوے ہین جہان لوگ جوتیان اُتارا کرتے ہین۔ اور سب کی خدمت کے لیے بہت سے غلام دست بستہ کھڑے ہین۔ مگر ان کو کوئی پوچھتا بھی نہین۔ شیخ ممدوح یوسف ابن صالح کیطرف متوجہ ہوے اور اُن سب لڑکون کی طرف جو مرغ زرین بنے ہوے تھے اشارہ کرکے پوچھا یہ کون ہین۔ یوسف نے بتایا کہ سب میرے بیٹے ہین۔ پھر شیخ ممدوح نے خواجہ زادہ کیطرف اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کون ہین۔ جواب دیا۔ یہ بھی میرا لڑکا ہے۔ شیخ نے متحیر ہو کے دریافت کیا کہ اس کی شکستہ حالی کا کیا سبب ہے۔ کہا چونکہ اس نے میرا طریقہ چھوڑ دیا لہذا مین نے بھی اسے اپنی نظر سے گرا دیا۔ یہ سُن کے شیخ نے یوسف کو بہت کچھ سمجھایا کہ اس ظلم سے باز آؤ اور یہ ہرگز نہین مناسب ہے کہ ایک لائق بیٹے کے ساتھ ایسی بے پروائی کا سلوک کیا جاے۔ مگر ان نصیحتون نے ناقدرشناس باپ کے

دل پہ کچھ اثر نہ کیا۔ خیر جب سب اُٹھ کے چلے اور صحبت برخاست ہوئی تو شیخ شمس الدین نے خواجہ زادہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا اس شکستہ حالی کے خیال سے تم اپنا دل نہ تھوڑا کرنا۔ ٹھیک طریقہ وہی ہے جس پہ تم چل رہے ہو۔ اور خدا نے چاہا تو کبھی تمھارا مرتبہ بہت بڑا ہوگا۔ اور تمھارے یہ سب بھائی تمھارے سامنے اسی طرح دست بستہ کھڑے ہوں گے۔ جس طرح اس وقت ان کے سامنے ان کے نوکر چاکر اور غلام کھڑے ہوتے تھے۔

مولانا ممدوح کے دل کو ان باتوں سے اگرچہ بہت تقویت ہوئی مگر فلاس اور شکستہ حالی کی آخر کچھ انتہا بھی۔ سوا ایک کرتہ کے دوسرا کرتہ نہ تھا اتنا بھی نہ نصیب تھا کہ پڑھنے کے لیے کتابیں مول لیتے جس کتاب کو پڑھنا ہوتا تھا اُسے پھٹے پُرانے اوراق پر اپنے ہاتھ سے لکھتے جاتے تھے۔ بہرحال جس طرح بنا علم سے منہ نہ پھیرا جب تھوڑی بہت کتابیں نکل گئیں تو مولانا ابن تلوغ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شہر اغراس کے مدرسہ میں رہ کے ان سے اصول فقہ اصول حدیث۔ اور معانی بیان کو حاصل کیا۔ اس کے بعد اُن کی صحبت کو چھوڑ کے مولانا خضر بیگ ابن جلال کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اُن دنوں شہر بروسہ کے مدرسہ سلطانیہ میں مدرس تھے۔ مدرسہ سلطانیہ میں پڑھتے پڑھتے اس درجہ کو پہونچ گئے کہ استاد کی جگہ پر بحیثیت نائب کے طلبا کو درس دیا کرتے تھے۔

الغرض ابھی عین شباب ہی تھا۔ اور علم و فضل میں وہ نہایت ہی ناموری حاصل کر چکے تھے۔ اُستاد خضر بیگ ان کی بہت کچھ قدر و منزلت کرتے تھے۔ اور اکثر اپنے طلبا سے فرمایا کرتے تھے کہ انھیں جب کبھی کسی مسئلہ میں مشکل پیش آئے تو اُسے عقل سلیم کے سامنے پیش کرو۔ عقل سلیم سے ان کی مراد مولانا خواجہ زادہ سے تھی۔ چندروز بعد مولانا خضر بیگ نے انھیں سلطان مراد خان کی خدمت میں بھیجدیا۔ اور لکھ بھیجا کہ اُنھیں درس دینے کی کامل صلاحیت ہے۔ سلطان نے اس درخواست کو قبول کیا۔ مگر وہ ان دنوں ایک سفر پہ آمادہ تھا لہذا ایک فوری قدر دانی کے جوش میں

انھین گسترل کا قاضی مقرر کر کے چلا گیا۔ لیکن جب اس سفر سے واپس آیا تو اس نے انھین شہر بروسہ کے مدرسہ آسدیہ کا مدرس مقرر کیا۔ اور بیس درہم روزانہ تنخواہ مقرر کر دی۔ مولنا ممدوح برابر چھ برس تک اسی خدمت مین مشغول رہے اکثر فقر و فاقہ سے گذرتی تھی یہان تک کہ اپنے گھر کے تمام کار و بار خود آپ ہی کرتے تھے۔ اس زمانے مین پوری شرح مواقف زبانی یاد کر لی۔ آخر زمانہ نے اپنا ورق الٹا۔ سلطان مراد خاک مین سونپا گیا۔ اور اس کی جگہ فاتح اعظم سلطان محمد خان سریر آرائے مملکت عثمانیہ ہوا۔ سلطان محمد خان ثانی کو علم و فضل کے مشاغل سے بہت ذوق تھا۔ اور بمقابلہ اپنے اسلاف کے وہ اہل علم کی بہت زیادہ قدر و منزلت کرتا تھا۔ اسکی یہ توجہ دیکھتے ہی علما کی مردہ امیدین جی اٹھین اور ہر طرف سے بڑے بڑے سفر کر کے اس کے پاس آنے لگے۔ ان دنون مولانا خواجہ زادہ نے بھی اس کے پاس جانے کا قصد کیا۔ لیکن افلاس نے پاؤن مین زنجیرین ڈالدین اور تمام امیدین دل کی دل ہی مین رہ گئین۔ خواجہ زادہ کے پاس اُس زمانہ مین ایک تمر کی شخص نوکر تھا۔ لیکن باوجود ان کے پاس نوکر ہونے کے اخر مقام پر وہ مالدار تھا اس نے آٹھ سو درہم مولانا ممدوح کو قرض دیئے جس سے اُنھون نے ایک گھوڑا اپنے لیے اور ایک گھوڑا اپنے خادم کے لیے مول لیا۔ اور سلطان کے پاس جانے کی تیاریان کر دین۔ آخر ان کی محمد امیدین انھین قسطنطیہ تک لے گئین۔ اور یہ اس وقت پہونچے جبکہ سلطان قسطنطیہ سے اڈریانوپل جا رہا تھا۔ محمود پاشا وزیر اعظم کی نظر ان پر پڑی تو فوراً پہچان گیا اور کہنے لگا آپ خوب آئے۔ مین آپ کا ذکر سلطان سے کر چکا ہون۔ چلیے چلیے اس وقت وہان بحث چھڑی ہوئی ہے۔ جس وقت انھون نے سامنے جا کے سلطان کو سلام کیا اس نے محمود پاشا سے پوچھا یہ کون ہین اس نے ان کا نام بتایا۔ نام سُن کے سلطان نے مرحبا کہا۔ سلطان کے ایک جانب مولنا زیرک اور دوسری جانب مولنا سیدی علی تھے۔ اور ان دونون مین کسی مسئلہ مین بحث ہو رہی تھی خواجہ زادہ نے سیدی علی کی

طرف داری کی اور مولٰنا زیرک پر اعتراض کیا۔ اب ان دونون مین ردو قدح شروع ہو گیا
سیدی علی اٹھ کے چلے گئے اور صرف خواجہ زادہ سلطان کے ایک پہلو پر رہ گئے۔ بحث
کسی طرح تمام ہونے کو نہین آتی تھی اور مولانا زیرک آخر مین کچھ ضد کی سی
باتین کرنے لگے تھے جن کا سلسلہ آخر خود سلطان محمد نے یہ کہہ کے ختم کرایا کہ آپ کی
باتین تو کچھ نہین ہین۔ الغرض مولانا زیرک بھی چلے گئے۔ اور صرف مولانا خواجہ
زادہ سلطان کے پاس رہ گئے۔ سلطان منزل اور فرودگاہ تک انھین سے باتین
کرتا رہا۔ منزل مقصود پر پہونچ کے سلطان نے مولی زیرک اور مولی سیدی علی
کے ساتھ تو بہت کچھ سلوک کیا مگر یہ بیچارے یونہین رہ گئے۔ اپنی اس بدقسمتی
پر انھین نہایت افسوس معلوم ہوا۔ خرچ کیطرف سے بہت تنگ حال ہو رہے
تھے۔ اور بسر اوقات کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ زیادہ خرابی یہ تھی کہ تنگ
حالی کے ساتھ بادشاہ کی اس عدم توجہی سے ان کی ذلت ہوئی جاتی تھی
حتی کہ ان کا وہ نوکر بھی جس سے انھون نے روپیہ قرض لیے تھے اب تمرد
ظاہر کرنے لگا۔ یہ کام کرنے کو کہتے تھے اور وہ اس کان سے سُن کے اس
کان سے اڑا دیا کرتا تھا۔ اور اُن سے بار بار کہتا تھا "ابجی تم خود نالائق ہو۔
اگر تم مین کوئی لیاقت ہوتی تو سلطان تمھاری قدر و منزلت نہ کرتا"۔ اسی زمانہ
مین دو چار روز بعد ایک دن خادم پڑ کے سو رہا اور خود مولٰنا ے ممدوح
گھوڑا ملنے لگے اور دل مین انتہا سے زیادہ ملول تھے کہ یکایک سلطان کے تین
ہرکارے یہ دریافت کرتے ہوے آئے کہ مولی خواجہ زادہ کس خیمہ مین ہین
جو لوگ ادھر ادھر ٹہل رہے تھے انھون نے بتا دیا کہ دیکھو وہ کھڑے گھوڑا
مل رہے ہین۔ ان ہرکارون کو خیال ہوا کہ شاید لوگ ان سے مذاق کرتے ہین
لہذا انھون نے ان کے قریب آ کے دریافت کیا "آپ ہی کا نام مولی خواجہ زادہ
ہے؟" انھون نے کہا "ہان مجھی کو کہتے ہین؟" وہ متحیر ہو کے پھر پوچھنے لگے
نہین سچ بتایئے آپ ہی ہین؟" انھون نے پھر کہا "ہان بھئی مین ہی ہون"۔ انھون
پھر کہا "آپ ہی نے مولی زیرک کو بحث علمی مین ساکت کر دیا تھا؟" انھون نے کہا "ہان ہان
صاحب مین ہون۔ کہتا جاتا ہون۔ مگر تمھین یقین ہی نہین آتا"

الغرض جب انھین یقین آگیا کہ خواجہ زادہ انھین کا نام ہے تو ان لوگون نے بڑھ کے ہاتھ چومے اور عرض کیا کہ "حضور سلطان نے آپ کو خاص اپنا استاد اور معلم بنایا"۔ مولانا ممدوح فرماتے ہین یہ سن کے مجھے شبہہ ہوا کہ شاید یہ لوگ مجھے بنا رہے ہین اور میرے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہین۔ ان لوگون نے اہتمام کر کے ایک نہایت شاندار خیمہ میرے لیے نصب کیا اور اُسکے برابر ہی گھوڑون کا ایک اصطبل قائم کیا اس کے علاوہ بہت سے غلام پرتکلف کپڑون کے عمدہ عمدہ جوڑے اور دس ہزار درہم لا کے میری نذر کیے۔ اس کے بعد انھین غلامون نے ایک گھوڑا چار جامہ کس کے تیار کیا اور مجھ سے کہنے لگے "اب آپ سلطان کے پاس تشریف لے چلیے"۔ یہ سب کچھ ہو گیا مگر ان کا وہ پرانا خدمتگار اب تک پڑا سو رہا تھا۔ مولی خواجہ زادہ اسکے قریب گئے اور جگایا۔ وہ نیند مین انگڑائی لے کے کہنے لگا "اوتھ ذرا سو لینے دو"۔ انھون نے پھر کہا "اُٹھو اور میرا حال تو دیکھو"۔ وہ بولا "سب حال دیکھ چکا ہون اس وقت سونے دو"۔ انھون نے زیادہ جھنجوڑا تو اٹھا اور اُن کی شان و شوکت دیکھتے ہی گھبرا کے پوچھنے لگا "یہ آپ کی حالت کیونکر بدل گئی"۔ انھون نے فرمایا "مین سلطان محمد خان کا استاد ہو گیا"۔ اتنا سنتے ہی خادم نے بڑھ کے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور رو رو کے ان گستاخیون سے معافی مانگنے لگا۔ مولی خواجہ زادہ نے اس کا قرض اسی وقت ادا کیا جو کہ مقدار آٹھ سو درہم کی تھی۔ اس سے فراغت کر کے وہ سلطان کی خدمت مین گئے سلطان نے عزالدین زنجانی کا متن ان سے پڑھا جو صرف مین ہے۔ مولانا ممدوح نے اس کی غرض سے متن مذکورہ پر ایک لاجواب شرح لکھی۔

مولی خواجہ زادہ کا زمانہ افلاس تمام ہو گیا۔ اور خدا نے ان کے گذشتہ صبر کے صلہ مین انھین سب سے بڑا دولتمند بنا دیا۔ اب ان کو سلطان سے ایسا تقرب اور ایسی خصوصیت تھی کہ دیگر مقربین سلطنت درکنار خود وزیر اعظم محمود پاشا ان سے حسد کرنے لگا۔ اگرچہ سلطان کے مزاج مین ان کو زیادہ دخل تھا۔ مگر اکثر فقرہ بازیون سے ایسا کام نکل جاتا ہے جس کے سامنے اور تمام اثر بیکار ہو جاتے ہین۔ وزیر نے ایک روز خلوت مین موقع پا کے سلطان سے

عرض کیا کہ مولنا خواجہ زادہ قضاے عسکر کا عہدہ چاہتے ہین، سلطان نے حیرت زدہ
ہوکے دریافت کیا "کیون - وہ میری صحبت سے کس لیے کنارہ کش ہوتے ہین؟"
وزیر نے کہا، "حضور اس کا حال مین نہین جانتا - لیکن وہ اس عہدے کو بیشک
چاہتے ہین" یون سلطان سے ان کے لیے یہ عہدہ منظور کرا کے خود خواجہ زادہ
سے کہا، "سلطان نے آپ کے واسطے قضاے عسکر کا عہدہ تجویز کیا ہے" مولنا
نے فرمایا، "نہین مین اس عہدے کو نہین پسند کرتا - اس پہ وزیر نے کہا "پھر
اب تو یون نہین ہو گیا" مجبوراً انھون نے اس حکم پہ عمل کیا - اور قضاے عسکر کا
عہدہ منظور کر لیا - قضاے عسکران دنون ایک بہت بڑا عہدہ تھا جو وزارت
کے بعد تھا - اور جو شخص اس عہدے پہ ہوتا تھا اس کی قدر و منزلت بہت زیادہ
ہوتی تھی - مولنا خواجہ زادہ جب قاضی عسکر معین ہوے ہین ان کے والد
ماجد زندہ تھے کسی نے ان سے جا کے اچانک کہہ دیا "تمھارا بیٹا قاضی عسکر
ہو گیا" ان کو یقین نہ آیا - لیکن جب انھین متواتر خبرین پہونچین تو وہ بروسہ
سے کوچ کر کے شہر (اڈریانوپل) کیطرف روانہ ہوے - تاکہ اپنے بیٹے سے
ملاقات کرین - یہ ملاقات بھی نئی قسم کی ہے اور عجیب و تغیرات عالم کی خبر دیتی
ہے - حضرت یعقوب جس طرح اپنے بیٹے یوسف سے ملے تھے اسی طرح مولانا
خواجہ زادہ کے والد نے اپنے بیٹے سے ملاقات کی - جب ان کے آنے کی خبر
پہونچی تو مولانا مع خدم و حشم کے استقبال کو نکلے - اور نہ کے تمام علما و فضلا اور
کل رؤسا و اُمرا مولنا کے ہمراہ رکاب تھے - ان کے والد نے ان کے جلوس
اور اس کی شان و شوکت کو دیکھا تو پوچھا "یہ کون ہے؟" لوگون نے کہا "اپنے
جناب آپ کے صاحبزادے ہین جو آپ کے استقبال کے لیے آئے ہین" حیرت زدہ
ہوکے بولے "اہا! میرا بیٹا اس درجہ کو پہونچ گیا کہ اس شان سے اس کی سواری
آئی ہے؟" لوگون نے کہا، "جی ہان" ادھر مولانا خواجہ زادہ نے جیسے ہی اپنے
والد کو دور سے دیکھا گھوڑے سے اتر پڑے ان لوگون کو اترتے دیکھ کر اُن
کے والد بھی اترے اور دوڑ کے بیٹے سے لپٹ گئے - دونون دیر تک لپٹے رہے
پھر اُن کے والد نے ندامت سے اپنی بے پروائیون اور گذشتہ بے توجہیون کی

معافی چاہی۔ مولانا نے فرمایا یہ سب نتیجہ اُن بے پروائی ہی کا ہے۔ اگر آپ مجھے بھی یاد رو پیہ پیسہ دیتے تو میں اس رتبہ کو ہرگز نہ پہونچتا۔

اس کے بعد مولانا نے سلطان سے اس امر کی اجازت لی کہ والد کو باریابی کی عزت دیجائے۔ سلطان نے منظور کیا۔ اور ان کے والد بہت سے تحفے اور ہدیے لے کے سلطان کے دربار میں گئے۔ خود سلطان کی دست بوسی کی عزت حاصل کی۔ اس کے چند روز بعد مولانائے ممدوح نے ایک بڑی بھاری دعوت باپ کی قدمبوسی کی خوشی میں کی۔ تمام علما اور اکابر سلطنت اس دعوت میں مدعو تھے۔ خود وہ مع اپنے والد کے صدر مقام پر بیٹھے اور تمام رؤسا آکے اپنے اپنے مقام پر ادب سے بیٹھ گئے۔ اس دعوت میں اتنے ایک اور اس پایہ کے رؤسا شریک تھے کہ مولانا کے بھائیوں کو جو اس موقع پر موجود تھے سوا خدمت کرنے کے کسی کے برابر بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ وہ خدمت کرتے تھے اور ادھر ادھر دوڑے دوڑے پھرتے تھے یہ دیکھ کے مولانا نے اپنے دل میں کہا کہ ولی اللہ شمس الدین نے اسی امر کی پیشین گوئی کی تھی۔

اس کے بعد سلطان محمد خان نے مولانا کو کسی مصلحت سے بروسہ کے مدرسہ سلطانیہ کا مدرس مقرر کیا اور پچاس درہم یومیہ تنخواہ مقرر کر دی اگرچہ ظاہر میں یہ ایک قسم کا تنزل تھا۔ لیکن چونکہ ان کے مذاق کا کام تھا لہذا اس کو وہ خود سلطان کی مدرسی اور قضاے عسکر دونوں خدمات سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اگرچہ پہلی خدمات کے زمانے میں پورے ایک لاکھ درہم تنخواہ تھی۔ اور بمقابلہ اُس کے اب بہت ہی کم ملتا تھا۔ لیکن علمی ذوق اس پچھلی حالت کو ترجیح دیتا تھا۔

اسکے بعد سلطان محمد خان نے انھیں مولانا زیرک سے بحث کرنے کا حکم دیا۔ مولانا زیرک کا نام محمد تھا۔ اور اس عہد کے بڑے عابد و زاہد تھے۔ ان کے اوقات تہذیب و تصنیف میں جس قدر صرف ہوتے تھے اس قدر کسی کام میں نہیں صرف ہوتے تھے۔ سلطان محمد خان نے قسطنطنیہ فتح کر کے اس میں جو مدارس قرار دیے تھے اُن میں سے ایک مدرسہ میں وہ درس دیتے تھے۔

بغداد کی بنا

عربی مورخین نے اس قدیم پا جبروت دار الخلافت اسلام کی نسبت جو کچھ لکھا ہے اس کا حال وقتاً فوقتاً اکثر لوگون کو معلوم ہوتا رہا۔ عموماً لوگ جانتے ہین کہ یہ شہر کس ضرورت سے اور کیونکر آباد کیا گیا۔ دلگداز مین ہم نے بارہا لکھا اور بتا دیا کہ جو مقام اس شہر کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ اسکی اصلیت کیا تھی۔ لیکن فی الحال لیوانٹ ہرلڈ مین اس شہر کے کچھ حالات لکھے گئے ہین چونکہ یہ خیالات کسی حد تک نئے ہین لہذا ہم ان کو دلچسپ سمجھ کر نذر ناظرین کرتے ہین۔

لیوانٹ ہرلڈ لکھتا ہے ایک شخص نے بغداد کے متعلق قسطنطنیہ کے اخبارات مین یہ جدید خیالات شائع کرائے ہین کہ جس مقام پہ دریاے دجلہ اور فرات ایک دھارا ہو کر بہے ہین وہان سنہ ۷۶۱ء مین ایک خوش سواد اور شاداب سرسبز خطۂ زمین تھا۔ یہ خطہ ایک ایسے متوسط مقام پہ واقع تھا کہ بصرہ کوفہ اور کئی اور غیر مفتوح شہرون کی حدین یہین پہ آکے ملتی تھین۔ اس عہد سے بہت پیشتر کا ذکر ہے کہ یہ خوشنما خطۂ زمین کسی تاجدار نے اپنی نازنین ملکہ کو دے دیا تھا۔ وہ نازنین چونکہ بغ نام ایک دیوتا کی پرستش کرتی تھی لہذا اُس نے اپنے حسن عقیدت سے اُس دیوتا کے لیے ایک شوالہ اس خطہ پر ایک مناسب مقام تجویز کر کے تعمیر کرایا۔ انقلاب زمانہ نے چندروز بعد اس عبادت کدہ کو ایک بادیہ نشین اور عزلت گزین مسلمان درویش کی خانقاہ بنا دیا۔ جو دنیا کو چھوڑ کے وہین آکے بیٹھ رہا تھا۔ اور مسلمانون کے قافلے اس کی طرف آتے تھے کہ اس سے دعاے خیر کے طالب ہون اور اس کی صحبت سے برکت حاصل کرین۔ جو اسکی عظمت و تقدس کا اعتقاد اپنے ساتھ لے جاکے دنیا کے دور و دراز مقامات مین پھیلاتے تھے۔

انھین دنون اتفاقاً خاندان عباس کے دوسرے خلیفہ منصور نے ایک سفر کیا اور اثناے سفر مین اس کا گذر اس جانب ہوا۔ وہ خود تو اپنی پولٹیکل

ضرور تون مین پھنسا رہا مگر اس کے ہمراہیان رکاب مین سے ایک سردار نے جو اس درویش کا شہرہ سن چکا تھا بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس مسند فقر کے بادشاہ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ مقدس درویش نے اس کی طرف چندان توجہ نہ کی۔ مگر اس کے دل مین خدا نے کچھ ایسا ذوق پیدا کر دیا تھا کہ درویش کی لاپروائیون سے شکستہ دل نہ ہوا اور زیادہ انکسار اور عاجزی کے ساتھ اس کی خدمت مین مصروف ہو گیا۔ اس امیر نے چند روز تک اس درویش کی خدمت کی اور ایک عرصہ کے بعد جب اُس درویش کو اس کی طرف کچھ توجہ ہو چلی تھی ایک دن بہ سبیل تذکرہ اس نے دست بستہ اپنے مرشد کی خدمت مین عرض کی "ہمارے خلیفہ کا ارادہ ہے کہ ایک جدید شہر آباد کرین جو تمام ممالک محروسہ اور ساری دنیا کے اسلام کا مرکز اور مستقر خلافت قرار پاے۔ اگرچہ یہ ارادہ مستقل ہو گیا ہے مگر ہنوز کوئی جگہ اس شہر کے لیے نہین تجویز کی گئی" یہ سن کے وہ درویش آتش نشین بولا۔ "اگر کسی کو اگلی بشارتون اور پیشین گوئیون کا یقین ہو تو وہ یاد رکھے کہ یہ مقام جہان ہم بیٹھے ہین یہان پر کوئی بادشاہ جس کا نام مقلس ہو گا ایک شہر آباد کرے گا۔ اور یہ ایسا شہر ہوگا کہ دنیا بھر مین اس کی دھوم ہو جائے گی۔ مگر شاید ابھی وہ وقت نہین آیا۔ اس لیے کہ تمھارے بادشاہ کا یہ نام نہین۔ اس کا تو کچھ اور نام ہے"

چند روز بعد وہ امیر درویش کی خدمت سے کنارہ کش ہو کے اور اس سے رخصت ہو کے پھر حاضر دربار خلیفہ ہوا۔ اس نے خلیفہ سے وہ درویش کی پیشین گوئی اور نیز وہ کسی بادشاہ کا نام مقلس بیان کیا اتنا سننا تھا کہ خلیفہ منصور از خود رفتہ ہو کے زمین پر گر پڑا۔ پھر سنبھل کے نہایت ہی عجز و الحاح سے درگاہ جناب باری مین شکر گذار ہوا کہ یون الہامی طور پر اُسے تعمیر دار الخلافت کے لیے ایک مناسب مقام بتایا گیا۔ خلیفہ منصور کی یہ حالت دیکھ کے تمام اہل دربار سناٹے مین آ گئے۔ اور ہر ایک حیرت زدہ ہو کے بادشاہ کی صورت دیکھنے لگا۔ آخر سبھون نے دست بستہ عرض کی کہ "حضور ہی اس راز سربستہ کو ظاہر فرمائین کہ ہماری حیرت

واقع ہوئے۔" خلیفہ منصور نے کہا "ایک مرتبہ جب میں اور میرے بھائی جوان تھے میں کچھ ایسا تنگدست ہو گیا کہ میں نے عاجز آ کے اپنی انا کے کنگن چرا لیے۔ مگر چوری کہاں تک چھپی رہ سکتی تھی۔ آخر کسی طرح انا کو معلوم ہو گیا کہ اس کے کنگن میں نے چرائے تھے۔ ان دنوں خراسان میں مقلس نام ایک ڈاکو مشہور تھا۔ میری انا نے بنانے کے لیے میرا نام بھی وہی رکھ دیا۔ اور اس دن سے مجھے ہمیشہ مقلس ہی کہہ کے پکارتی تھی۔ اب اس زاہد گوشہ نشین کی زبان سے سن کے مجھے یقین آ گیا کہ وہ موعود مقلس بیشک میں ہی ہوں میرے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور اس ناموری کے کام کو سرانجام دینے کے لیے خدا نے مجھی کو منتخب کیا ہے۔"

بس اسی وقت سے منصور نے شہر بغداد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ تمام قلمرو سے ڈھونڈھوا کے دو لاکھ کاریگر جمع کیے۔ اور تمام مال و مصالحہ کا ڈھیر لگا دیا۔ یہ اس مستعدی ہی کا نتیجہ تھا کہ اتنا بڑا شہر صرف چار برس میں تیار ہو گیا۔ جو دنیا کے بہت بڑے بڑے دار السلطنتوں پر چشمک زنی کرتا تھا۔ منصور نے اس شہر کا نام مدینۃ السلام رکھا تھا۔ لیکن اس نام کی شہرت نہ ہوئی اور وہی قدیمی نام ہمیشہ باقی رہا۔ جس کے معنی ہیں بغ دیوتا کی نذر۔

سادہ لوحی ایشیائی رؤسا کی اعلیٰ صفت ہے

یورپ کا ایک فرمانروا اور امیر اپنے وقت کا فیلسوف تھا اور پولٹیکل شاطر عالم و فاضل۔ ریاست اور حکمرانی کے جذبات و معاملات پر محیط ہے۔ ایک ہمارے ایشیائی رؤسا اور نوابان نامدار ہیں کہ جس قدر بڑی ریاست کے مالک ہوں گے اسی قدر سادہ لوحیوں کے پردے اور حماقتوں کے دلربا ہوں گے ریاستوں کی عام رعایا اور رئیسوں کے ملازموں میں یہ خیال پھیلا ہوا ہے کہ ہم

اور مہاراجہ تو بالکل دیوتا اور فرشتہ خصلت اور مورکھ (نادان) ہین اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ بالکل بیوقوف گدھے۔ الّو کی دم فاختہ ہوتے ہین۔ یعنی ان کو عیار اور خودغرض اہلکار وغیرہ خوب لوٹتے کھسوٹتے اور الٹے استرے سے خوب مونڈتے ہین۔ بعض کا مقولہ ہے کہ شہزادے اور رؤسازادے تو یہ بھی نہین جانتے کہ گیہون کا درخت کتنا بڑا ہوتا ہے اور اس کے سایہ مین کتنے آدمی اور گھوڑے بسیرا لے سکتے ہین۔ اور ہمارے مہاراج تو ایسے بھولے بھالے اور سیدھے سادے ہین کہ ان کو یہ بھی یاد نہین رہتا کہ شب کو کیا کھایا تھا۔ صبح کو نبض دیکھ کر حکیم صاحب ہی بتائین تو بتائین کہ معدے مین امتلا کا یہ باعث ہو کہ حضور معلی شام کے وقت نیا اناج سمجھ کر کچی سے ادھ کچرے بھلبھلائے بھٹے ڈکار گئے اور اوپر سے چورن کی چٹکی بھی نہ پھانکی۔

خیال کرنا چاہیے کہ وہ لوگ جن کے ہاتھون مین ہزارون اور لاکھون رعایا کی گردنین ہین جب ایسے نادان اور سادہ لوح اور سفاہت اور حماقت کے پتلے ہون گے تو انصاف کیونکر ہوگا۔ عیار اہلکار اور مشیر جو چاہین گے کرین گے رعایا اور راج دونون کو لوٹ لوٹ کر کھائین گے۔ تعلیم اور تربیت تو پہلے ہی سے نہین۔ اجی خدا کا دیا ملک و دولت سب کچھ موجود ہی ہمارے مہاراجہ اور نواب صاحب کیا علم اور دیا لیکر مولوی اور پنڈت بنین گے۔ لکھنا پڑھنا تو نوکری چاکری کے لیے ہوتا ہے ہمارے مہاراج کے خود ہزارون نوکر چاکر ہین۔

جب سادہ لوحی اور حماقت رؤسا اور نوابون کی اصلی صفت ہی۔ تو اب عقلمندی۔ دانائی۔ علم و فضل کیا اپنا سر لیوارون سے پھوڑے اور یہ کن لوگون کی صفت ہونی چاہیے رؤسا کا مرتبہ انسانون مین ایسا ہی جیسا انسانی جسم مین سر اور دماغ۔ لیکن رؤسا اور امرا کو یہ فضیلت کیا صرف اس لیے ہونی چاہیے کہ وہ ایک کٹھ پتلی کیطرح تخت پر بٹھا دیے گئے ہین اور جس طرح بت پرست اپنے بتون کی تعظیم کرتے ہین اسی طرح رعایا اپنے حاکم کی تعظیم کرے

گو وہ خوب جانتے ہین کہ یہ بت اپنے اوپر سے مکھی تک نہین اُڑا سکتا نہ ہمکو کوئی نفع یا ضرر پہونچا سکتا ہے۔ اور در حقیقت لاکھون آدمی اپنے راجہ مہاراجہ کو اوتار اور دیوتا سمجھتے ہین اور جب کبھی مہاراج کی سواری نکلتی ہے تو ان کو رام جی کا گھوڑا (نیلکنٹھ) سمجھ کر ڈنڈوت کرتے ہین۔ ان کے سامنے دور سے ماتھا ٹیکتے ہین۔ اپنے مہاراج کی اطاعت کرنا بیشک ہنود کا مذہبی خیال ہے۔ خواہ ان پر کیسا ہی ظلم ہو مگر وہ اپنے مہاراجہ کے مقابلے مین دوسرے شخص حاکم ہونا ہرگز گوارہ نہ کرین گے وہ کبھی نہ چاہین گے کہ حکومت اس دیوتا کے ہاتھ سے چھن جاے۔ ان کا مذہبی خیال ہے کہ لاکھون آدمیون پر ایک شخص کا حکومت کرنا کسی طرح قرین قیاس نہین جبتک اس پر نارائن اور بھگوان کا ہاتھ نہو۔ بس ضرور نرنکار جوتی سروپ نے ہمارے اوتار (مہاراجہ) مین اتار کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دو سارے کہین بڑھ کر ان کی رعایا سادہ لوح اور احمق ہے ورنہ فرمانروائی محال ہو جاے۔ وہ بجز مذکورہ بالا مذہبی خیال کے مطلق نہین سمجھتے کہ حکومت کے حقوق کیا ہین اور رعایا کے حقوق کیا۔

یورپ کی دنیا عقلمند ہو گئی۔ اس نے اپنے اور گورنمنٹون کے حقوق کو پہچانا کیا طاقت ہے کہ یورپ کی کوئی گورنمنٹ اپنی رعایا کے جائز اور مسلم حقوق مین مداخلت یا ان کی مجوزہ آزادی مین مزاحمت کر سکے ورنہ گورنمنٹ ہی نہ ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ شخصی سلطنتین ٹوٹین اور جمہوری سلطنتون سے مبدل ہو گئی ہین ریپبلکن فرانس ریپبلکن امریکا مین کوئی بادشاہ نہین صرف براے نام ایک چیرمین یا پریسیڈنٹ ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے مجالس شوریٰ کی کارروائی پوری ہو سکے۔ ان ممالک مین اگر کوئی چیرمین فی الحقیقت ایسا ہی ہو جیسے ہمارے راجہ مہاراجہ نواب وغیرہ ہین تو کچھ مضائقہ نہین کیونکہ تمام سوسائٹی مہذب ہے اور ایک ایک ممبر پولیٹیکل معاملات اور اُن کے حل و عقد مین آفت کا ربلا کا ٹکڑا ہے ان کے مقابلہ مین بیچارہ چیرمین کیا کر سکتا ہے۔

ہمارے روساء کو کچھ تو ناتربیت یافتگی نے چرلیا۔ اور اگر کچھ رہی سہی تمیز اور عقل تھی بھی تو عیاشی کی نذر ہوئی۔ بعض کو نافہم کے انٹے سنٹے نے چت کیا اور بعض کو خراب خانہ خراب نے۔ غور سے دیکھیے تو ایشیائی روسا کی حکمرانی کا ماحصل اور نتیجہ بجز عیش پرستی اور شہوت رانی کے کچھ بھی نہین۔ اور قاعدہ ہے کہ جب رئیس کی یہ حالت ہو گی تو وہ اپنے اہلکارون اور مشیرون سے ضرور دبے گا۔ اور جو کچھ وہ کہین گے کان دبا کے ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اہلکار ہی شراب خواری اور عیاشی کے لیے راتب دیتے ہین۔ اگر مہاراج ذرا بھی چین چیر کرین گے تو خاردار لگام باچھون مین دیدی جائے گی۔ ہرجن کا تو بڑا منہ پہ چڑھا دیا جائے گا۔ راتب بند ہو گا۔ پھر تو مہاراجہ صاحب گھانس دانہ کے لیے ملاتے پھرین گے اور اگر کوئی رئیس یا امیرزادہ کسی کی دیکھا دیکھی یا اپنے نفع نقصان کے خیال سے حساب وکتاب وغیرہ معاملات کی دیکھ بھال۔ جانچ پڑتال اور ان مین کتربیونت اور چھانٹ چھونٹ کرنے لگا۔ پھر تو وہ غل غپاڑہ ہے کہ توباہ۔ صاحب اتنو نوابصاحب کھی کی مشکین باندھنے لگے۔ تلون سے تیل نکالنے لگے۔ کوسلون پہ مہر کرنے لگے۔ وغیرہ۔ الغرض خود غرضون سے کسی طرح پناہ نہین۔

زندگی کے چند قابل عمل اصول

ناکامی کا رونا۔ آپ اس شخص کے متعلق کیا راے قائم کرین گے جو وکیل تو بننے کا خواہشمند ہے مگر اپنا بہت سا وقت طبیبون کی صحبت مین گذارتا ہے اور ہر وقت طبی کتابون کے مطالعہ مین مصروف رہتا ہے۔ کیا وہ ایسا کر کے کبھی بھی ایک اعلیٰ درجہ کا وکیل بن سکتا ہے؟ کبھی نہین! اس کو تو ہر وقت یہ چاہیے کہ قانونی ماحول مین وقت گذارے اور جہان بھی قانونی واقفیت کے حصول کا امکان ہو وہان جائے اور اس خیال سے اسوقت تک لپٹا رہے جب تک کہ اس کو قانون کی حقیقت سے پورا واقفیت نہ ہو جائے اور اس خیال سے وہ قانونی جسم مین اس طرح پیوست ہو جائے کہ قانونی خون اسکی رگون رگ مین دوڑنے لگے۔

اس شخص کو کامیابی حاصل کرنیکے لیے ایک بہت ہی بڑی مدت درکار ہے جس نے کامیابی کے

ماحول نے اپنا تسلط جمالیا ہے جو اپنے آپ کو نہایت حقیر اور ناچیز سمجھتا ہے جس کی زبان پر ہمیشہ ناکامیابی کا ورد رہتا ہے جس کے دماغ میں ناکامی سمائی ہوئی ہے جو اپنی راہ میں لاانتہا مشکلات کا شاکی ہے۔ اور جس کا ہر قدم ناکامی کی طرف ہی اٹھتا ہے۔ ذرا سوچیے کہ ایسے آدمی کو منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے کتنا زمانہ درکار ہوگا؟ کیا کوئی شخص ایسے آدمی پر یقین یا ایسے شخص کی کامیابی کی توقع کر سکتا ہے۔ بہت سے ناکامیاب اشخاص کے تنزل کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ اور ...... اپنی ذات کے متعلق ان کے دل میں شبہات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں جب ان کو اپنی قوت بازو پر بھروسہ نہ رہے اس وقت سمجھ لیجیے کہ انھوں نے اپنے دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دیے جب کبھی آپ اپنی کم تجربہ کاری اور لیاقت کی کمی کا اعتراف کرتے ہیں تو اپنی قوت اعتماد کو ضعیف کرتے ہیں اور ایسا کرنا در اصل تمام کامیابیوں کی جڑ پر کلہاڑی مارنے کے برابر ہے۔

پست ہمتی کے خیالات۔ جب تک آپ ناکامی کی فضا میں رہیں گے اور شکوک اور پست ہمتی کے خیالات آپ کے دماغ میں چکر لگاتے رہیں گے اس وقت تک کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ ناکامی کے تمام خیالات کو اپنے دل سے محو کر دیجیے قوی دل اور سخت کوشش کے ساتھ منزل مقصود کی طرف قدم اٹھائیے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو بہت جلد حالات بدل جائیں گے لیکن اس نئی دنیا میں پہنچنے سے قبل اس کا تخیل ضروری ہے جو شے آپ کے تخیل میں ہوگی جس شے پر آپ کا عقیدہ جم جائیگا۔ جس شے کے حاصل کرنے کے لیے آپ لگاتار کوشش کریں گے۔ آپ اسی کے قریب ہوتے چلے جائیں گے اپنی ذات پر بھروسہ کرو ہر نغمہ کا تار ہمیں ٹوٹتا ہے یعنی ہر کامیابی کی اصل اپنی ذات پر بھروسہ کرنا ہے مجھے ایسے بہت سے لوگوں کا حال معلوم ہے جو مہینوں ملازمت کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں اور انھیں ملازمت نہیں ملی اس کا سبب یہ ہے کہ جب کبھی وہ دفتر میں جاتے ہیں ان کی چال ڈھال سے ان کی ذاتی کمزوری اور اپنی ذات پر بھروسہ نہ کرنے کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ ان کا چہرہ ان کی وضع ان کی ناکامی کی پیشین گوئی کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سپاہی جنگ میں شریک ہونے سے قبل ہی اپنی شکست کا اعتراف کر لے ایسے شخص کا وجود ہی اس کے خلاف زندہ شہادت ہے۔

انسان میں کمزوری نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر ممکنات کا ہمیں اپنی ذات پر ذرا زیادہ اعتماد ہو تو ہم نسبتہً بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں اور اگر ہم اپنی عظمت کو سمجھ لیں تو ہمارے عقیدہ میں پختگی پیدا ہو سکتی ہے انسانی پستی کا قدیم خیال ہمارے راستہ میں اکثر حائل ہوتا ہے۔ خدا نے جس انسان کو بنایا ہے وہ کامل و مکمل ہے لیکن ہم میں سے اکثر وہ ہیں جو صرف انسان صورت ہیں مگر انسان نہیں۔ خدا کے

بنائے ہوئے انسان میں کوئی کمزوری نہیں ہے ہم میں جو کچھ بھی کمزوری ہے وہ خود ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

ہوورڈ کا ایک گریجویٹ جس کو بی۔اے پاس کیے کئی سال ہو گئے لکھتا ہے کہ اپنی ذات پر بھروسہ نہ رکھنے ہی کی وجہ سے میں ایک ہفتہ میں بارہ ڈالر سے زیادہ کبھی نہ کما سکا۔ ایسے لوگوں میں ذمہ داری کو قبول کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ان کی بزدلی اپنی ذات پر اعتماد کی قابلیت کو برباد کر دیتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر اپنی ذات پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنی قوت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ انسان کو خدا نے ایک فاتح کی طور پر اپنا سر اونچا کر کے چلنے کے لیے پیدا کیا تھا۔ ایک غلام کی طرح نہیں ہمیں کامیاب زندگی گذارنے کے لیے پیدا کیا تھا ناکام زندگی کے لیے نہیں خدا کے دیے ہوئے فطری حق کو منوانے کے لیے ہم پیدا کیے گئے تھے۔ اس لیے اپنے آپ کو حقیر سمجھنا جرم ہے۔

اعتماد علی النفس۔ اعتماد علی النفس انسان کی جملہ قوتوں میں ایک خاص نظم اور ترتیب پیدا کر دیتا ہے اور اس تمام مجموعی قوت کو ایک رسے کی طرح بٹا دیتا ہے۔ اس کے لیے یقین ضروری ہے اور اس کی وجہ سے لوگ ہم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ شائد کوئی ایسی مہم ہو جو اس کی عجیب و غریب قوت سے سر نہ ہو گئی ہو ایجاد و اختراعات۔ صنعت و حرفت اور انکشافات میں جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ ان میں سے اسی سحر آمیز قوت کی کار فرمائیاں نظر آتی ہیں ذرا سوچئے تو سہی کہ تہذیب کے سر پر اس کے موجدوں انکشافات کرنے والوں ریل کی تعمیر کرنے والوں کانوں کو ترقی دینے اور شہروں کو آباد کرنے والوں کے زبردست اعتماد کا کس قدر احسان ہے اسی نے علم اور فن جنگ میں ایسی ہزارہا قیمتیں حاصل کی ہیں جن کو بعض کمزور دل شکی لوگوں نے ناممکن خیال کر رکھا تھا۔

اعلیٰ خیالات۔ اگر آپ اعلیٰ مدارج کے حصول کی خواہش رکھتے ہیں تو آپ کو ہمیشہ اپنے دماغ میں اونچے ہی خیالات رکھنے چاہییں۔ اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ آپ اسی حد تک کامیابی حاصل کر سکیں گے جس حد تک آپ کو اپنی ذات پر بھروسہ ہو گا۔ اگر آپ کے دل میں اپنی ذات کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے تو آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ کامیابی کے خیالات ہی آپ کے کام



جادو کی تعریف ہم نے کتابون مین بہت دیکھی اور زبانی بھی اسکی تاثیر کی کیفیت سنا کیے مگر آج تک سمجھ مین نہین آیا تھا کہ وہ کیا چیز ہی اور اُسکو خدا نے اتنی قدرت کیون دی ہی کہ جس کو چاہے تسخیر کرے۔ ہماری الجھن ہمارے خیال کے ساتھ بڑھتی جاتی تھی اور اس گرہ کے کھلنے کی آرزو نے دل پہ قبضہ کر لیا تھا۔ ہم نہین کہہ سکتے کہ ہمارے الجھے خیالات نے کہان تک پاؤن پھیلاے۔ اور ذہن کی خطا سے کیا کیا صورتین پیش آئین اور اُن صورتون سے کونسی باتین پیدا ہوئین۔ یا اللہ اگر جادو صحیح ہی تو اس کو دنیا مین ضرور ہونا چاہیے کیا اس کے رہنے کا کوئی اور عالم ہے؟ کیا اس کا اثر کسی خاص زمانے مین تھا اور اب وہان معشوق کیطرح عنقا ہوگیا؟ نہین نہین اگر ایسا ہوتا تو بنگالے کا جادو کیون مشہور ہوتا جسے اس وقت سب مانے ہوے ہین کہ وہان کا جادو تیر بے خطا ہی کیا وہ دنیا سے باہر ہی؟ وہ اسی ملک اسی سرزمین کے ایک حصے پہ واقع ہی۔ ہم نہ سہی ہمارے بہت سے بھائی بنگالے ہو بھی آئے اور بنگالے کے کتنے رہنے والے ہم سے مل چکے ان سے برسون یکجائی بھی رہی مگر یہ بھید اور معما کسی کے بند قبا کی طرح نہ کھلنا تھا نہ کھلا!

مایوسی ہماری پُرجوش آرزو مٹانے کو تھی اور شوق کی دہکتی ہوئی آگ سرد ہو چلی تھی کہ دفعتًا ایک خیالی تصویر سامنے آگئی۔ کیا ہم کہہ سکتے ہین کہ وہ کسی کی تصویر تھی یا کیا چیز تھی۔ اس کی خوشنما وضع نے ہمارے دل پہ قبضہ کیا۔ خدا جانے اس مین کونسی بات ایسی دلچسپ تھی کہ جس نے ہمارے منتشر خیالات کو جمع کرکے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کا عالم فریب نقشہ آنکھون کی سیر کرنے لگا۔ نگاہین دوڑ کر لپٹ گئین۔ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ نہ ہو یہی جادو ہے۔ یہ تاثیر تو اسی کے حصے مین آیا ہی کون کہہ سکتا ہی کہ اسوقت سے

زیادہ خوشی اور کبھی ہم کو ہوئی ہو گی۔ دفعتاً آنکھ کھل گئی دل جو اس سے پہلے توہمات کی تاریکیون مین گھرا ہوا تھا روشن ہو گیا۔ بس معلوم ہو گیا کہ گویا ابر چھٹ گیا اور دن نکل آیا حیرت و استعجاب نے دماغ کو خیرباد کہا اور ہم وہ چیز پا گئے جسکی ہم کو تلاش تھی۔

کیا معزز ناظرین ابھی تک نہین سمجھے کہ وہ تصویر کیا تھی۔ جو جادو کے بھیس مین جلوہ گر ہوئی۔ لیجیے ہم آپ ہی بتائے دیتے ہین نہ وہ تصویر تھی نہ سحر کا پتلا تھا۔ فقط اخلاق کی ایک جھلک تھی جس نے ہمکو یقین دلا دیا کہ جادو اسی سے عبارت ہے اور جادو بھی کون؟ چلتا ہوا جو بات کرتے غیر کو اپنا دشمن کو دوست۔ مخالف کو موافق منحرف کو مطیع۔ بیگانے کو آشنا بنا لیا کرتا ہے۔ کیا اخلاق تسخیر کی کمند ہے جس کا ہر حلقہ دل کو شکار کرتا ہے۔ بلکہ ایک پریجمال محبوب ہے جو اپنے ملائک فریب حسن کے ذریعہ سے کسی کو لبھانے اور اپنی طرف کھینچ لینے مین وہی اثر رکھتا ہے جو لوہے کے جذب کرنے مین مقناطیس کو حاصل ہے۔

جن لوگون کو کیمیا کی تلاش ہے وہ دوڑین اور اخلاق کو عمل مین لائین اور دیکھین کہ یہ نسخہ کیسا سریع التاثیر ہے اور کیا کیا کام دیتا ہے۔

ہاے مجھے وہ زمانہ خوب یاد ہے جب مین نے اپنے آپ کو ایک شخص غیر کے حوالے کردیا تھا اسوقت میری زندگی معرض ہلاکت مین تھی۔ مین بہک کر کسی کافر کا کلمہ پڑھنے لگا تھا اور لوگ مجھے مسحور جاننے لگے تھے! کیا مین سمجھ نہین سکتا تھا کہ یہ برتاؤ میرے لیے برا نتیجہ پیدا کریگا۔ مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ مین اپنی غلطیون کا اقرار بھی کرتا تھا اور پھر اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤن مین کلھاڑی مارنے کو تیار تھا آخر وہ کون تھا جس نے میرے پاؤن ایک دائرے کے اندر جکڑ دیے تھے کہ مین نہ اسکے باہر نکلنا چاہتا تھا اور نہ نکل سکتا تھا! کس نے میرے دل کا قالب پھیر کر ایسے غیر مانوس خیال کو قائم کر دیا تھا کہ وہ داغ دل کی طرح مٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔ وہ کیسا مضبوط طلسم تھا کہ مین لاکھ لاکھ زور کرتا تھا۔ اور وہ میرے توڑے ٹوٹتا نہ تھا نہ وہان عشق و محبت کو دخل تھا نہ یگانگی و قرابت سے سروکار تھا۔ سچ پوچھیے تو سارا کھیل اور ساری کارروائی اسی اخلاق کی تھی مین نہین کہہ سکتا کہ کسی کے یہ زور اخلاق نے کیسا اثر ڈال دیا تھا اور اس اثر مین کس قدر قوت تھی۔ ہاے کوئی منتر کوئی جادو کوئی کرامات کوئی اعجاز بھی تو ایسا

نہوگا۔ اے اخلاق کے بنانے والے تو نے اپنی عنایت سے ہمکو ایک بڑی نعمت عطا کی ہے جس کی لذت نے ہمکو ہمارے دل ہماری روح کو اپنا ممنون بنا لیا ہے۔ اگر یہ صفت ہم مین فی نفسہ موجود ہے تو اس پر ہم کو ناز کرنا نازیبا نہوگا۔ یہ صفت ہم کو بہت سے صفات حمیدہ کا منبع بنا سکتی ہے۔ ہم کو اس کی قدر ضرور کرنا چاہیے۔ اور نہ کرین تو اس سے زیادہ کفران نعمت کیا ہے۔ وہ پاکیزہ جوہر یہی ہے کہ جس کے شرف سے آدمی اشرف المخلوقات کا مصداق بنتا ہے۔ اس لطیف جوہر کی قدر وہی جان سکتا ہے جس کو اس کی قیمت سے کچھ حصہ حاصل ہو چکا ہے۔ جس آدمی کو اخلاق کا حصہ نہین ملا اُس کی مثال بعینہ اس پھول کی سی ہے جس مین نہ رنگ کا لطف ہو نہ خوشبو کا مزہ! ایسے پھول کیطرف کسی کو التفات نہین ہوتا۔ اور نہ کوئی اس کے توڑنے کو ہاتھ بڑھاتا ہے نہ اسے لینے کو دامن پھیلاتا ہے۔ وہ پھول بے قدری کی نگاہون سے دیکھا جاتا ہے اور ننگ چمن سمجھا جاتا ہے گلچین کے دامن تک بھی اس کی رسائی نہین ہوتی۔ وہ یونہین اپنی بے رنگی اور بدقسمتی کی غیرت سے سوکھ کر نذر صرصر خزان ہو جاتا ہے۔

بخلاف اسکے اخلاق والون کی مثال ہے۔ یہ دنیا مین ایک تروتازہ خوشرنگ پھول ہین۔ سارے باغ کی بہار انھین پھولون کے دم سے ہے ان کی دلآویز خوشبو تمام دنیا والون کے دماغ کو عطر سے بساتی رہتی ہے اور گلچین زمانہ کے دامن مین ان سے زیادہ دلکش اور کوئی پھول نہین ہوتا ان پھولون کے گرد دنیا والون کا ہجوم اسی طرح رہتا ہے جیسے کسی شیرین چشمے پر پیاسون کا جھرمٹ ہو۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ؎

ہر کجا چشمہ بود شیرین — مردم و مرغ و مور گرد آیند

اللہ کے پیارے بندے کیا خوش نصیب ہین جو اخلاق کے عمدہ لباس سے آراستہ ہین وہ اپنی خوشبو دنیا کے ہر گوشے مین پھیلا رہے ہین۔ ان کی نیک خوئی اُن کو نیکنامی کی مبارکباد دے رہی ہے۔ ان کی خیر اندیش دماغ اور اُن کی انصاف پسند دل مین یہ بات مضبوطی کے ساتھ قرار پا چکی ہے کہ ہر دلعزیز ہونے اور دوست دشمن کی نگاہ مین وقعت پانے کا ذریعہ اخلاق کے سوا اور کوئی نہین ہے۔ اُن کی ہزارون عیب اور اُن کی ہزارون برائیان ایک اخلاق کے دامن مین چھپی ہوئی ہین۔ جن کو کوئی دیکھ نہین سکتا اور دیکھتا ہے تو زبان پر نہین لا سکتا۔ کیونکہ اُن کی خوشخوئی کی لذت دشمنون کے لبون پر

مہر لگا دیتی ہے - اور وہ مہر جب ٹوٹتی ہے تعریف ہی کی آواز اس سے نکلتی ہے -

بہت سے بدنصیب بھی اس آسمان کے نیچے بستے ہین جن کو بدخلقی کے ہاتھون پالا پڑا ہے وہ اسی مین مست ہین اور اسی کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہین - اُن کو ذرا خبر نہین کہ ہماری کج خلقی ہمارے حق مین کیا بیں بو رہی ہے اور دنیا والون کے دلون پر کیسا اثر ڈال رہی ہے!

ان بدنصیبون سے لوگ اسی طرح بھاگتے ہین جیسے کوئی کالے سانپ سے - اُن کی بد اخلاقی کی باتین دلون مین بھو تیغ کرو ہی کام کرتی ہین جو تلوار کا کاری وار کرتی ہے - وہ نہین جانتے کہ ہماری کج خلقی نے کتنے دلون مین ناسور ڈال دیے ہین وہ نہین جانتے کہ جس کی ہم دل خراشی کرتے ہین وہ ا نہ جی پر ہم کو کیا کہتا ہوگا - سیدھی بات ان کے مُنہ سے نکلنے کو ترس گئی اچھے الفاظ کا ذائقہ کبھی اُن کی زبان کو نصیب نہ ہوا -

کیا وہ بھی اپنے دل سے سمجھتے ہون گے کہ ہم آدمی ہین؟ نہین آدمی تو وہ ہے جو آدمیت رکھتا ہو - اور آدمیت سے عبارت خوش خلقی اور نیک خوئی ہے - پس فیصلہ اسی پر ہے کہ جس مین اخلاق نہین اس مین آدمیت نہین اور جس مین آدمیت نہین وہ آدمی نہین ہے -

آدمی را آدمیت لازم است　　　عود را گر بو نباشد ہیزم است

مولی خواجہ زادہ

از جناب مولانا شرر مرحوم مغفور

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو دلگداز ماہ مئی سنہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۶۲

ایک مرتبہ سلطان محمد خان کی صحبت مین بیٹھے بیٹھے خدا جانے کیا دل مین آئی کہ دعویٰ کر بیٹھے مجھے علماً خواجہ زادہ پر ترجیح ہے۔ اول تو خواجہ زادہ کے علم کا بہت شہرہ تھا۔ ثانیاً خود بادشاہ کے استاد تھے۔ الغرض مولانا زیرک کا یہ دعویٰ سلطان کو ناگوار ہوا۔ اس وقت اس نے مولانا خواجہ زادہ کی طلبی کا حکم دیا۔ وہ آئے تو کہا "آپ مولانا زیرک سے کسی مسئلہ مین بحث کیجیے" برہان توحید پر مولانا خواجہ زادہ کو ایک اعتراض تھا۔ انھون نے وہی اعتراض لکھ کے مولانا زیرک کے پاس بھیجدیا۔ اور جواب طلب کیا۔ اس سوال و جواب کے بعد دونون سلطان کی خدمت مین حاضر ہوے اور دو بدو مباحثہ کی ٹھہری۔ مولانا خسرو حکم بدے گئے۔ اور وزیر محمود پاشا درمیان مین کھڑا ہوا تھا۔ پہلے مولانا خواجہ زادہ ہی نے زبان کھولی اور یون تقریر شروع کی "حضور سلطان اس کا لحاظ رکھین کہ کسی برہان سے انکار کر دینے سے یہ لازم نہین آتا کہ دعوے سے بھی انکار ہو (یعنی مین جو توحید کی دلیل پر اعتراض کرتا ہون تو کوئی یہ نہ خیال کرے کہ معاذ اللہ مجھے اصل توحید مین شک ہے) مین ڈرتا ہون کہ لوگ یہ نہ کہنے لگین کہ خواجہ زادہ نے توحید باری سے انکار کر دیا۔" اتنا کہہ کے اُنھون نے اپنے اعتراض کی تقریر بیان کی۔ مولانا زیرک نے جواب دیا۔ اور دونون مین بحث بڑھی۔ دن تمام ہو گیا۔ اور جھگڑا نہ تمام ہوا۔ دوسرے دن بھی یہی ہوا۔ یہان تک کہ سات دن تک بالتواتر سلطان کے سامنے بحث ہوتی رہی۔ بحث شروع ہونے کو جب چھ روز گذر گئے تو سلطان نے فرمایا کہ دونون صاحب اپنے حریف کی تحریر کو دکھائین۔ مولیٰ زیرک نے کہا میرے پاس تو کوئی نقل نہین ہے۔ لیکن مولانا خواجہ زادہ نے کہا میرے پاس ہے۔ یہ مین ان کو دیے دیتا ہون اور اپنے لیے اس کی نقل کیے لاتا ہون۔ وزیر محمود پاشا نے فوراً قلم دوات سامنے رکھ دیا۔ اور وہ لکھنے لگا۔ اس وقت سلطان نے ہنس کے مذاقاً کہا "مولانا زیرک کی تقریر غلط نہ لکھیے گا" یہ سن کے خواجہ زادہ بولے "حضور مین غلط بھی لکھون گا تو ان کی غلطی سے بڑھ کر نہ ہو گا" ساتوین روز ثابت ہو گیا کہ خواجہ زادہ کو مولانا زیرک پر غلبہ حاصل ہوا۔ سلطان محمد ثانی نے خواجہ زادہ کے غلبہ کا یقین کر کے انھین کی طرف مخاطب ہو کے کہا "جناب مولانا۔ حدیث شریف مین آیا ہے۔

جو کوئی جہاد مین کسی کو قتل کرے تو اس کا ساز و سامان اسی قاتل کا حق ہے اور آپ نے علم کے اعتبار سے اس شخص کو قتل کیا اور مین اس کا گواہ ہون- لہذا اس کا مدرسہ بھی مین نے آپ ہی کو دیا-

اس زمانہ سے مولانا خواجہ زادہ اس مدرسہ قسطنطنیہ کے مدرس ہوے اور نہایت توجہ اور سرگرمی سے درس دینے لگے- اسی عہد مین انھون نے سلطان کے فرمانے کے مطابق کتاب "تہافتہ" تصنیف کی- آخر یہ زمانہ بھی گذر گیا- اور چند روز بعد آدریانوپل کے قاضی مقرر ہوے اسکے بعد پھر خاص قسطنطنیہ کے قاضی ہوے- لیکن مورخین کا بیان ہے کہ ان عہدون نے دراصل ان کو نقصان پہونچایا- ان کی ذہانت اور ذکاوت طبع اس درجہ کی تھی کہ اگر اُنھین اشتغال علمی مین مصروف رہتے تو بے شک دنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز آجاتی- لیکن افسوس ان کو دنیادی جھگڑون مین پڑکر اس ترقی کی طرف سے مُنہ پھیرنا پڑا-

یہ قسطنطنیہ کے قاضی ہی تھے کہ سلطان محمد خان نے کسی وجہ سے محمود پاشا کو معزول کرکے محمد پاشا قرمانی کو خلعت وزارت دیا- وہ مولانا علی طوسی کا شاگرد تھا- اور اس بنا پر اسے مولانا خواجہ زادہ سے دلی مخالفت بلکہ قطعی عداوت تھی- اس نے ایک دن بادشاہ سے چھیڑ دی کہ مولانا خواجہ زادہ فرماتے ہین قسطنطنیہ کی آب و ہوا میرے نہایت ہی خلاف ہے- مین نے جو کچھ پڑھا لکھا تھا وہ بھی یہان بھول گیا- اور قسطنطنیہ کی جگہ شہر ازنیق کی آب و ہوا کی تعریف کرتے ہین- سلطان کو اپنے متبحر اُستاد کے ساتھ ہر طرح کی رعایت منظور تھی- اس نے کہا "اگر وہ یہ فرماتے ہین تو مین نے اس شہر کا عہدۂ قضا اور وہان کا مدرسہ دونون انھین کے سپرد کیے" اگرچہ سلطان نے انھین کی خوشی سمجھ کے ان کو وہ عہدہ دیا تھا مگر اُن کو مجبوراً اور صرف فرمان شاہی کی پابندی مین قسطنطنیہ چھوڑنا پڑا- چند روز ازنیق مین دونون خدمتین سرانجام دیتے رہے پھر عہدۂ قضا سے استعفا دے دیا اور کہا "یہ میرے مشاغل علمی مین خلل انداز ہے" اور پورا وقت وہان کے مدرسہ کی اصلاح و تعلیم مین صرف کرنے لگے- وہ اس کام مین مشغول تھے کہ سلطان محمد ثانی نے انتقال کیا- انا للہ و انا الیہ راجعون-

سلطان محمد خان کے انتقال نے انھین بڑا صدمہ دیا۔ گو اس کے زمانہ مین بعض موقعون پر ان کی دل شکنیان ہوئی ہونگی۔ مگر سچ یہ ہے کہ وہ ان کا بڑا قدردان تھا۔ اسی کی توجہ سے یہ اس پایہ کو پہونچے تھے۔

ان دنون انھون نے آدرنین کو چھوڑ کے قسطنطنیہ کا سفر کیا۔ وزیر قرامانی زندہ تھا۔ یہ اپنے خچر پر سوار ہو کے اس سے ملنے کو گئے۔ لیکن اس شان سے کہ ان کے شاگردون کا بڑا گروہ انھین اپنے جھرمٹ مین لیے تھا۔

ان کے شاگردون مین سے مولانا سراج الدین اور مولانا بہاء الدین جو قسطنطنیہ کے آٹھ مدارس مین سے ایک ایک کے مدرس تھے۔ اور مولانا مصلح الدین جو قسطنطنیہ کے مدرسۂ مراد پاشا کے مدرس تھے۔ یہ تینون بھی ہمراہ رکاب تھے۔ ان کو اس شان سے دیکھ کے وہ گھبرا اٹھا۔ تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے مکان مین لے گیا۔ ان کو صدر مقام مین بٹھایا۔ اور خود مودب بیٹھ گیا۔ اور مولانائے ممدوح کے شاگرد دست بستہ سامنے کھڑے تھے۔ کچھ دیر تک ان سے باتین کرتا رہا پھر جب ممدوح رخصت ہو کے اٹھے تب بھی اسی شان و شوکت سے واپس آئے۔ اور ان کے وہی شاگرد اسی ادب و تعظیم سے ہمراہ رکاب تھے۔ مولانا تو اس سے مل کے چلے گئے۔ مگر اس کے دل مین ایک نہایت ہی بیچین کرنے والا خیال چھوڑ گئے۔ وزیر قرامانی کو اپنی گذشتہ کارروائی پر اب ندامت ہوئی۔ اس نے ایک آہ پر سوز کھینچی اور ندامت کے لہجے مین کہا "افسوس مین نے ان کی وقعت مٹانا چاہی اور نہ مٹا سکا۔ اور یہ بھی نہ خیال کیا کہ ان کی قدر و منزلت جو کچھ ہے علم و فضل کی وجہ سے ہے عہدے سے کوئی علاقہ نہین"۔

ابھی یہ بتانا باقی ہے کہ مولانا خواجہ زادہ اس مرتبہ قسطنطنیہ مین آئے کس غرض سے تھے۔ وزیر قرامانی نے مولانا خطیب زادہ کو برانگیختہ کر کرکے اس حد تک پہونچا دیا تھا کہ ان بزرگ نے بے سوچے سمجھے خواجہ زادہ سے مباحثہ کرنے کا دعوی کیا۔ اسی غرض سے وہ قسطنطنیہ مین آئے تھے۔ اور خطیب زادہ کے جواب مین انھون نے فرمایا "وہ پہلے میرے شاگردون سے مناظرہ اور بحث کرلین۔ اور اگر ان پر غالب آجائین تو مین خود بھی فرمائین اس پر تعمیل کرنے کو موجود ہون"۔ مولانا خطیب زادہ نے

ان کے اس جواب کو اس بات پہ محمول کیا کہ وہ شاید اس مباحثہ سے مُنہ چراتے ہین۔ اُن کے اس قول کی خبر بھی خواجہ زادہ کو پہونچ گئی اتنا سُنتے ہی اُنھون نے اپنے ایک خادم کو شہر ازنیق مین بھیجا اور کہا تم جا کے وہان سے میری کتابین لیکے آؤ۔ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ خواجہ زادہ نے اپنی کتابین منگوائی ہین۔ اور جاتے جاتے سنان پاشا کے کان مین گئی۔ جو قسطنطنیہ کے ایک تجربہ کار اور با اختیار عہدہ دار تھے۔ وہ فوراً وزیر قرامانی کے پاس دوڑے گئے اور کہا "کیا آپ خطیب زادہ کی بے آبروئی کے درپے ہین؟" اس نے کہا "نہین تو"۔ سنان پاشا نے کہا "خواجہ زادہ کتابون کے مطالعہ کے بعد پھر ایسے شخص تھوڑے ہی رہ سکتے ہین جن سے کوئی زبان ملا سکے"۔ وزیر نے کہا "تو یہ معاملہ ہے!" سنان پاشا نے کہا "جی ہان"۔ بس اس کے بعد وزیر نے مناظرہ کو ٹال کے خواجہ زادہ کو حکم دیا "آپ ازنیق مین تشریف لیجائیے"۔ ان کو ازنیق گئے چند ہی روز ہوے تھے کہ سلطان محمد خان ثانی نے وفات پائی۔ اور سلطان بایزید خان فرمان روائے دولت عثمانیہ ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی مدرسہ سلطانیہ بُرسہ مولانا خواجہ زادہ کے سپرد کر دیا ــــ اور اس کے ساتھ سو درہم روز تنخواہ مقرر کی۔ پھر چند روز بعد اس نے انھین بُرسہ کا مفتی مقرر کر دیا۔

اب مولانا ے ممدوح کی ضعیفی کا زمانہ تھا۔ اگرچہ ذوق علم تدریس اور افتا سے دست کش نہین ہونے دیتا تھا۔ لیکن طاقت جواب دے چکی تھی۔ اور صورت بتاے دیتی تھی کہ اب ان مین اِن امور کے انصرام و انجام دہی کی طاقت نہین ہے جن کو وہ اپنے جسم اور قویٰ پر جبر کر کے انجام دیتے تھے۔ سخت مریض ہوے۔ مرض نے داہنا ہاتھ اور دونون پاؤن بالکل بیکار کر دیے لیکن یہ باوجود اس معذوری کے اپنے کام انجام دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ جب داہنا ہاتھ بیکار ہو گیا تو بائین ہاتھ سے فتوی لکھا کرتے۔ مگر یہ نہ ہوتا کہ خلق اللہ کو جو استفادہ کے لیے ان کی جانب مصروف ہو چکی تھی اپنے دروازے سے محروم جانے دین۔ بائین ہاتھ سے فتوی لکھتے تھے۔ اور قاعدہ تھا کہ بغیر خوب اچھی طرح کتابون کا مطالعہ کیے کوئی حرف استفتون پر نہین لکھتے تھے۔

اور مطالعۂ کتب کا اس قدر التزام تھا کہ اس مسئلہ کو کوئی دوبارہ دریافت کرتا تو اس کے لیے پھر دوبارہ تمام کتابون کو دیکھتے۔ اگر کبھی اس بیکار محنت کا سبب پوچھا جاتا تو فرماتے تھے کہ اگر اس معاملہ مین اس التزام کو چھوڑ کے سستی اختیار کرون گا تو خوف ہے کہ ضرورت کے موقعون پر نفس سستی نہ کرنے لگے۔ لہذا یہی مناسب ہے کہ ہمیشہ مطالعۂ کتب کیا جائے۔ عام اس سے کہ مسئلہ معلوم ہی کیون نہ ہو۔ فتوی دینے مین اُن کا یہ مسلک تھا کہ جب فتاوُون مین یہ مسئلہ نہ نکلتا تو اس موقع پر اپنی راے اور قیاس سے کام لیتے۔

ایک بزرگ جو ان کی درس گاہ سے نکل کے اپنے وقت کے علامہ ہو گئے تھے وہ بیان کرتے ہین کہ مین حواشی شرح مختصر جو سید شریف کے مصنفات سے ہین پڑھ رہا تھا۔ جب خواص ذاتی کی بحث آئی تو مولنا نے اپنے تمام اعتراضات کی جو اس بحث پر وارد کیے تھے تقریر کی۔ ان اعتراضون کا حال مین پیشتر سے سن چکا تھا اور اہل علم مین اُن کی شہرت تھی۔ وہ اعتراضات در اصل ایسے قوی تھے کہ ہم ان کو اپنی کوشش اور اپنی تقریر سے کسی طرح نہ اُٹھا سکے اسکے بعد مولانا فرمانے لگے "سنو اگر یہ اعتراض خود سید شریف کے سامنے بیان کیے جاتے تو مجھے دعوی اور یقین ہے کہ وہ بھی ان کو تسلیم کر لیتے۔ لیکن اس سے تم یہ نتیجہ نہ نکالنا کہ مین اپنے تئین سید شریف سے کچھ بڑھ کے خیال کرتا ہون یا مجھے در اصل ان پر کسی قسم کی ترجیح ہے۔ ہرگز نہین۔ سید شریف علوم مین میرے استاد ہین۔ مین نے ان کی کتابون سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے — اور پھر ان کی کتابون کے بعد مین نے کسی اسلامی مصنف کی کتاب کو فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے نہین دیکھا۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ مولنائے ممدوح مین انتہا درجہ کا انکسار تھا۔ اور باوجودیکہ دولت عثمانیہ کے تمام علما مین کوئی اُن کا مقابلہ نہین کر سکتا تھا مگر اپنے مقام پر انھین کسی بات کا دعوی نہ تھا۔ دنیا کے کاروبار مین بہت کچھ پھنسے مگر اُن کا مزاج وہی رہا جو پہلے تھا۔ لیکن خود کہا کرتے تھے

ان دنیاوی کاموں نے مثلاً قضا وغیرہ نے میرے مزاج کو بگاڑ دیا۔ اگر یہ خرابیاں نہ ہوتیں تو بے شک مجھ میں ایک عالمانہ شان ہوتی۔ ایک بار فرمانے لگے "میں بڑا جری بھی ہوں۔ اور بڑا بودا بھی ہوں" پوچھا گیا اس کے کیا معنی۔ بولے "جب میں کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کر لیتا ہوں پھر تو میری نظر میں کوئی نہیں جچتا چاہے کتنا ہی بڑا شخص ہو میں اس کی شہرت و نامورئی کی ذرا نہیں پروا کرتا۔ لیکن جب کتابیں میری نظر سے نہیں گذری ہوتی ہیں تو میں ادنیٰ ادنیٰ بچہ سے ڈرتا ہوں۔ اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں مجھے ساکت نہ کر دے" اور اسی سبب سے ان کا قاعدہ تھا کہ بغیر مطالعہ کتب کیے نہ تو کوئی فتوی دستخط کرتے تھے اور نہ کسی سے بحث کرنے کا نام لیتے تھے۔

فرماتے تھے دنیا میں علم تین قسم کے ہیں ایک تو وہ جو بیان بھی کیے جاتے ہیں اور لکھے بھی جاتے ہیں یہ تو وہ تمام علوم ہیں جو کتابوں میں مندرج ہیں دوسرے وہ علوم جن کا بیان تو ہو سکتا ہے مگر تحریر میں نہیں آسکتے یہ وہ علوم ہیں جو مناظرہ میں کام آتے ہیں۔ اور جن سے برجستگی اور حضور ذہن کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اور تیسرے وہ جن کا نہ بیان ہو سکتا ہے اور نہ لکھے جا سکتے ہیں۔ پوچھا گیا پچھلی قسم کے کون علوم ہیں۔ فرمایا وہ ایسے رموز ہیں جو تحریر و تقریر سے نہیں ادا ہو سکتے۔ اور نہ کوئی شخص کسی محسوس ذریعہ سے ان کو ظاہر ہی نہیں کر سکتا۔ ہاں جب کسی کو آجاتے ہیں اور اُس کے ذوق میں اُن کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے ذوق کو اشارے وغیرہ مختلف ذریعوں سے ظاہر کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ اُن کو کسی عبارت میں بیان کر دے۔ یا کسی تصنیف میں لکھ دے۔

ان دنوں چونکہ شاہان اسلام بھی علمی ذوق رکھتے تھے اور خصوص سلطان محمد خان تو اس بارہ خاص میں اپنے خاندان کے تمام اگلے اور پچھلے فرمان رواؤں میں ممتاز ہے لہذا اکثر مناظرہ کی ضرورت لاحق ہو جایا کرتی تھی اور ایسے موقعوں پر گوے سبقت لیجانا علما کی فضیلت کا موجب خیال کیا جاتا تھا اور اسی بات میں مولانا خواجہ زادہ اپنے تمام معصروں پر ترجیح رکھتے تھے۔ اکثر ایسے معاملات پیش آئے کہ اُن کے معصروں کو جن میں سے بعض بعض کو ان کے ساتھ حسد بھی

تھا۔ مجبوراً علی رؤس الاشہاد ان کی افضلیت کا اعتراف کرنا پڑا۔

خود بیان فرماتے ہین ایک بار مین وزیر قرمانی کی صحبت مین گیا۔ ایک طرف مین بیٹھا۔ اور دوسری طرف خیرالدین مہزول بیٹھے ہوے تھے۔ (خیرالدین مہزول سے مراد مولی خواجہ خیرالدین مرحوم ہین جو سلطان محمد خان کے معلم اور استاد تھے) اتنی دیر مین افضل الدین کے بیٹے آگئے۔ انھون نے میرے پاس بیٹھنا کچھ ناپسند سا کیا۔ خیرالدین کے برابر جاکے بیٹھ گئے۔ اور یہ امر مجھے کسی قدر ناگوار بھی ہوا۔ باتون باتون مین علامہ سید شریف طاب ثراہ کے علم و فضل کا ذکر ہونے لگا۔ خیرالدین اور ابن افضل الدین دونون نے باتفاق کہا کہ وہ اسلام مین اتنے بڑے شخص ہین کہ ان پہ کوئی اعتراض ہی نہین وارد ہوسکتا ہی۔ اس پر مین نے کہا اس مین تو کوئی شک نہین کہ وہ بڑے مرتبہ کے فاضل تھے۔ لیکن انسان سے ممکن ہے کہ کبھی خطا بھی ہوجاے۔ ہان اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ دیگر علما کے مقابلہ مین ان سے بہت کم غلطیان ہوئی ہین۔ میری اس تقریر سے دونون نے انکار کیا اور دعوی کیا کہ ممکن ہی نہین کہ ان پہ کوئی اعتراض وارد کیا جاسکے۔

مین نے کہا یہ نہ فرمائیے۔ علامہ تفتازانی نے جو یہ دعوی کیا ہے کہ علم کلام منطق کا محتاج ہے اس پر وہ اپنی شرح مواقف مین اعتراض کرتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ ایسا دعوی سوا اس شخص کے جو فلسفہ کے فضلات کا ریزہ چین ہو اور کوئی نہین کرسکتا۔ لیکن خود سید شریف ہی نے شرح مختصر پہ جو حواشی لکھے ہین ان مین علامہ تفتازانی کا یہی قول نقل کرکے تصدیق کرتے ہین اور صاف کہتے ہین کہ انھون نے صحیح کہا ہے۔ تقریر کرکے مین نے کہا اس سے زیادہ صریح غلطی کیا ہو سکتی ہوگی۔ دونون نے اس عبارت کو تو مان لیا جو مین نے شرح مواقف سے نقل کی تھی لیکن حاشیہ شرح مختصر کی عبارت سے انکار کیا۔ مین نے کہا میرے پاس جو ان حواشی کا نسخہ ہے اس مین مجھے یاد ہے کہ مین نے یہ عبارت داہنے صفحہ مین چار سطرون کے بعد دیکھی ہے۔ وزیر نے کہا میرے پاس حواشی مذکورہ کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اور یہ کہہ کے اس نے منگوایا۔ وہ در اصل میرے خلاف تھا۔ اور اس کی غرض اس سے یہ تھی کہ یہ عبارت نہ برآمد ہو۔ اور مجھے اپنے مخالفون کے مقابلہ مین سبکی حاصل ہو۔ مین نے وزیر کے نسخہ کو الٹ پلٹ کے وہ عبارت نکال دی اُس کو دیکھتے ہی خیرالدین نے تو سر جھکا لیا۔ مگر ابن افضل الدین نے کسی قدر تاویل کی لیکن وہ ہی چار باتون مین اُن کو بھی سکوت کرنا پڑا۔ اس وقت وزیر نے مجھ سے کہا

یا مولانا آپ کے کلام مین ذرا سختی ہے۔ مین نے کہا بے شک سختی ہے۔ لیکن دعویٰ باطل پہ۔ اس نے کہا تو کیا آپ اپنے طالبعلمون سے بھی اسی درشت مزاجی سے گفتگو کرتے ہین مین نے کہا سختی کیسی میرے شاگردون مین سے اگر کوئی ایسی بے بنیاد اور بیہودہ بات کہے تو کتاب اسکے سر پہ دے مارون۔ یہ سُن کر وہ ہنسنے لگا اور مین وہان سے اُٹھ کر چلا آیا۔ اس مین شک نہین کہ اس صحبت مین سبھون کے دل مین ان کی وقعت بیٹھ گئی تھی۔

مولی خواجہ زادہ کو اپنی زندگی ہی مین بہت کچھ شہرت و ناموری حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ شاہ خراسان سلطان حسین بن بیقرا نے اپنا ایلچی مبارک باد دینے کی غرض سے سلطان محمد خان کے دربار مین بھیجا۔ چونکہ یہ ایک سلطنت کا سفیر تھا اور خصوص اس وجہ سے کہ وہ روابط محبت کے اور مضبوط کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ لہذا پیشکش کرنے کے لیے وہ بہت کچھ سامان اور دولت و حشمت کے نمونہ بھی اپنے ہمراہ لایا تھا اس سفیر نے جس وقت سلطان محمد خان کے دربار مین وہ تمام شاہی تحفے اور ہدیے پیش کیے تو سب کے بعد اس نے ایک شخص کو دربار سلطانی مین لاکے پیش کیا۔ اور کہا "سلطان خراسان کی آپ سے درخواست ہے کہ آپ مولی خواجہ زادہ کی خدمت مین اسکی سفارش کر دیجیے۔ کہ وہ اس شائق علم کو درس دینا منظور فرمائین"

سلطان نے سفارت کی درخواست کے مطابق اس شخص کو مولی خواجہ زادہ ممدوح کی درسگاہ مین بھیج کے سفارش کی۔ اور سفارش کے ساتھ ہی انعام و اکرام کے طور پہ بہت کچھ ہدایا بھی مولانا سے ممدوح کی خدمت مین بھیجے۔ مولانا نے سلطان کے فرمانے کو بسر و چشم قبول کیا۔ اس انعام و اکرام کی خوشی مین انھون نے ایک دعوت کی اور اس دعوت مین اس جدید طالب علم کو درس دینا شروع کیا۔ آپ ہی کے فرمانے کے بعد جب اس نے علامہ سید شریف کے وہ حواشی پڑھنا شروع کیے جو شرح مختصر پہ ہین۔ ان حواشی کو اس نے شروع بحث علم سے پڑھنا شروع کیا۔

مصنف شقائق نعمانیہ کہتے ہین کہ اُن کے والد بھی اس درس مین شریک تھے۔ اور انھین کی زبانی وہ اُس روز کے درس کا حال یون تحریر فرماتے ہین۔

"اس شخص کے ہمراہ ہم سب اور طلبہ بھی حاضر ہوے۔ مولانا نے مجھے قرأت کا حکم دیا قرأت تو کی لیکن کسی مسئلہ پہ مین نے اور میرے ساتھ کے کسی طالب علم نے بحث نہ کی

اور بحث و تکرار کا بالکل موقع اسی شخص کو دیا۔ وہ دن گذر گیا۔ دوسرے دن اسی شخص نے ایک مسئلہ پر اعتراض کیا مین نے اس کا جواب دیا۔ اور مولنا خواجہ زادہ نے میرے جواب کو پسند فرمایا۔ اس نے دوسرا اعتراض کیا۔ اور پھر بھی مین ہی نے جواب دیا۔ اور اس جواب کو بھی حضرت استاد نے تسلیم کیا۔ اس نے تیسری بار اور اعتراض کیا۔ مین نے اس کا بھی جواب دیا لیکن اس تیسرے جواب کو مولانا نے ناپسند فرمایا۔ مگر جب سبق مین ہم نے دو سطرین اور پڑھین تو مولانا نے فرمایا "ہان اپنے جواب کی پھر تو تقریر کرو"۔ مین نے اس تیسرے جواب کو مکرر عرض کیا۔ سن کے فرمانے لگے۔ سچ کہتے ہو۔ سید شریف کے اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمھارے جواب کو تسلیم کرتے ہین۔ اس کے بعد سبق تمام ہو گیا۔ اور ہم لوگ رخصت ہو کے چلے گئے۔ لیکن بعد اسکے مین نے مولانا کے صاحبزادے سے سنا کہ مولانا نے ان سے میری تعریف کی۔ اور فرمایا کہ اس کا مطالعہ اکثر میرے مطالعہ کے مطابق ہوتا ہے۔ استاد بزرگ کا یہ ایسا کلمہ مین نے سنا تھا جس پر مجھے ہمیشہ فخر رہیگا۔ اور اپنی اس عزت کو مین کبھی نہ بھولون گا۔ اصل یہ ہے کہ یہ فخر میری زندگی بھر کے لیے کافی تھا۔ کہ ہم پر مولنا خواجہ زادہ کے ایسے متبحر عالم ایسا ریویو فرمائین۔

اور درحقیقت ان کی تائید اور اُن کی توثیق سے بڑھ کے کوئی سند اس عصر مین نہین ہو سکتی تھی۔ اور اُن کے زمانے کو عموماً لوگ ایسا ہی خیال کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ محمد ابن افلاطون نامے ایک شخص سلطان بایزید خان کے عہد مین شہر بروسہ کے محکمہ شرعیہ کا کاتب اور نائب تھا۔ اس کا بیان ہے کہ میرے زمانہ مین بروسہ کے مفتی مولی خواجہ زادہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کے نام سلطان بایزید خان کا فرمان آیا کہ بروسہ کے فلان فلان لوگون کے مابین جو جھگڑا ہے اُسے آپ دونون فریقون کا اظہار لے کے فیصلہ کر دیجیے۔ مولنا نے متخاصمین کو بلا کے ان کے بیان سنے اور فیصلہ ایک کے حق مین کر دیا۔ پھر کہا بہتر ہے کہ یہ فیصلہ بہ دلائل و حجج لکھ بھی دیا جائے۔ مجھے بلا کے حکم دیا کہ ان لوگون کا فتوی تم لکھ لاؤ۔ ان دنون میرے علم و فضل کا تو کسی کو اعتراف نہ تھا۔ مین ایک معمولی محرر تھا۔ دل مین بہت ہی گھبرایا کہ میرے لکھنے کی کیا وقعت ہو گی۔ لیکن چونکہ مولنا کے حکم سے انحراف نہین کر سکتا تھا۔ چار و ناچار اس فتوے کو لکھ کے مولنا کے ملاحظہ سے گذرانا۔ آپ اول سے آخر تک پڑھ گئے۔ پھر قلم و دوات طلب کیا۔ مین نے دل مین کہا اب مولنا میری غلطیان

نکالیں گے۔ آپ قلم ہاتھ میں لے کے سوچنے لگے۔ پھر میری طرف دیکھ کے فرمایا "جانتے ہو میں کس بات پر غور کر رہا ہوں؟" میں نے عرض کیا "مجھے کیا خبر؟" فرمایا "تم نے یہ فتوی بہت ہی خوب اور نہایت مناسب لکھا ہے۔ لیکن مجھے اس کا عنوان نہیں اچھا معلوم ہوتا۔ اس امر میں غور کر رہا ہوں۔ کہ کسی اور عمدہ عنوان سے اسے درست کر دوں۔" یہ اگرچہ ایک معمولی تعریف تھی۔ لیکن خود محمد ابن افلاطون کا بیان ہے کہ میں بعد اسلام کے زندگی بھر کسی بات سے اتنا خوش نہیں ہوا جتنی مسرت مجھے مولانا کی اس تصدیق پر ہوئی۔

مصنف شقائق نعمانیہ کے والد کہتے ہیں جب مولنا خطیب زادہ کے حواشی تجرید کا شہرہ ہوا اور وہ ملک میں شائع ہوئے تو مولنا خواجہ زادہ نے مجھ سے فرمایا کہ ان حواشی کا ایک نسخہ کہیں سے لاؤ۔ دیکھوں تو کیا لکھا ہے۔ میں نے ان حواشی کو بہم پہنچا کے پیشکش کیا مولانا نے ان حواشی کو منگوایا تو بڑے شوق سے تھا مگر ملاحظہ فرما کے کچھ خوش نہ ہوے۔ چند روز بعد مولنا جلال الدین دوانی کے حواشی تجرید شائع ہوئے تو ان کی نسبت بھی اسی شوق سے مولانا نے مجھ سے فراہمی کی درخواست کی۔ میں نے ان حواشی کا نسخہ بھی بہم پہنچا کے حاضر کیا۔ اس نسخہ کو دیکھ کے مولانا نہایت ہی محفوظ ہوے۔ اور بڑی تعریف کی۔

علامہ جلال الدین دوانی اسلام میں بہت بڑے شخص تھے۔ اگرچہ بعد مسافت کی وجہ سے دونوں بزرگوں میں کسی قسم کا ربط و ضبط نہ پیدا ہو سکا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی تصنیف کا کوئی ورق بھی جب دوسرے کے ہاتھ لگ گیا تو اُس نے حیرت و استعجاب کے ساتھ اپنے ہمعصر کے علم و فضل کا اعتراف کیا۔ یہ تو معلوم ہی ہو چکا کہ علامۂ دوانی کی شرح تجرید دیکھ کے مولنا خواجہ زادہ کس قدر مسرور ہوئے تھے۔ اب اس امر کو سنیے کہ خواجہ زادہ کی تصنیف نے علامۂ دوانی پر کیا اثر کیا۔

مولی ابن موید جب ممالک محروسہ عثمانیہ سے سفر کر کے علامۂ دوانی کی خدمت میں گئے تو انھوں نے پوچھا "اتنی دور سے آئے ہو ہمارے لیے کیا لائے؟" ابن موید نے کہا "آپ کی نذر کیلیے علامہ خواجہ زادہ کی کتاب "تہافۃ" لایا ہوں۔ علامہ دوانی نے پوچھا "خواجہ زادہ کون؟ وہی خواجہ زادہ برص؟" ابن موید نے کہا "نہیں۔ وہ برص تو نہیں ہیں"۔ اس پہ علامۂ دوانی نے کہا "نہ ہوں۔ لیکن ان اطراف میں وہ اسی لقب سے مشہور ہیں"۔ الغرض اس گفتگو کے بعد

ابن موید نے کتاب تہافتہ پیش کش کی۔ عرصہ تک اُس کتاب کا علامۂ دوانی نے مطالعہ کیا اور پھر فرمایا "اے ابن موید اللہ جلشانہ تم سے اور اس کتاب کے مصنف سے خوش ہو۔ تم نے مجھے کیا کتاب دی ہے! میرا ارادہ تھا کہ اسی بحث مین ایک کتاب مین خود لکھون۔ لیکن خوب ہوا کہ مین لکھ نہین چکا تھا۔ اور اگر اس کتاب کے مطالعہ سے پہلے لکھ چکا ہوتا تو بے شک مین اہل علم کی نظر مین رسوا ہو جاتا"

اگرچہ شہرت علمی اُس درجہ کو پہونچ چکی تھی لیکن اُن کو زمانہ نے بیکار کر دیا تھا۔ ہم بیان کر چکے ہین کہ ایک ہاتھ اور دونون پاؤن سے عاجز ہو چکے تھے۔ لیکن اب بھی فتوے دیے جاتے تھے اور جو سلسلہ نفع رسانی خلق اللہ کا ان کے دم کے ساتھ وابستہ تھا وہ بدستور جاری تھا۔ اس توجہ اور جفاکشی کا یہ نتیجہ تھا کہ لوگون کو ان کی معذوری کا یقین نہین آتا تھا۔ چنانچہ خود سلطان بایزید خان نے ان سے اُس معذوری کے نہ ماننے مین فرمائش کی کہ شرح مواقف پر ایک حاشیہ تحریر فرمائیے۔ ان کے لیے یہ بہت بڑی مصیبت تھی۔ کیونکہ بائین ہاتھ سے کبھی استفتا وغیرہ تو خیر لکھ دیا کرتے تھے۔ لیکن اتنی بڑی طولانی کتاب پر حاشیہ کس ہاتھ سے لکھین۔ اگرچہ ان کی حالت کبھی اس کام کی متحمل نہ ہو سکتی تھی لیکن انھون نے سلطان سے جو عذر بھی پیش کیا تو وہ اپنی معذوری و مجبوری کا نہ تھا بلکہ سلطان کو لکھ بھیجا "شرح مواقف کے متعلق جو کچھ خیالات مین ظاہر کیا کرتا تھا اور جو میرے فیصلے تھے اُن کو حسن چلپی نے اپنے حاشیہ شرح مواقف مین تمامہ لکھ دیا۔ ہان مین نے تلویح پر ایک حاشیہ لکھا ہے۔ اگر آپ مناسب جانین تو اس حاشیہ کو ملاحظہ فرمائین۔ اور اس کو عمدہ طور پر نقل کرا لین۔ مگر سلطان نے ان کی درخواست نہ منظور کی۔ اور اصرار کیا کہ نہین آپ شرح مواقف ہی پر حاشیہ لکھیے۔ مجبوراً یہ بھی آمادہ ہو گئے۔ یہ بیش قیمت تصنیف کیونکر لکھی جاتی تھی۔ اس کا حال بھی دلچسپی سے خالی نہین ہے۔ خود تو معذور محض تھے۔ لوگ شرح مواقف کو آپ کے سامنے تکیون پر لا کے رکھ دیتے تھے۔ وہ اس کا مطالعہ شروع کرتے تھے۔ کسی اور کتاب کی یا ورق الٹنے کی ضرورت ہوتی تو جب کوئی شخص آتا اس سے فرماتے اور وہ دوسری

کتاب کو آپ کے سامنے لا کے رکھ دیتا۔ باوجود ان بے بسیون کے یہ گوارا نہ ہوا کہ کسی اور سے لکھوائین ساری کتاب خود اپنے ہی ہاتھ سے لکھی۔ اگرچہ بائین ہاتھ سے لکھی۔

شرح مواقف کی بحث وجود مین لفظ "لا یتم المطلوب" تک پہونچے تھے کہ شہر تبریز مین ۸۹۳ھ مین انتقال فرمایا۔ اور سید بخاری کے مقبرے کے قریب مین مدفون ہوے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

ریویو

قیام الدین۔ یہ ایک ماہواری رسالہ ہے جو فرنگی محل سے مولانا حسن انصاری صاحب کی ایڈیٹری مین شوال المعظم ۱۳۴۸ھ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ مضامین کی خوبی کا ذکر کرنا اس واسطے فضول معلوم ہوتا ہے کہ جو رسالہ فرنگی محل سے نکلے وہ خود ہی اپنا نظیر ہوگا۔ یہ رسالہ ۲۰+۲۶ تقطیع کے ۴۸ صفحون پر شائع ہوتا ہے۔ اور چندہ سالانہ للعہ مع محصول ڈاک ہے ایڈیٹر صاحب کا ارادہ ہے کہ اس سال بارہوین ربیع الاول ۱۳۴۹ھ کے دن اس رسالہ کا رسول نمبر شائع کرین۔ اور اسکے لیے اہل علم حضرات سے مضامین حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ساتھ ہی اعلان کیا گیا ہے کہ جس شخص کا مضمون نثر مین سب سے اعلیٰ درجہ کا ہوگا اُسے طمغہ طلائی اور جس کا مضمون نثر دوسرے درجہ کا ہوگا اُسے تمغہ نقرئی اور ایسی طرح نظم مین بھی سب سے اعلیٰ نظم پر تمغہ طلائی اور دوسرے نمبر والی نظم پر تمغہ نقرئی انعام مین دیا جائے گا۔ یہ مضامین ۲۰+۲۶ سائز کے ۶ صفحون سے زائد نہ ہونا چاہیئین تقسیم انعام کا فیصلہ لکھنؤ کے معزز حضرات فرمائین گے۔

شائقین درخواست خریداری اور مضامین نظم و نثر دفتر رسالہ قیام الدین فرنگی محل لکھنؤ مین ایڈیٹر کے نام سے ۱۵ صفر ۱۳۴۹ھ سے پہلے روانہ کرین۔

موج تبسم۔ ہندوستان کے مشہور مزاحیہ نویس مولانا شوکت تھانوی کے وہ معرکہ آرا اور ہنگامہ آفرین مزاحیہ مضامین جو ہندوستان کے مقتدر رسائل مین شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہین مع ان غیر مطبوعہ گرانقدر مضامین کے جن مین کا ہر ایک بجاے خود شاہکار ہے بصورت مجموعہ **موج تبسم** زیر طبع ہین آج ہی آرڈر دیجیے۔ اس لیے کہ نصف سے زیادہ آرڈر رجسٹرڈ ہو چکے ہین۔ جن کی تعمیل جولائی کے اندر ہو جائے گی دوسرے اڈیشن کا انتظار کرنا تکلیف دہ ہوگا۔ قیمت قسم اول سنہری جلد ۱۲، قسم دوم غیر مجلد ۸

مینجر۔ نسیم بکڈپو۔ لکھنؤ۔

دلگداز

مولانا شررؔ مرحوم کی یادگار اردو کا مشہور ادبی تاریخی رسالہ جسنے زبان اردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹریچر سے بھر دیا خریدار ہو کر ایکسال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور وہی سال ابعد کے چندے اور محصول ڈاک پر ایک روپیہ بارہ آنے میں وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے۔ منیجر دلگداز لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شررؔ مرحوم

(تاریخ سوانحعمری اور لکچر وغیرہ)

- ۱- جنید بغدادی - حضرت جنید کے حالات
- ۲- ابو بکر شبلی - حضرت شبلی کے حالات
- ۳- حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات
- ۴- خواجہ معین الدین - خواجہ اجمیری کے حالات
- ۵- ملکہ زنوبیہ - سلف کی ایک عربی نژاد ملکہ
- ۶- سکینہ بنت حسینؑ - جناب سکینہ بنت امام حسینؑ
- ۷- قرۃ العین - ایران کی مشہور مجتہد زادی کے حالات
- ۸- ولادت سرور عالم - مولد شریف مصنفہ علامہ ابو الفرج ابن جوزی کا ترجمہ بہتر کا نثر میں اور نظم کا نظم میں
- ۹- سفرنامہ امام شافعیؒ امام ممدوح کے سفر کے حالات
- ۱۰- سر سید کی دینی برکتیں۔
- ۱۱- قانون وراثت اسلام پر مولانا کا ایک لکچر
- ۱۲- ہندوستان کی موسیقی
- ۱۳- ثانی اثنین - حضرت صدیق اکبر کے حالات
- ۱۴- ذی النورین - حضرت عثمان کے حالات
- ۱۵- ابو الحسنین - حضرت علی کے حالات

تاریخی ناول

- ۱۶- عزیزہ مصر - عہد بنی طولون کا تاریخی ناول
- ۱۷- فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ
- ۱۸- رومۃ الکبریٰ - روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ
- ۱۹- مفتوح فاتح - ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول
- ۲۰- فلپانا - ارض جزائر الس المغرب پر صحابہ کا حملہ
- ۲۱- فردوس بریں - جیتے جی جنت کی سیر
- ۲۲- قیس و لبنیٰ - مشہور عاشق عرب اور اسکی معشوقہ لبنیٰ
- ۲۳- لعبت چین - عہد صحابہ کا تاریخی ناول
- ۲۴- مقدس نازنین - ایک حسینہ کا پوپ بنجانا
- ۲۵- ماہ ملک - غوریوں کا عروج اور فتوحات
- ۲۶- یوسف نجمہ کابل - جنگ مقدس ایک بیتی
- ۲۷- ایام عرب - جاہلیت عرب کی کمل تصویر ۲ حصہ
- ۲۸- جویائے حق - حضرت رسول اکرم کی سوانحعمری بطور ناول حصہ اول دوم کامل
- ۲۹- زوال بغداد - شیعہ سنیوں کی نا اتفاقی کا عبرتناک نتیجہ - بغداد کی تباہی - ۸ر
- ۳۰- شوقین ملکہ - دوسری صلیبی لڑائی - ۲ر
- ۳۱- طاہرہ - نہایت دلچسپ تازہ ناول - ۴ر
- ۳۲- حسن کا ڈاکو - مولانا کا سب سے اچھا ناول
- ۳۳- بدی کا پھل - نہایت دلچسپ آخری تصنیف - ۹ر
- ۳۴- الفانسو - ایک واقعاتی ناول
- ۳۵- بابک خرمی - سلطنت عباسیہ کے حالات ۲ جلد - ۸ر
- ۳۶- حسن انجلینا - دمشق و روم کی لڑائی - ۱۰ر
- ۳۷- فلورا فلورنڈا - ہسپانیہ کے عہد خلافت کے واقعات
- ۳۸- ملک العزیز ورجنا - رچرڈ شیر دل اور صلاح الدین اعظم - ۱۰ر
- ۳۹- منصور موہنا - سندھ میں ایک انصاری خاندان کے حالات - ۱۰ر
- ۴۰- شہید وفا - ۸ر

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ۱۳۱۷۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شررؔ مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۳ — بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء — جلد ۳۰

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق مینجر اور پرنٹر و پبلشر دلگداز

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگجان میں

چھپ کے شائع ہوا

چندہ سالانہ (عہ/) مع محصول ڈاک



معاذ بن مسلم ہرائی

از مولانا شرر مرحوم مغفور

"ابو مسلم معاذ بن مسلم ہراء نحوی کوفی" فن نحو اور علم قرأت میں یگانۂ روزگار تھے۔ اُن کی ولادت کس سال میں ہوئی۔ اس کا ٹھیک پتہ معلوم نہیں لیکن کسی نے خود اُن سے پوچھا تھا کہ آپ کس سال پیدا ہوئے۔ تو فرمانے لگے "عبدالملک بن مروان کے عہد میں یا اُس کے بیٹے یزید بن عبدالملک کے دور میں" جس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ مروان کے مرنے کے بعد عبدالملک ماہ رمضان ۶۵ھ میں خلیفہ ہوا اور ۸۶ھ میں مرگیا۔ اور یزید بن عبدالملک خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے مرنے کے بعد رجب ۱۰۱ھ میں خلیفہ ہوا اور شعبان ۱۰۵ھ میں مرگیا۔ تو گویا علامہ معاذ بن مسلم ہراء اُن چالیس برس کے اندر پیدا ہوئے جو ۶۵ھ سے ۱۰۵ھ تک گذرے۔ خلاصہ یہ کہ بڑے خوش نصیب تھے کہ ہجرت نبوی کی پہلی ہی صدی میں پیدا ہوئے اور اتنے قدیم نحوی ہیں کہ کسائی سا امام نحو ان کے حلقہ درس کا تعلیم یافتہ اور ان کے دماغ علم کا خوشہ چیں ہے۔ اُن کی قرأت دانی کے متعلق اکثر حکایتیں مشہور ہیں جن کو اساتذہ فن نے اپنے مقام پر ذکر کیا ہے۔ فن نحو میں اُنھوں نے کتابیں بھی تصنیف کیں لیکن اسکو کیا کریں کہ اُن کی تصانیف مقبولیت عامہ کے خلعت سے شرفیاب نہ ہو سکیں اور رواج نہ پا سکیں۔

علم کی طرح اللہ جلشانہ نے ان کی عمر میں بھی برکت دی تھی۔ دنیا کو اس قدر پسند آئے کہ اُس نے مدتوں تک ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ زمانہ بھر میں باعتبار کثرت عمر کے

مشہور ہو گئے تھے۔ اور تو خیر با مذاق لوگون کو بھی انکی اتنی طولانی عمر گران گذرنے لگی تھی۔ اور اُن کے جینے سے تنگ آ گئے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ بیچارے کسی کا کیا بگاڑتے ہون گے۔ مگر ہان تیز پسند طبیعتین جو عموماً بڈھون کی سالگرہ کا حساب لگایا کرتی ہین۔ وہ انھین مدت ہاے دراز تک ایک ہی حال پہ دیکھتے دیکھتے اکتانے لگی تھین اور بیشک لوگون کا خیال ان کی طرف بے وجہ نہین متوجہ تھا۔ ان کے بیٹے بھی ہوے پوتے بھی ہوے۔ غرض پورا خاندان تیار ہوا۔ پھر وہ سب بیٹے اور پوتے مر بھی گئے۔ مگر یہ اُسی طرح اپنی بڑھاپے کی زندگی گذرانتے ہی رہے۔ ایسی زندگی خود اپنے تئین اجیرن ہو جاتی ہے تو دوسرون کا کیا ذکر۔

اسی عہد کا مشہور شاعر ابو السری سہل بن ابی غالب خزرجی جس نے سیستان مین نشو و نما پانے کے بعد دعوی کیا تھا کہ مجھے ایک جنیہ نے دودھ پلایا ہے چنانچہ کہتا تھا کہ مین جنون سے ملتا ہون اور مین نے از جانب محمد امین بن ہارون اپنے ہاتھ پر اجنہ سے بیعت لی ہے۔ وہ بھی ان کی درازی عمر کو دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی سے عاجز آ گیا تھا۔ چنانچہ اسی شکایت مین اُس نے اپنی شاعرانہ قوت کو صرف کیا ہے اور خوب خوب اشعار لکھ ڈالے ہین۔ جن مین اس قسم کے مضامین ادا کیے ہین کہ "معاذ بن مسلم ایک شخص ہے کہ جس کی عمر کی کوئی حد نہین۔ زمانہ کے سر کے بال سفید ہو گئے۔ دہر بوڑھا ہو گیا۔ لیکن اس کی عمر کا لباس ویسا ہی نیا کا نیا ہے۔ اس کے پاس جانا تو پوچھنا آخر کب تک جیو گے۔ آدم کا گھر (دنیا) خراب ہو گیا۔ اور تم اب تک اُس مین میخ کی طرح ایسے گڑے ہوے ہو کہ کھسکتے تک نہین۔ بس اب دنیا سے ہیاؤ۔"

خاص انھین کا کاتب کہتا ہے مین ایک مدت تک ان کی صحبت مین رہا۔ ایک دن ان سے کسی شخص نے پوچھا۔ آپ کی کیا عمر ہو گی کہنے لگے۔ تر سٹھ برس۔ اور اس کے بعد بھی جب کوئی عمر پوچھتا تو وہی بتا دیتے۔ مدتون کے بعد کسی نے پھر ان سے یہ سوال کیا اور اُنھون نے بھی وہی تر سٹھ برس بتا دیے۔ حالانکہ انھون نے اپنی عمر کی بابت اکثر یہی جواب دیا تھا۔ مگر اس مرتبہ مجھ سے نہ رہا گیا۔ مین نے بڑھ کے کہا "مین اکیس برس سے آپ کے پاس ہون

اتنی مدت میں جب کسی نے آپ کی عمر پوچھی آپ نے ہمیشہ تریسٹھ ہی برس بتائے۔ آخر اس کے کیا معنی؟" کہنے لگے "اجی یہ تو اکتیس ہی برس ہیں اگر اکیس برس اور میرے پاس رہو تو بھی ہمیشہ مجھ سے یہی جواب سنو گے"۔ عثمان ابن ابی شیبہ کہتے ہیں میں نے معاذ بن مسلم ہرار کو ان کے بڑھاپے کے عالم میں دیکھا تھا۔ دانت موجود تھے جو سونے کے تاروں سے بندھے تھے۔

ان کی کنیت ابتدا سے "ابو مسلم" تھی۔ لیکن جب خدا نے ان کو اولاد دی تو انھوں نے پہلے لڑکے کا نام "علی" رکھا۔ اور اس وقت سے اپنی کنیت "ابو علی" مشہور کی۔ اگرچہ بعض اہل تاریخ نے اُن کو ابو مسلم ہی کہا۔ مگر وہ خود اپنے تئیں ابو علی کہلاتے تھے۔

ہراء اُن کا لقب اس لیے ہوا کہ ہرات کے بنے ہوئے کپڑے بیچا کرتے تھے اور یہی اُن کی معاش تھی۔ جیسا کہ عموماً قدیم زمانے کے بڑے بڑے ائمہ اپنی زندگی تجارت پر بسر کیا کرتے تھے اسی طرح اُنھوں نے بھی اپنی زندگی ہرات کے کپڑے بیچنے میں صرف کی۔ مگر خوش نصیب تھے کہ اسی زمانہ میں اُنھوں نے اپنی طولانی زندگی کا سلسلہ تمام کر دیا۔ ورنہ آج ہوتے تو ہمارے ہمعصر دیسی شرفا کی سوسائٹی سے نکال دیے جاتے۔

ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ شیعہ تھے۔ جو گویا محدثین کی اصطلاح میں ایک قسم کا جرم ہے۔ لیکن اس وقت کی شیعیت کیسی تھی اس کا حال ہمارے زمانہ کے لوگوں کو کم معلوم ہو گا۔ اس عہد تک شیعہ و غیر شیعہ صرف خیالی اور اعتقادی حیثیت سے اختلاف رکھتے تھے۔ دونوں میں آج کل کی طرح کا تمائز و تباین نہ تھا۔ مسجدیں دونوں کی ایک تھیں۔ اور امام بھی ایک ہی تھے۔ سب ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ باہم معاملات رہا کرتے تھے۔ اتنا بھی اختلاف نہ تھا جتنا کہ کبھی اہل سنت کے باہمی فرقوں حنفی و شافعی وغیرہ میں تھا۔ یا اہل شیعہ کے فرقوں اخباری و اصولی میں اب ہے۔ بلکہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور در اصل ایک دوسرے کے ہمدرد تھے۔ بات یہ تھی کہ بنی امیہ کے دور نے دو خیال کے آدمی پیدا کر دیے تھے۔ ایک وہ جو جناب امیر اور ان کی نسل کے حامی و طرفدار تھے۔ اور بنی امیہ کے حقوق کو نہ تسلیم کرتے تھے۔ یہ لوگ شیعہ کہلاتے تھے۔ اور ایک وہ جو بنی امیہ کے طرفدار تھے۔ اور طرفداران جناب امیر کی طرح ان کو غاصب خیال

کرتے تھے وہ لوگ شیعون کے مقابل مین طرفداران بنی امیہ ہی کہے جاتے تھے۔ ابتدائی خلافت ہائے اسلام جو جناب امیر سے پہلے گذرین اُن کی مخالفت شیعت کے لیے لازمی نہ تھی۔ اور جو کچھ اختلاف تھا وہ بھی صرف اختلاف راے تھا۔ ان بنی امیہ کے ظلم و جور نے طرفداران جناب امیر یعنی شیعیان علی کو اس بات کا موقع دیتے کہ وہ اپنی مخالفت کو صرف دل ہی مین نہ رکھین بلکہ عملی عداوتون کا بھی برتاؤ کرین۔ بہرحال صرف شیعت کے لفظ سے کسی کی نسبت یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اہلسنت کے مذاق مین وہ پایہ اعتماد سے ساقط ہو گیا۔ اس کا اعتبار اس قدر باقی ہے کہ محدثین اسکی روایت کو مانتے ہین۔ اور اس کی احادیث کو نقل کرنا جائز اور بے نقص خیال کرتے ہین یہ بھی اسی مذاق کے لوگون مین تھے۔ جنھون نے بنی امیہ کو چھوڑ کے جناب امیر کی طرفداری کی۔ اور بنی امیہ کی فیاضیون سے محروم رہے۔

عرب کے قدیم شعراے اسلام مین کمیت بن زید نہایت ہی مشہور تھا۔ آج تو ہم اس کا نام صرف تواریخ کے ورق الٹ کے دیکھ لیا کرتے ہین۔ لیکن شہرت وہ تھی جو اسے اپنے عہد مین حاصل تھی۔ خلاصہ یہ کہ معاذ بن مسلم اور کمیت بن زید مین بڑی دوستی تھی۔ اور آخر تک بڑا ربط و ضبط رہا۔

محمد بن سہل مذکورہ شاعر مشہور کمیت بن زید کے اشعار کا راوی ہر وہ بیان کرتا ہے کہ اس کا عہد مشہور و فیاض رئیس امیرالعراقین جس کا نام خالد بن عبداللہ قسری ہے واسط مین تھا۔ طرماح شاعر ایک قصیدہ لے کے اُسکے پاس پہونچا۔ اور شیوا بیانی کے جوہر دکھائے۔ رئیس مذکورہ نے خوش ہو کے اسی وقت تیس ہزار درہم اور دو ایسے حلہ جن کی قیمت کوئی نہین تجویز کر سکتا تھا انعام مین مرحمت کر ڈالے۔ اس فیاضی کی خبر کمیت کے کان مین پہونچی تو اُن کے مُنہ مین بھی پانی بھر آیا۔ سنتے ہی سامان کر دیا۔ اور رئیس مذکورہ کے پاس جا کے ایک قصیدہ پیش کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ معاذ بن ہرا کو جب کمیت کا یہ ارادہ معلوم ہوا تو اُنھون نے منع کیا۔ اور کہا تم وہان کا ارادہ نہ کرو۔ تم امید نہ رکھو کہ طرماح کی طرح تمھارے ساتھ بھی وہان کسی قسم کا سلوک کیا جائیگا طرماح خود اُن کے ہم قوم ہے۔ اور ایک ہی دادا کی اولاد ہے۔ علاوہ برین تم

قبیلۂ مضر مین سے ہو۔ اور خالد یمنی ہے۔ اور ایسا یمنی کہ اُسے قبیلۂ مضر والون کی مخالفت مین تعصب ہے۔ یہ بھی جانے دو۔ اور یہی دیکھو کہ تم شیعہ یعنی طرفدار علی ہو۔ اور وہ بنی امیہ کا طرفدار ہے۔ تم عراقی ہو۔ وہ شامی ہے۔ کوئی بھی تو نسبت ہونا چاہیے۔ جو عمدہ برتاؤ کی سفارش کرے۔ لیکن کمیت کو طمع ایسی دامنگیر ہو گئی تھی کہ اُن کا کہنا کسی طرح نہ مانا۔ اور بے سوچے سمجھے چل کھڑے ہوے۔ ان کے آنے کی خبر سنتے ہی یمنی مصاحبون نے خالد سے کہا "لو وہ میان کمیت آئے جنھون نے اپنے قصیدہ نونیہ مین ہماری ہجو کی تھی۔ اور دنیا بھر کی بیہودگیان ہماری طرف منسوب کی تھین۔ خالد نے اتنا سنتے ہی کمیت کو انعام و اکرام در کنار فوراً قید کر لیا۔ اور کہا ایسے آدمی کا قید ہی رہنا مناسب ہے اس لیے کہ یہ لوگون کی ہجو کر کے انھین صدمہ پہونچایا کرتا ہے۔ جب یہ خبر معاذ ہراء کو پہونچی تو بیچارے کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور اُن کو جو تعلق کمیت کے ساتھ تھا اُس نے بیتاب کر دیا۔ اس بیتابی مین اُنھون نے چند شعر کہے۔ جن کا ماحصل یہ تھا کہ افسوس تم نے میری نصیحت نہ مانی۔ جب یہ اشعار قید خانہ مین کمیت کے گوش گذار ہوے تو پوشیدہ اُنھون نے اُن کو لکھ بھیجا۔ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوا۔ اب بتاؤ کہ نجات کی کیا تدبیر ہے اُنھون نے پوشیدہ طور پر کہلا بھیجا کہ جس طرح بنے بھاگنے کا بند و بست کرو۔ اس لیے کہ خالد کو تم سے عداوت ہے۔ اور وہ بے تمھاری جان لیے نہ رہے گا۔

کمیت نے اس کے بعد سے ایسی ہی تدبیر سوچنا شروع کی اور آخر کار جان بری کا ایک حیلہ اُن سے بن پڑا۔ وہ یہ کہ اُن کی زوجہ معمولاً قید خانہ مین اُنھین کھانا کھلانے جاتی تھی۔ اور وہی نیکبخت اُن کے لیے کھانا پکا کے لے جایا کرتی تھی۔ اس لیے کہ اس کو خالد ہی کی طرف سے اس امر کی اجازت تھی۔ بس ایک دن اُنھون نے اس کے کپڑے پہن لیے اور اسی کی طرح گھونگھٹ نکال کے ناز و انداز سے روانہ ہوے۔ محافظون کو ان کی بی بی کا دھوکا ہوا۔ اور وہ صاف نکل گئے۔ الغرض اس طرح ان بیچارہ کو اس قید سے رہائی ملی قید خانہ سے نکل کے مسلمہ بن عبدالملک کے دروازے پر گئے۔ اور کہا مجھے کسی طرح چھپاؤ۔ اور وہ شعر پڑھے جن کا مطلب تھا کہ مین اگرچہ عورتون کی طرح

دوپٹہ اوڑھکر آیا ہون مگر اس دوپٹہ کے نیچے استقلال چھپا ہوا ہے - الغرض اس طرح انھون نے قید سے رہائی پائی -

معاذ ہراء کی نسبت ہم یہ بیان کر چکے ہین کہ اُنھون نے عمر بہت بڑی پائی تھی - بے شک اس عمر طویل نے اُن کی یہ آرزو خود اُن کے سامنے ہی پوری کردی کہ بنی امیہ جو دشمنان اہلبیت تھے مشرقی دنیاے اسلام مین ان کا بالکل قلع و قمع ہو گیا - ان کی خلافت مروان حمار تک پہونچ کے ختم ہو گئی - اور بنی عباس کے نقیبون نے ہمدردان خاندان کی اعانت سے ان کو زکون یہ زکین دے کے ایشیا سے نکال باہر کردیا ان کی نسل ان اطراف مین ناپید ہو گئی - اور ان کی وہ سختیان جو اہل بیت نبوی پر ہوئی تھین اُن کا سخت سے سخت انتقام ہو گیا بنی عباس مین بھی کئی خلیفہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہو کے زیگراے عالم اخروی ہوے - تب سنہ ۱۹۰ ہجری مین اُنھون نے دنیا کو رخصت کیا - اور بعض لوگ کہتے ہین کہ اُن کی موت اس کمبخت سال مین ہوئی جس سال برامکہ کے فیاض و علم دوست خاندان کا ہارون رشید کے ہاتھون یکایک خاتمہ ہوا تھا -

برامکہ کے خاندان کا غم دنیا مین ہمیشہ رہے گا اور جس کے ساتھ ہر شخص کو ضمناً اُن کے غم پر بھی آنسو بہانے کا موقع ملا - اور واقعی ان کے مرنے سے گویا ثابت ہو گیا کہ برامکہ کے ساتھ ہی علم بھی ختم ہو گیا جس کے وہ قدر دان تھے -

---

فرقہ یزیدیہ

پائنیر کا مخصوص مراسلہ نگار عراق عرب سے ایک فرقہ کا حال لکھتا ہی جو شیطان کی پرستش کرتا ہی - مضمون نگار کی روایت ہی کہ اس فرقہ کا نام یزیدی ہی - اور یہ عربون اور کردون کی مخلوط نسل سے مرکب ہی ان کی تعداد ۶۰ ہزار ہے - اور ان مین سے اکثر کا مسکن جبل سنجر ہی - جو دجلہ کے پورب موصل کے مقابل واقع ہے - اُن کی کچھ تعداد حلب دیار بکر طفلس و طہران مین بھی موجود ہے - ان کی زبان کردی زبان کی ایک شاخ ہی - بلحاظ عادات و خصائل لڑنگی بڑے جفاکش باہمت پاکباز و مہمان نواز ہین - لیکن ساتھ ہی بالکل جاہل بھی ہین اور اس کی وجہ یہ ہی کہ تعلیم ان کے مذہب مین قطعاً ممنوع ہی - حکومت کے جبر و تعدی کو

اُن کی جماعت روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۹۲ء مین یہ کئی ہزار کی تعداد مین
قتل ہو چکے ہین۔

ان کا مذہب دراصل قدیم طرز کی اعجوبہ پرستی کا مظہر ہے۔ جس مین مسیحیت۔ یہودیت
و اسلام تینون کے عناصر شامل ہین۔ اُن کا عقیدہ یہ ہے کہ سب سے بڑی قوتین دو ہین۔ ملک
طاؤس۔ اور ملک عیسیٰ جن مین سے اول الذکر اہرمن (شیطان) اور آخر الذکر یزدان
(خدا) کے مرادف ہے۔ ان مین سے ہر قوت کی مدت حکومت دس ہزار سال تک رہتی ہے۔
لیکن آجکل چونکہ شیطان کا دور حکومت ہے۔ لہذا اُسی کی عبادت واجب ہے۔

شیطان کی مدت حکومت کے چار ہزار سال گذر چکے ہین۔ اور چھ ہزار سال باقی
رہ گئے ہین۔ اس مدت کے اختتام پر عیسیٰ کا ظہور ہو گا۔ جو شیطان کو جہنم مین بھیجین گے اور
وہ وہان پہونچکر اس قدر گریہ و بکا کرے گا کہ آتش دوزخ اسکے آنسوؤن سے سرد ہو جائیگی
اس وقت اسکی خطا معاف ہو گی! اور اس وقت وہ از سرنو معلم الملکوت کے مرتبہ پر سرفراز ہو گا۔

آجکل جو مسیح کا درجہ بلند ترین نہین اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان کا عہد حکومت نہین
اور چونکہ وہ نہایت حلیم۔ رحیم کریم و خطاپوش ہین اس لیے ان سے ڈرنے اور خوف کرنے کی کوئی ضرورت نہین۔

دعوتون اور ضیافتون کے موقع پر یہ لوگ ایک بھیڑ کی مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہین اور سات
بھیڑون کی شیطان کے نام پر اس لیے کہ شیطان بڑا ہی سخت گیر اور غضبناک معبود ہے۔ یہ لوگ مسیح کے
حلول پر اعتقاد رکھتے ہین لیکن صلیب پر ان کے وفات پانیکو نہین مانتے مسیح کے ظہور اول کو یہ لوگ
ناکام قرار دیتے ہین۔ اس لیے کہ اسوقت وہ قوت عصیان کو شکست نہ کر سکے۔ یہ لوگ صلیب
کا احترام کرتے ہین۔ آفتاب و ماہتاب کو مقدس مانتے ہین۔ اور جس مقام پر آفتاب کی شعاعین
سب سے پہلے پڑتی ہین۔ اُسکو روز چومتے ہین۔ ان کا اعتقاد ذات باری پر بھی ہے۔
لیکن چونکہ ان کے حسب اعتقاد اس کا تعلق صرف آسمان سے ہے۔ اور دنیا اور
ما فی الدنیا سے اسے کوئی سروکار نہین۔ اس لیے اسکی عبادت ضروری نہین سمجھتے
حضرت محمد (صلعم) کو پیغمبر برحق تسلیم کرتے ہین۔ اور مکہ کو مقام مقدس مانتے ہین سانپون
کی پرستش تو شاید یہ لوگ نہین کرتے۔ تاہم اُن کے معابد مین بڑے بڑے سیاہ
سانپون کی تصویرین بنی ہوئی رہتی ہین۔ اور آگ مین تھوکنا ان کے ہان معصیت
کبیرہ ہے اس عمارت کے سامنے جس کے اندر شیطان کی مورتین رہتی ہین ہمیشہ چراغ

روشن رکھے جاتے ہین۔

ان کے حسب اعتقاد۔ انسان کی خلقت آدم و حوا سے ہوئی ہے لیکن آدم و حوا ایک ایک نہین بلکہ الکھہا الکھ کی تعداد مین پیدا ہوچکے ہین۔ اور ان مین سے ہر آدم و حوا کی عمر دس دس ہزار سال کی ہوئی ہے۔ روایت ہے کہ ابتدا مین آدم و حوا کے درمیان اس باب مین جھگڑا ہوا کہ ان مین سے قوت تخلیق کس مین ہے۔ اس قضیہ کو طے کرنیکے لیے انھون نے ایک ایک برتن مین تھوکا۔ اور انھین سربمہر کرکے نو مہینہ تک رکھا۔ اسکے بعد جب کھولا تو حوا کے برتن سے سانپ و دیگر حشرات الارض نکلے۔ اور آدم کے برتن سے دو خوبصورت اولادین ایک لڑکا اور ایک لڑکی برآمد ہوئے۔ اور یزیدیہ انھین کی نسل سے ہین۔ حوا کو اس تجربہ کے نتیجہ پر اتنا غصہ آیا کہ انھون نے ان بچون کی رضاعت سے انکار کردیا۔ لیکن خدا نے آدم کو پستان دیدیے اور انھون نے دو سال تک ان بچون کی رضاعت کی۔

طوفان نوح سے متعلق بھی ان کی روایت دلچسپ ہے۔ کشتی آکر کوہ سنجر پر ٹھہری جو اُن کے پہاڑون کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔ لیکن جونہی وہ کشتی ٹھہرنے لگی دفعۃً پہاڑ اس تیزی کے ساتھ اُبھرا کہ کشتی مین سوراخ ہوگیا۔ اور وہ ڈوبنے لگی۔ اس پر کشتی کو سخت غصہ آیا اور نوحؑ سراسیمہ ہوگئے۔ اس وقت ایک سانپ ان کے پاس آیا۔ اور اس نے کہا کہ اگر آپ میری ایک شرط منظور کرنے کا وعدہ کرین تو مین اس سوراخ کو اپنے جسم سے بھر کر کشتی کو غرقابی سے بچا سکتا ہون اور وہ شرط یہ ہے کہ آپ آیندہ اجازت دین کہ مین اپنا مسکن انسان کی بغل کو رکھون۔ اور انسانی خون چوستا رہون۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک دریائی پرندے نے جھپٹا مار کے سانپ کو اپنی چونچ مین اٹھا لیا۔ سانپ اسوقت درد و تکلیف سے بیتاب ہوکر "ارخ - ارخ" چلایا جس کے معنی "زمین - زمین" کے کردی زبان مین ہین۔ نوح اس کا مطلب یہ سمجھے کہ سانپ کو زمین پر رینگتے رہنے کی تمنا ہے اور انھون نے اس کی اسی شرط کو منظور کرلیا۔ لیکن جب اسکے بعد کشتی محفوظ ہوگئی۔ تو نوح نے اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی کی۔ اور جتنے سانپ کشتی پر موجود تھے سب کو پکڑ کر کے آگ مین جھونک دیا۔ لیکن ان کی خاکستر سے دوسرے سانپ پیدا ہوئے جو آج تک دنیا مین موجود اور

انسان کی ہلاکت مین مصروف ہین۔
گذشتہ جنگ یعنی ۱۹۱۶ء مین یہ یدیون نے بہت سے مسیحیون کو پناہ دی اور جو ترک ان کے تعاقب مین آئے تھے ان سے مقابلہ کر کے انھین شکست دی۔

دیاسلائی

کیا تم نے کبھی اس امر پر غور کیا ہی کہ آگ ہمارے کتنے اور کیسے بڑے بڑے کامون مین استعمال ہوتی ہی؟
ذرا اس دنیا کا نقشہ اپنے تصور مین باندھ کر دیکھو جس مین آگ کا وجود نہ ہو۔ فرض کرو کہ موسم سرما مین کسی دن جب ہم صبح کو بیدار ہون اور سردی کا سخت زور ہو اور اسوقت دنیا مین ہر کہین آگ بجھی ہوئی ہو۔ یا ہمارے پاس آگ جلانے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یا یون سمجھ لو کہ ہم آگ جلانا ہی بھول گئے ہون تو اسوقت ہماری کیا حالت ہوگی؟ ہم سب سردی کے مارے ٹھٹھرنے لگین گے کیونکہ انگیٹھیون بھٹیون اور الاؤن سے ہمین مطلق حرارت حاصل نہ ہو سکیگی۔ ہمین بہت جلد بھوک محسوس ہونے لگیگی پر ہم کھانا تیار نہ کر سکین گے۔ ہم سنت بیکار نہ ہو جائین گی انجن ٹرینون (ریل گاڑیون) کو نہ چلا سکین گے تیل گھرون کا کام بند ہو جائین گے۔ بیوپار اور تجارت رک جائیگی۔ رات کے وقت ہم اندھیرے مین راستہ ٹٹولتے پھرینگے کیونکہ آگ کے بغیر تو ہم لیمپ سے کام لے سکین گے اور نہ گیس اور بجلی سے اس حالت مین یہ معلوم کر لینا کچھ بھی مشکل نہین ہو کہ آگ کی عدم موجودگی مین روشنی اور حرارت دونون چیزون کے حاصل نہ ہونے سے انسان کی زندگی سخت افسوسناک اور مصیبت سے بھری ہوئی ثابت ہونے لگیگی۔
دنیا مین کوئی ایسا وقت نہین گذرا جبکہ آگ موجود نہ رہی ہو۔ ہان! ایک ایسا وقت ضرور گذرا ہی جبکہ انسان آگ جلانے کا طریقہ نہین جانتا تھا جب اُسے آگ جلانے کا طریقہ معلوم ہو گیا تو مدت مدید کے بعد وہ اسے بہت سہل سمجھنے لگا آجکل ہم بلا وقت آگ جلا سکتے ہین کیونکہ ہمین بآسانی "دیاسلائی" دستیاب ہو سکتی ہی۔ لیکن ہمین یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ "دیاسلائی" دنیا کی سب سے زیادہ عجیب چیزون مین شمار کیجاتی ہے۔ اور انسان کو اسکے بنانے کا طریقہ سیکھنے مین ہزارہا سال گذارنے پڑے ہین ہر شخص جانتا ہے کہ "دیاسلائی" کیا چیز ہے! مگر بہت کم لوگ اس کی تاریخ سے واقف ہون گے۔ آؤ۔ ہم اس کے تاریخی پہلو پر غور کرین۔
سب سے پہلے انسان کو آگ براہ راست قدرت سے مہیا ہوئی تھی جب کسی پاس کی آتش فشان پہاڑی سے نکلی ہوئی چنگاریون کے ذریعہ سے جنگل مین آگ لگ جائے

یا بجلی گرنے سے کسی درخت مین سے شعلے نکلنے لگین۔ تو ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ قدرت کی جلائی ہوئی دیا سلائی ہے۔ دنیا کی ابتدائی تاریخ مین ہر قسم کی آگ قدرت ہی کو جلاتی پڑتی تھی کیونکہ انسان اپنی کوشش سے ایک چنگاری بھی پیدا نہین کر سکتا تھا۔ پس ثابت ہوا کہ آگ حاصل کرنے کا ابتدائی طریقہ انسان کے لیے یہ تھا کہ وہ کسی شعلہ مین جو قدرت نے کسی آتش فشان پہاڑ یا بجلی کے ذریعہ سے جلایا ہو۔ لکڑیان سلگا لاتا تھا۔ اسطرح یہ سلگائی ہوئی لکڑیان گھر لیجا کر ان کی مدد سے آگ جلائی جاتی تھی! اس طرح یہ جو آگ حاصل کی جاتی تھی اُسے بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اور حتی الامکان کوشش کیجاتی تھی کہ وہ بجھنے نہ پائے لیکن ظاہر ہے کہ خواہ آگ کی کتنی ہی حفاظت کیجائے وہ کبھی نہ کبھی ضرور بجھ جاتی ہوگی۔ آندھی چلنے یا پانی برسنے سے اس کا بجھ جانا بالکل قرین قیاس ہے۔ ایسی حالتون مین دوبارہ لکڑیان سلگا کر لانی پڑتی تھین! اور اس مطلب کے لیے بسا اوقات طویل سفر طے کرنے اور سخت مصائب جھیلنے پڑتے تھے۔

رفتہ رفتہ دنیا کے کسی حصہ مین کسی شخص کو ایک ایسا طریقہ معلوم ہوا جس کے ذریعہ سے وہ خارجی طور پر آگ حاصل کیے بغیر آگ جلا سکتا تھا۔ اس کا مطلب صاف الفاظ مین یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے مصنوعی طور پر آگ جلانے کا طریقہ معلوم کر لیا۔ وہ پہلے ہی سے یہ بات جانتا تھا کہ اگر ہاتھون کو زور زور سے ملا جائے تو وہ گرم ہو جاتے ہین۔ اس کے بعد اُس نے تجربہ سے یہ بات معلوم کی کہ اگر خشک لکڑی کے دو ٹکڑون کو آپس مین رگڑا جائے تو انھین بھی بہت گرم کیا جا سکتا ہے۔ اس تجربہ سے اسکے دل مین یہ سوال پیدا ہوا ہوگا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اگر لکڑی کے دو ٹکڑون کو آپس مین زور سے رگڑا جائے تو آگ پیدا ہو جائے۔ پس اُس نے بالکل خشک لکڑی کا ایک ٹکڑا زمین پر رکھ کر اُسکی سطح کو دوسری چھڑی کے نوکدار سرے سے یہان تک رگڑا کہ اس مین ایک نالی بن گئی۔ رگڑنے کے عمل کے دوران مین اس نالی کے اندر ایک قسم کا لکڑی کا برادہ سا جمع ہو گیا اس پر بھی وہ تیزی اور سختی کے ساتھ لکڑیون کو رگڑتا گیا حتیٰ کہ وہ برادہ جو نالی مین جمع ہو گیا تھا۔ دہکنے لگا۔ اس دہکتے ہوئے برادہ پر اس نے تھوڑی سی خشک گھاس رکھی۔ اور یہ اس کے بعد پہانتک پھونکین مارتا رہا کہ اس مین شعلہ پیدا ہو گیا[۱]۔ یہ پہلا موقع تھا کہ انسان نے

[۱] مسٹر والز ہو بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہین کہ محض دو لکڑیون کو رگڑنے سے آگ پیدا نہین ہوتی۔ بلکہ اس عمل سے صرف اسی قدر ہو سکتا ہے کہ وہ دہکنے لگین۔

اپنے لیے خود آگ جلائی۔ شاید ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ "دیا سلائی" کی ابتدا تھی۔ ہان! اسی "دیا سلائی" کی ابتدا جو تاریخ عالم مین سب سے بہترین ایجاد کہلائے جانے کی مستحق ہے!

سہولت کی غرض سے آگ جلانے کے اس طریقہ کا نام ہم "چھڑی کے ذریعہ سے لکڑی مین نالی تیار کرنا" رکھتے ہین۔ واقعی یہ طریق آگ کو محفوظ رکھنے اور جا بجا لیے پھرنے کے طریقے سے زیادہ اچھا تھا لیکن اس پر بھی وہ ایک بہت بھدا اور غیر موزون طریقہ تھا! اس مطلب کے لیے بالکل خشک لکڑی درکار ہوتی تھی اور رگڑنے کا عمل صبر کیسا تھ بہت دیر تک جاری رکھنا پڑتا تھا۔ بعض اوقات آگ پیدا کرنے مین کئی گھنٹے صرف ہوجاتے تھے۔ ایک عرصہ دراز کے بعد کسی شخص نے یہ بات دریافت کی کہ لکڑی کو اوپر نیچے لیجا کر رگڑنے سے یہ طریقہ بہتر ہے کہ اسے ایک ہی جگہ رکھ کر گھمایا جائے۔ اس طرح گھمانے سے نیچے کی لکڑی مین ایک سوراخ پیدا ہوجاتا تھا۔ اور رگڑ کے ذریعہ سے جو حرارت پیدا ہوتی تھی اس سوراخ ہی کے اندر مرکوز رہا کرتی تھی! ابتداءً تو چھڑی کو گھمانے کا عمل ہاتھ کی ہتھیلیون سے کیا جاتا تھا۔ لیکن اس سے ہاتھون کو تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ جون جون زمانہ ترقی کرتا گیا آگ جلانے والون نے ہتھیلیون کے بجاے چھڑی کو ایک رسی یا تسمہ کے ذریعہ سے گھمانا شروع کیا۔ جس چھڑی سے برمے کا کام لیا جاتا تھا اُسکا بالائی سرا دانتون مین دبایا جاتا تھا! اگر تم اسطرح آگ جلانیکا تجربہ کرکے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ برمے کی حرکت سے جبڑون کو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

ان دونون مذکورہ بالا طریقون مین آگ رگڑ کے ذریعہ سے پیدا کیجاتی تھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ کے تمام لوگ اسی رگڑ کے طریقے سے کام لیتے تھے۔ اور اب بھی دنیا کے مختلف حصون مین وحشی قومین اسی سے کام لیتی ہین۔

آگ جلانے کے سلسلہ مین دوسرا قدم اسوقت اُٹھایا گیا جب یہ بات دریافت ہوئی کہ پتھر اور لوہے کی خاص قسمون کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے آگ کا شرارہ پیدا ہوسکتا ہی اس کا اصول یہ تھا کہ چقماق (آتشین پتھر) کا ایک ٹکڑا خام لوہے کے ایک ٹکڑے سے ٹکرایا جاتا تھا۔ اور اس عمل سے متعدد شرارے نکلتے تھے۔ اگر ان شرارون کو خشک کاہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑون یا کوئلہ کے سفوف مین گرنے دیا جائے تو فوراً آگ پیدا ہوجاتی ہی۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ اس طرح پر جو آگ پیدا ہوتی ہے اس مین سے بھی شعلے نہین نکلتے بلکہ وہ صرف دہکنے لگتی ہی۔ اب اگر اس دہکتی آگ پر خشک لکڑی رکھ کر پنکھے سے ہوا کرین یا پھونکین مارین تو شعلہ پیدا ہوجاتا ہی۔ اگر لکڑی کے ٹکڑے کو دہکتی آگ مین ڈالنے سے پیشتر گندھک مین ڈبو لیا جائے تو فوراً

شعلہ پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ آگ جلانے کا وہ طریقہ تھا جو رگڑ سے آگ پیدا کرنے کے طریقے کے بعد مروج ہوا۔ اور فی الحقیقت یہ ایک اصلاح یافتہ طریقہ تھا۔ کیونکہ اس مین آگ جلانے کے لیے نہ صرف کم محنت کرنی پرتی تھی۔ بلکہ وقت بھی بہت کم صرف ہوتا تھا۔ اس طرح پر آگ جلانے کے لیے جو سامان درکار ہوتا تھا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) ایک اس قسم کی ڈبیہ (ٹنڈر بکس) جس مین کاہی کے کٹے ہوے ٹکڑے اور کوئلہ کا سفوف وغیرہ موجود ہو۔ (۲) ایک ٹکڑا فولاد (۳) ایک ٹکڑا چقماق (۴) گندھک لگی ہوئی تیلیان چقماق اور فولاد کو آپس مین ٹکڑایا جاتا تھا اور اس طرح جو شرارے پیدا ہوتے تھے وہ اُس ڈبیا مین گرائے جاتے تھے جس مین کاہی کے ٹکڑے اور کوئلہ کا سفوف ہوتا تھا شرارے ڈبیا مین گرتے ہی دہکنے لگتے تھے اسکے بعد فوراً گندھک لگی ہوئی تیلی اس دہکتی آگ مین ڈال دیجاتی تھی جو فوراً روشن ہوجاتی تھی اسکے جلتے ہی اس موم بتی کو جلالیا جاتا تھا جو ٹنڈر بکس پر لگی رہتی تھی تیل مین آگ لگتے ہی ٹنڈر بکس کو بند کردیا جاتا تھا تاکہ دہکتا ہوا مصالحہ بجھ جاے اور پھر دوسرے وقت مین کام مین لایا جاسکے۔

آگ جلانے کا یہ طریقہ اب سے ہزارہا برس قبل دریافت ہوا تھا اور دنیا کی قریب قریب تمام مہذب اقوام اسے اپنے اپنے وقت مین استعمال کرچکی ہین۔ اس طریقہ کو چھوڑے ہوے بھی کچھ زیادہ عرصہ نہین گذرا۔ اب بھی بہت لوگ ایسے ہون گے جنھین وہ وقت یاد ہوگا جبکہ فولاد۔ چقماق اور ٹنڈر بکس کا استعمال ہر گھر مین ہوا کرتا تھا۔

اب سے کوئی ۲۰۰ سال قبل آگ جلانے کا ایک اور طریقہ دریافت ہوا۔ اگر گندھک کے تیزاب کی تھوڑی سی مقدار کلوریٹ آف پوٹاس اور کھانڈ کے مرکب پر ڈالی جائے تو چمکدار شعلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ جلانے کا ایک نیا طریقہ دریافت کرنے کے لیے یہ ایک اشارہ تھا۔ چنانچہ آخر کار سترھوین صدی مین وائنا کے ایک سمجھدار شخص نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ ٹنڈر بکس کے ساتھ جو گندھک لگی ہوئی تیلیان استعمال کیجاتی تھین۔ اس نے ان مین سے ایک تیلی لے کر اُسے گندھک کے

سلہ قدیم اہل یونان آتشی شیشہ کے ذریعہ سے آگ جلایا کرتے تھے۔ آفتاب کی شعاعین شیشہ کے اندر سے گزر کر کسی چیز پر مرکوز ہوتی تھین جس مین باسانی آگ لگ جاتی تھی۔ لیکن آتشی شیشہ کا "دیا سلائی" کے ارتقا سے کسی قسم کا تعلق نہین ہے۔

تیزاب مین ڈبو یا۔ اور اُس کے بعد اسے کلوریٹ آف پوٹاش اور کھانڈ کے مرکب مین ڈالا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ تیلی مین فوراً آگ لگ گئی اور شعلہ پیدا ہو گیا۔ یہ طریقہ آگ پیدا کرنے کے پہلے دونون طریقون سے مختلف تھا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہوتی تھی کہ چند کیمیائی اجزا کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔ پھر اُن مین خود بخود آگ لگ جاتی تھی۔ مطلب یہ کہ کیمیائی طریق پر آگ پیدا ہو جاتی تھی۔

دانا کے اس شخص کی دریافت کی بدولت لوگون کی توجہ نئی قسم کی دیاسلائی (یعنی کیمیائی دیاسلائی) کیطرف رجوع ہوئی اب آگ جلانے کے لیے جن اشیا کی ضرورت ہوتی تھی وہ حسب ذیل تھین۔ ایک بوتل گندھک کے تیزاب کی۔ ایک بنڈل تیلیون کا جن کے سرون پر گندھک اور کلوریٹ آف پوٹاس اور کھانڈ کا مرکب لگا ہوا ہو۔ اس قسم کی دیاسلائیون پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی یعنی قریباً پندرہ روپیہ مین سو دیاسلائیان تیار ہوتی تھین۔ اس کے علاوہ یون بھی غیر طمانیت بخش تھین بسا اوقات جب تیلی کو تیزاب مین ڈالا جاتا تھا تو اس مین آگ نہ لگتی تھی۔ اور وہ دھک تیزاب کو ادھر اُدھر اڑانے لگتی تھی! اس سے کپڑے بھی خراب ہوتے تھے۔ اور مزاج بھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اٹھارھوین صدی مین اس قسم کی دیاسلائیون کو صرف وہی لوگ استعمال کیا کرتے تھے جن کو یہ پسند تھین یا جو انھین خریدنے کی توفیق رکھتے تھے۔ عام طور پر ٹنڈر بکس کے ذریعہ سے آگ جلانے کا طریقہ رائج رہا۔

آخرکار انیسوین صدی یا یون کہنا چاہیے کہ اس صدی مین جس کے اندر بہت سی عجیب وغریب دریافتین عمل مین آئین دیاسلائی کے ارتقا رین جو تھا قدم اٹھایا گیا۔ سنہ ۱۸۲۷ء کا ذکر ہے کہ انگلستان کے ایک چھوٹے سے قصبے مین جان واکر نامی ایک دوا فروش نے تیلیون کے سرون پر گندھک کلوریٹ آف پوٹاس اور سلفائڈ آف انیٹمنی کا مرکب لگا کر انھین ریگ مال پر رگڑا تیلیان فوراً جلنے لگین۔ یہ رگڑنے والی کیمیائی دیاسلائی وہ تھی جس کا استعمال کم وبیش اصلاح کے ساتھ ہم آج تک کرتے ہین۔ اسے رگڑنے والی کیمیائی دیاسلائی اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اسے چند کیمیائی ادویہ کے مرکب سے تیار کیا جاتا ہے۔ ہر چند کہ جان واکر کی دیاسلائی کے لیے ایسڈ کی بوتل درکار نہ ہوتی تھی۔ تاہم وہ اچھی قسم کی دیاسلائیان نہ تھین

انھین صرف اسی صورت مین جلایا جاسکتا تھا کہ خوب زور سے رگڑا جائے۔ اس کا شعلہ پھڑپھڑانے لگتا تھا۔ اور ہر طرف آگ گرتی تھی اس کے چند سال بعد اینٹی منی کے بجاے تیلیون پر فارسفورس لگایا جانے لگا۔ اس سے دیاسلائی کی صنعت مین انقلاب عظیم واقع ہوا۔ اب دیاسلائی معمولی رگڑ سے روشن کی جاسکتی تھی اب اس مین وہ پھڑپھڑاہٹ بھی باقی نہ رہی تھی۔ یہی وہ فارسفوس کی دیاسلائی تھی جس سے ہم سب اچھی طرح آشنا ہین۔

جب اس طرح پر آسانی سے جلنے والی فارسفورس کی دیاسلائیان ایجاد ہوگئین تو پھر تیزاب مین تیلی ڈبو کر یا ٹنڈر بکس کے ذریعہ سے آگ جلانے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ رفتہ رفتہ آگ جلانے کے پرانے طریقے لوگون کو فراموش ہوتے گئے۔ اس وقت اس قسم کی دیاسلائیان بارہ آنہ فی پیکٹ کے حساب سے فروخت ہوتی تھین۔ ایک پیکٹ مین بارہ درجن دیاسلائیان ہوا کرتی تھین۔ بہت کم لوگ ان کے استعمال کی توفیق رکھتے تھے۔ مگر اب ایک پیسہ مین عمدہ قسم کی سو دیاسلائیان خریدی جاسکتی ہین اب ان کا رواج اس قدر ہوگیا ہے کہ صرف صوبجات متحدہ امریکہ مین اندازاً ۱۵۰۰۰۰۰۰۰۰ دیاسلائیان ہر سال استعمال ہوتی ہین۔ یعنی فی کس ۵ دیاسلائی روزانہ۔

فارسفورس کی دیاسلائی مین ایک نقص ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ اس مین آگ فوراً لگ جاتی ہے۔ اگر فرش پر کہین ایک دیاسلائی پڑی رہ جاے تو ممکن ہے کہ اس پر کسی شخص کا قدم پڑنے یا کوئی چیز گرنے سے اس مین آگ لگ جائے۔ ممکن ہے بے خبری مین ہمارا پاؤن فارسفورس کی دیاسلائی پر پڑ جائے اور وہ جلنے لگے۔ اور ہم اسے جلتا ہوا چھوڑ کر چلے آئین اور گھر مین آگ لگ جائے بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ چوہون نے فارسفوس کی دیاسلائی کو کترا ہے۔ اور وہ جلنے لگین۔ اور اس طرح مکان مین آگ لگ گئی۔ ایک شہر کا ذکر کرتے ہین جس مین تیس تباہی خیز آتش زدگیان صرف چوہون کے دیاسلائی کترنے سے واقع ہوئی تھین۔

ان دیاسلائیون کے حوادث سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ مدت سے "سیفٹی دیاسلائیان" ایجاد ہوئی ہین۔ ان دیاسلائیون مین فاسفورس نہین ہوتا۔ بلکہ اسے ایک قسم کی باریک ریت مین ملاکر اس ڈبیا کے پہلوؤن پر لگا دیا جاتا ہے۔ جس مین دیاسلائیان رکھی جاتی ہین۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک ان دیاسلائیون کو ان کے خاص بکس پر نہ رگڑا جائے وہ نہین جلتین۔ یہ دیاسلائیان فاسفورس کی معمولی دیاسلائیون سے اس قدر بہتر ہین کہ دن بدن فاسفورس کی دیاسلائیون کی مانگ کم ہوتی جاتی ہے۔ اور بعض ممالک مین اس قسم کے قوانین نافذ ہو چکے ہین کہ سیفٹی دیاسلائی کے علاوہ کسی اور قسم کی دیاسلائی فروخت نہ کی جائے۔

آگ جلانے کی طویل تاریخ مین سیفٹی دیاسلائی کی ایجاد آخری قدم ہے۔ ابتداءً آگ رگڑ سے پیدا کی جاتی تھی۔ اور اب ہمارے زمانہ مین بھی رگڑ ہی سے پیدا کی جاتی ہے۔ مگر ذرا غور کیجیے کہ دونون طریقون مین کس قدر فرق ہے۔ برمے کے ذریعہ سے آگ پیدا کرنے یا چھڑی کو لکڑی پر رگڑ کر آگ جلانے کے لیے فرصت اور مہارت درکار ہوتی تھی۔ لیکن سیفٹی دیاسلائی کے ذریعہ سے ایک بچہ بھی ایک لمحہ مین آگ جلا سکتا ہے۔

لیکن ذرا اس بات پر غور کیجیے کہ اس قسم کی عمدہ دیاسلائی تیار کرنے مین کتنا زمانہ صرف ہوا ہے۔ اس سادہ اور چھوٹی سی سیفٹی دیاسلائی کی ایجاد سے پیشتر دخانی انجن، تار، ٹیلیفون اور برقی روشنی وغیرہ چیزین مستعمل ہو چکی تھین۔

ایشیا کا سب سے بڑا شہر

چین کا مشہور شہر ہانکاؤ جو آج کل غیر ملکیون کے خلاف ہنگامہ آرائیون کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا ہے۔ چین کا "مانچسٹر" یا "شکاگو" کہلاتا ہے۔ یہ شہر ساحل بحر سے چھ سو میل "دریاے ینگسٹی اور دریاے ہان کے سنگم پر واقع ہے۔ دریاے ینگسٹی اتنا عریض و عمیق ہے کہ اس مین بارہ مہینے بڑے بڑے

بحری جہاز چلتے رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہانکاؤ ساحل بحر سے بعد مسافت کے باوجود ایک محفوظ بحری مقام سمجھا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شہر تین ہزار سال کا پرانا ہے۔ جب ۱۸۶۱ء میں چین کے دوسرے مقامات کے ساتھ اسے بھی از روے معاہدہ غیر ملکی تجارت کے لیے کھولا گیا تھا تو یہ غریب ماہی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ لیکن غیر ملکی تجارت کا اہم مرکز بن جانے کے بعد ہانکاؤ نے حیرت انگیز ترقی کی۔ اور وہ رفتہ رفتہ دریاے ینگسٹی کی وادی کی سب سے بڑی تجارتی منڈی بن گیا۔ دریاے ینگسٹی ملک چین کو ٹھیک دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ایک حصہ شمالی چین۔ دوسرا حصہ جنوبی چین۔ یہ دریا تین ہزار میل لمبا ہے اور اپنے متعدد معاون دریاؤں کے ذریعے سے اتنے وسیع علاقے کو سیراب کرتا ہے جس میں تیس کرور نفوس آباد ہیں۔ جنوبی امریکہ کا دریاے ایمیزن دنیا کا سب سے بڑا دریا ہے۔ مصر کا دریاے نیل تاریخی اعتبار سے بے انتہا وقعت رکھتا ہے۔ لیکن دریاے ینگسٹی ہی سب سے کثیر التعداد انسانوں کی موت و حیات کا مدار ہے۔

شروع شروع میں یہاں انگریزوں کو امتیازات ملے۔ ورنگھائی کی برطانی تجارتی کمپنی نے ہانکاؤ میں ایک شاخ قائم کی۔ ۱۸۹۵ء کے بعد فرانس، مصر، جاپان اور جرمنی بھی ہانکاؤ میں پہنچ گئے۔

ہانکاؤ تجارتی اعتبار سے بہت بڑا مرکز ہے۔ جنگی نقطۂ خیال سے بھی اسکی اہمیت کچھ کم نہیں۔ بلکہ اسے دریاے ینگسٹی کی بالائی وادی کی کلید سمجھا جاتا ہے۔ یہاں لوہے اور فولاد کے بڑے بڑے کارخانے ہیں جن میں ہر سال دو لاکھ ٹن وزنی سامان تیار ہوتا ہے۔ یہیں چین کا سب سے بڑا کارخانۂ اسلحہ سازی ہے ایک بڑی بھاری کمپنی ٹکسال دو دوسرے کارخانے بھی ہیں جن میں ہزاروں کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔

ہانکاؤ کی آبادی کا صحیح اندازہ مشکل ہے تاہم بیان کیا جاتا ہے کہ اس میں سولہ لاکھ چھبیس ہزار نفوس آباد ہیں اس لحاظ سے یہ نہ صرف چین بلکہ سارے ایشیا کا سب سے بڑا شہر ہے اس شہر میں فرنگیوں اور جاپانیوں کی آبادی بارہ سو کے قریب ہے جن میں سے چھ سو انگریز، تین سو جرمن، ڈیڑھ سو روسی ہیں اور بقیہ فرانسیسی اور جاپانی ہیں۔

۱۹۱۱ء کے انقلاب میں اس شہر پر بڑی آفتیں نازل ہوئی تھیں۔ مدت تک اس پر گولہ باری

دلگداز

مولانا شررؔ مرحوم کی یادگار اردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جسنے زبان اردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹریچر سے بھر دیا خریدار کو ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور وہی سال مابعد کے چندے اور محصول ڈاک پر ایک روپیہ بارہ آنہ میں وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے۔ منیجر دلگداز لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شررؔ مرحوم

(تاریخ سوانحمری اور لکچر وغیرہ)

۱۔ جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات — عہ
۲۔ ابوبکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات — عہ
۳۔ حسن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ کے حالات — ۶ر
۴۔ خواجہ معین الدین۔ خواجہ اجمیری کے حالات — ۶ر
۵۔ ملکہ زنوبیہ۔ سلف کی ایک عربی شہزادی ملکہ — ۳ر
۶۔ سکینہ بنت حسینؓ۔ جناب سکینہ بنت امام حسینؓ — ۶ر
۷۔ قرۃ العین۔ ایران کی مشہور مجتہد زادی کے حالات — ۲ر
۸۔ ولادت سرور عالم۔ مولد شریف مصنفہ علامہ ابو الفرج ابن جوزی کا ترجمہ شررؔ کا نثر میں اور نظم کا نظم میں — ۸ر
۹۔ سفرنامہ امام شافعیؒ امام ممدوح کے سفر کے حالات — ۴ر
۱۰۔ سر سید کی دینی برکتیں۔ — ۲ر
۱۱۔ قانون وراثت اسلام پر مولانا کا ایک لکچر — ۴ر
۱۲۔ ہندوستان کی موسیقی — ۴ر
۱۳۔ ثانی اثنین۔ حضرت صدیق اکبر کے حالات — ۶ر
۱۴۔ ذی النورین۔ حضرت عثمان کے حالات — ۱۰ر
۱۵۔ ابو الحسنین۔ حضرت علی کے حالات — ۸ر

تاریخی ناول

۱۶۔ عزیزہ مصر۔ عہد بنی طولون کا تاریخی ناول — عہ
۱۷۔ فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ — ۶ر
۱۸۔ رومۃ الکبریٰ۔ روم پر عربی لوگوں کا حملہ — عہ
۱۹۔ مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول — عہ
۲۰۔ فلپانا۔ ارض جبل البرانس العرب پر صحابہ کا حملہ — عہ
۲۱۔ فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر — عہ
۲۲۔ قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق عرب اور اسکی معشوقہ لبنیٰ — عہ
۲۳۔ بعیت حسین۔ عہد صحابہ کا تاریخی ناول — عہ
۲۴۔ مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا — عہ
۲۵۔ ماہ ملک۔ غزنویوں کا عروج اور فتوحات — عار
۲۶۔ یوسف نجمہ کامل۔ جنگ بیتی مقدس بیتی — عہ
۲۷۔ ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی مکمل تصویر ہر دو حصہ — عہ
۲۸۔ جویائے حق۔ حضرت رسول اکرم کی سوانحمری بطور ناول حصہ اول عہ دوم عہ کامل — للعہ
۲۹۔ زوال بغداد۔ شیعہ سنیوں کی نا اتفاقی کا عبرتناک نتیجہ۔ بغداد کی تباہی۔ — عہ
۳۰۔ شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی۔ — عہ
۳۱۔ طاہرہ۔ نہایت دلچسپ تازہ ناول — عہ
۳۲۔ مینا بازار۔ مولانا کا سب سے اچھا ناول — عہ
۳۳۔ شیخی کا پھل۔ نہایت دلچسپ آخری تصنیف — عہ
۳۴۔ الفانسو۔ ایک عاشقانہ ناول — ۱۲ر
۳۵۔ ایام عباسی۔ سلطنت عباسیہ کے حالات ہر دو جلد — عہ
۳۶۔ حسن انجلینا۔ روس و روم کی لڑائی۔ — ۱۰ر
۳۷۔ فلورا فلورنڈا۔ عیسائیت کے عہد خلافت کے واقعات — عہ
۳۸۔ ملک العزیز ورجنا۔ رچرڈ شیر دل اور صلاح الدین اعظم — ۱۰ر
۳۹۔ منصور موہنا۔ سندھ میں ایک انصاری خاندان کے حالات۔ — ۱۰ر
۴۰۔ شہید وفا۔ — ۸ر

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

تصانیف مولانا عبد الحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

۴۱- آغا صادق کی شادی ایک دلچسپ قصہ ۱۰/
۴۲- حسن کا ڈاکو، حرامپور کے نواب کا اٹھالانا ہر دو حصہ عمہ/
۴۳- اسرار دربار حرامپور، حرامپور کے نواب کے
رہے سہے حالات ہر دو جلد ۱۰/
۴۴- غیب دان دلہن، حیرت انگیز غیب دانی عہ/
۴۵- خوفناک محبت، ہندوستان کی غریب دیوی
پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی عمہ/
۴۶- دلچسپ، مصنف کا پہلا ناول ۸/
۴۷- دلکش کامل ۱۴/

ڈرامے اور نظمیں

۴۸- اسیری بابل، گولڈ سمتھ کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ نظم میں ۴/
۴۹- زمانہ اور اسلام، ایک سرزد لدنی نظم ۱/
۵۰- شب غم- فراق کی بپتا بیان کی ہے ۱/
۵۱- شب وصل، فراق کے بعد وصل کا بیان ۱/

مضامین شرر

شاعرانہ و عاشقانہ دو حصے عہ/
تاریخی و جغرافی عہ/
گذشتہ لکھنؤ عمہ/
سیر رجال ے/
ختم سال و شروع سال عمہ/
سیر نسوان دو حصے ۱۰/
ادب و تحقیق مسائل عمہ/
اصلاح قوم و ملت عہ/
تاریخی واقعات پر خیال آرائی عمہ/
نظم و ڈرامہ عہ/

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد	قیمت	جلد	قیمت
جلد سنہ ۱۸۸۸ء	عمہ/	جلد سنہ ۱۸۹۰ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	عمہ/	جلد سنہ ۱۹۱۷ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	عمہ/	جلد سنہ ۱۹۱۸ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۰۵ء	عمہ/	جلد سنہ ۱۹۲۱ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	عمہ/	جلد سنہ ۱۹۲۲ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۲۳ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۲۴ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۲۶ء	عمہ/	جلد سنہ ۱۹۲۸ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۲۷ء	عمہ/	جلد سنہ ۱۹۲۹ء	عمہ/
جلد سنہ ۱۹۱۰ء	۱۰/	جلد سنہ ۱۹۱۰ء	۱۵/
جلد سنہ ۱۹۱۱ء	۱۰/	جلد سنہ ۱۹۱۳ء	عہ/

منتخب مضامین سنہ ۱۸۸۷ء ۱۰/

متفرق تصانیف

الحکم الرفاعیہ، سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ ۳/
حلیۃ العذرا، فارسی میں پین برجن کی تاریخ
ناولات محمدی صلعم اول عہ دوم عہ کامل ے/
معتزلہ، مولانا کا ایک دلچسپ لکچر ۱۲/
(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)
مرزا غالب کی شاعری، مرزا محمد عسکری صاحب بی اے
کا ایک محققانہ لکچر ۴/ (چار آنہ)
یادش عمل، رینالڈ کے مشہور ناول کا ترجمہ اول
عہ دوم عہ سوم عہ چہارم عہ پنجم عہ
رفع النقاب، مروجہ پردے کی تردید ۱۴/
اکادملی کی تاریخ پر مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۱۴/
رامائن کے بعض سین ۴/
تانیث بی بی، میاں کی حرکتوں پہ بی بی کی
نرم و نازک نکتہ چینی ۱۸/

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شررؔ مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۸ و ۹ بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۳۰ء جلد ۳۰

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق منیجر اور پرنٹر و پبلشر

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگجان میں

چھپ کر شائع ہوا

چندہ سالانہ ۔ عہ ۔ مع محصول ڈاک



ابن الاعرابی محمد بن ضیاد کوفی "عہد عتیق کے نامور علما میں ہیں! اور ترقی دین اور اشاعت فنون شرعیہ میں بہت کچھ حصہ ان کی کوششوں کا شامل ہی۔ عباس بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے غلاموں میں تھے۔ مگر بعض مورخین کا خیال ہی کہ بنی شیبان کے غلاموں میں تھے۔ فن لغت اور زبان عرب کے بہت بڑے مجتہدوں میں ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے ان کی شان میں لکھا ہے کہ "کان نحویاً عالماً باللغۃ والشعر" یعنی بہت بڑے نحوی تھے اور لغت و شاعری کے عالم تھے۔ ابن اعرابی کی پیدائش کا حال اسی عہد کے ایک نامور عالم تغلب نے خود انھیں کی زبان سے سن کے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے تھے "کہ جس رات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا ہے اسی رات کو میں پیدا ہوا" امام اعظم نے رجب سنہ ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ لہذا سمجھ لینا چاہیے کہ ابن اعرابی کا ایسا نامور نحوی اسی سال پیدا ہوا۔

افسوس اس عہد کے مورخین علما کے بچپن کے حالات اور ان کی زندگی کا زیادہ دلچسپ حصہ جو ابتدائے عہد میں گزرا تاریکی میں ہی۔ ہمیں بالکل نہیں نظر آتا کہ بچپن میں وہ کون سے کھیل کھیل رہے ہیں۔ کن صحبتوں میں ہیں۔ اور ماں باپ کے دامن شفقت میں ان کی کیونکر گذر رہی ہے۔ بہر حال اتنا پتہ چلتا ہی کہ جب سن شباب آیا اسوقت انھیں علم کا شوق ہوا۔ اور مشاہیر علمائے زمانہ کے صحبتہائے درس میں جاجا کے فیض اٹھانے لگے۔ ابو معویہ ضریر مفضل ضبی صاحب مفضلیات قاسم بن معن بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود اور علی بن حمزہ کسائی کے فیض صحبت سے مسائل عربیت اور غموض ادبیت کو حاصل کیا۔ اس کے علاوہ اس دور کے جو اور نامور اساتذہ اور مشائخ

تھے ان کی صحبتون سے بھی برکت حاصل کی اور رفتہ رفتہ علم و فن مین ایسی ترقی کی کہ ترحیثیت سے اپنے اقران پر سبقت لیگئے۔ جس طرح زمانے کے فضلا اور ناموروں کے نقش قدم کو وہ ڈھونڈھتے پھرتے تھے اسی طرح آخر زمانہ ان کی طرف متوجہ ہوا اور ہر شخص اُن کی زیارت اور اُن کے کمالات کا تتبع کرنے لگا۔ جس طرح ابتدائً خود فائدہ حاصل کرنے کے لیے کملاے دہر کی خدمت مین حاضر ہوا کرتے تھے اسی طرح تحصیل کے بعد عرصہ تک استقلال سے ایک مقام پر بیٹھے رہے۔ اور صدہا لوگون کا ہجوم فیض حاصل کرنے اور تحصیل علوم کے لیے ان کے گرد جمع رہا کرتا تھا۔ ابراہیم حربی۔ ابن سکیت۔ ابو العباس ثعلب جن کا نام تواریخ اسلام اور طبقات قدما مین جا بجا عزت کے ساتھ نظر آئے گا ان کو علامۂ ابن خلکان ابن اعرابی ممدوح کے تلامذہ مین بتاتے ہین۔

رتبۂ کمال پر پہونچ جانے کے قطع نظر زیادہ تر قابل تعریف یہ بات ہے کہ ابن اعرابی نے ذہن نہایت رسا پایا تھا۔ عجب باریک بین نظر اور تیز دماغ رکھتے تھے۔ فن لغت و عربیت مین انھون نے اپنے لاجواب ذہن کی تیزیان دکھائی ہین۔ اکثر علما و مصنفین پر اعتراض کیے ہین اور ائمۂ اہل لغت مین سے بہتون کو الزام دیا ہے۔ ابو عبیدہ اور اصمعی جو زبان عرب کے مشہور محققین شمار کیے جاتے ہین ان کے فیصلون کو اکثر جگہ غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ اپنے معرفین اور معتقدین مین بارہا اُن کی زبان پر آیا کہ ان دونون کو ویسی بصیرت زبان عرب و دقائق لغت مین نہ تھی جیسی کہ خیال کر لی گئی ہے۔ ایک اُن کی راے یہ بھی تھی کہ ضاد معجمہ اور ظاء معجمہ کا باہم تبادلہ یعنی کبھی ،،ظ،، کے مقام پر ،،ض،، کا استعمال کرنا اور کبھی ،،ض،، کے مقام پر ،،ظ،، لے آنا جائز ہے اس پر انھون نے اکثر قدیم اور مستند شعر کو سنداً پیش بھی کیا ہے۔

علامۂ جلال الدین سیوطی نے ابو العباس ثعلب سے جو ابن الاعرابی کے شاگردون مین تھے روایت کی ہے کہ وہ بزرگ فرماتے تھے "مین نے ابن اعرابی کی صحبتین اپنی آنکھ سے دیکھی ہین۔ اکثر سو سو کے قریب طلبہ حاضر ہوتے تھے۔ کوئی کچھ پوچھتا تھا اور کوئی پڑھتا تھا۔ اور وہ ہمیشہ بغیر مدد کتاب کے جواب دیتے تھے۔ مین کچھ اوپر دس برس تک ان کی خدمت مین حاضر رہا۔ مین نے درس دیتے وقت اُن کے ہاتھ مین کتاب نہین دیکھی اور نہ انھین طالب علمون کے سامنے تقریر کرتے

دیکھا جس مین اتنے واقعات بیان کرتے تھے کہ اگر مرتب کرکے لکھے جاتے تو اونٹون کے بوجھ ہوتے۔ اور علم شعر مین اُن سے بڑھ کے مین نے کسی کو نہین پایا۔"

اُن کی طرف طالبان علوم کا ایسا مرجع رہا کرتا تھا کہ اکثرون کے وطن اور مقام کی بھی ان کو کم خبر ہوتی تھی چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار انھون نے اپنے شاگردون مین سے دو کو آپس مین بحث کرتے دیکھ کے پوچھا "تمھارا وطن کہان ہی" ایک نے اپنا وطن اسبیجاب بتایا اور دوسرے نے اندلس۔ دونون کا بعد وطن خیال کرکے ابن اعرابی کو تعجب معلوم ہوا۔ اور اس تعجب کے جوش مین اُنھون نے یہ ایک شعر پڑھا۔

رفیقان شتی الّف الدھر بینا وقد یلتقی الشتی فیأتلفان

یہ شعر سُن کے طلبہ نے عرض کیا کہ اس پر اور شعر لگا کے اسے ایک پورا قطعہ بنا دیجیے یہان کیا دیر تھی اُنھون نے فی البدیہہ یہ اشعار لگائے۔

نزلنا علی قیسیۃ یمنیۃ لھا نسب فی الصالحین ھجان

یمن کے قبیلۂ قیس کی ایک خاندانی عورت پر ہمارا گزر ہوا جس کا سلسلۂ نسب نیکون اور اچھے لوگون سے ملتا تھا۔

فقالت وارخت جانب الستر بیننا لایۃ ارض او من الرجلان

اس نے ہمارے اپنے درمیان مین پردہ ڈال لیا اور ہم سے پوچھنے لگی۔ آپ دو صاحب جو ہمارے ہان آئے ہین کس سرزمین کے ہین اور کس خاندان کے ہین۔

فقلت لھا اما رفیقی فقومہ تمیم واما اسرتی فیمانی

مین نے کہا میرے یہ دوست تو قبیلہ تمیم کے ہین اور مین یمن کا رہنے والا ہون۔

رفیقان شتی الّف الدھر بیننا وقد یلتقی الشتی فیأتلفان

ہم دونون ایسے دوست ہین کہ باعتبار وطن ہم مین بڑا ہی فرق اور بُعد ہی۔ زمانہ نے ہم دونون کو ملا دیا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو جدا جدا شخص باہم ملتے ہین۔ اور ان مین دوستی و محبت اور ربط و ضبط پیدا ہو جاتا ہے۔

ابن اعرابی کو اپنے عہد مین ایسی مرجعیت عامہ حاصل ہو گئی تھی کہ بادشاہان اسلام اور خلفاے عہد بھی علمی اور ادبی مسائل مین اکثر ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامۂ سیوطی بیان فرماتے ہین کہ خلفاے عباسیہ مین سے واثق باللہ

ایک روز اپنے جلیسوں اور ہمصحبتوں مین بیٹھا خوشی کی گھڑیان گذران رہا تھا گانیوالے نغمہ ہاے دلکش گا گا کے اسے مسرور کر رہے تھے کہ ایک مغنی نے اپنی دلفریب تانون کے ساتھ ایک شعر گایا۔ اس شعر کے معنون پہ جو غور کیا گیا تو اہل صحبت مین اختلاف پیدا ہوا۔ واثق باللہ نے ان لوگون کی طرف متوجہ ہو کے کہا "اس فضول بحث کا کوئی نتیجہ نہین کسی استاد فن کو پہلے حکم قرار دے لو پھر اپنے اپنے استدلال بیان کرو۔ اور میرے نزدیک ابن اعرابی کے سوا اور کوئی ایسا شخص نہین ہے جو اس کا فیصلہ کر سکے۔" سبھون نے قبول کیا کہ ابن اعرابی کے فیصلہ کو قبول کرلین گے۔ اتفاقاً ان دنون ابن اعرابی سر من راے مین فروکش تھے۔ ان کے پاس آدمی بھیج کے دریافت کرایا گیا کہ اس شعر کا مطلب کیا ہوا۔ اور باہمی اختلاف کی صورت بھی بیان کر دی گئی انھون نے فیصلہ کیا کہ دونون معنی ہو سکتے ہین۔ اور ہر معنی پہ ایسی سند پیش کر دی کہ متخاصمین کو پورا اطمینان ہو سکتا تھا۔ وہ جواب واثق باللہ کو اس درجہ پسند آیا کہ اس کے صلہ اور انعام مین اُس نے دس ہزار درہم بطور نذر ابن اعرابی کی خدمت مین بھیجدیے۔

ابن اعرابی کا ذوق علمی بتانے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پہ ہم ایک اور واقعہ نقل کرین۔ علامہ سیوطی ہی اس حکایت کو بھی بیان کرتے ہین کہ احمد بن ابی عمرون تذکرۃً کہتے تھے کہ ایک دن مین ابوایوب احمد بن محمد بن شجاع کی صحبت مین تھا۔ انھون نے اپنے ایک غلام کو بلا کے حکم دیا کہ جاؤ ابن اعرابی کو بلا لاؤ۔ غلام گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کے کہنے لگا "انھون نے کہا ہے بہت سے اعرابی میرے پاس بیٹھے ہوے ہین ان سے ذرا فرصت ہو تو آؤن۔" اتنا بیان کر کے غلام نے کہا حالانکہ مین خود ان کے پاس گیا تو وہان کوئی شخص نہ تھا صرف چند کتابین البتہ پڑی ہوئی تھین۔ ان ہی کتابون کے مطالعہ مین وہ مشغول تھے۔" لوگون کو یہ سُن کے حیرت ہوئی۔ اور تعجب کرنے لگے کہ ان کو نہ آنا تھا تو نہ آتے۔ جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد خود ابن اعرابی آگئے۔ ابوایوب نہایت خلق و ادب سے پیش آیا۔ جب بیٹھ چکے تو لوگون نے پوچھا کہ "یہ آپ نے کیا کہلا بھیجا کہ میرے پاس اعرابی لوگ بیٹھے ہوے ہین۔ حالانکہ غلام اپنی آنکھون

دیکھی بیان کرتا تھا کہ وہان کوئی بھی نہ تھا۔ بیٹھے کتابین دیکھ رہے تھے۔"

یہ سُن کے ابن اعرابی نے یہ اشعار پڑھے :-

لنا جلساء ما نمل حدیثهم — الباء مامونون غیبا ومشهدا

ہمارے چند ایسے ہم صحبت ہین جن کی باتون سے کبھی دل نہین سیر ہوتا۔ جو دانا ہین اور ہوشیار ہین اور اُن پر نیز سامنے اور نیز پیٹھ پیچھے اعتبار رہتا ہے۔

یفیدوننا من علمهم علم ما مضی — وعقلا وتادیبا ورایا مسددا

جن کے علم سے ہمین حالات گذشتہ کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور عقل ادب اور مضبوط رائین حاصل ہوتی ہین۔

فلا فتنة تخشی ولا سوء عشرة — ولا نتقی منهم لسانا ولا یدا

اُن کی صحبت سے نہ تو ہمین کسی قلقش کا ڈر ہوتا ہے۔ نہ ہمارے لطف مین فرق آتا ہے اور اُن کی زبان اور اُن کے ہاتھ سے ہم ہمیشہ محفوظ رہتے ہین۔

فان قلت اموات فما انت کاذب — وان قلت احیاء فلست مفندا

اگر تو کہے کہ وہ لوگ مردہ ہین تو تو جھوٹا نہین ہے اور اگر کہے کہ وہ زندہ ہین تب بھی تو سچ کہتا ہے۔

ابن اعرابی کے حرکات وسکنات نہایت پسندیدہ تھے۔ زندگی باوجود اس مرجعیت عامہ کے خاص اپنے قوت بازو سے اور اپنی محنت سے سرتہ ہم ہونچا کے بسر کرتے تھے اور اچھی بسر ہوتی تھی۔ کتابت کرتے تھے۔ اور صرف کتابت کے ذریعہ سے ان کو ماہوار ایک ہزار درہم کی آمدنی ہوتی تھی۔ جس پر سارا خاندان باطمینان گذر کرتا تھا۔ ۲۳۱ھ ماہ شعبان مین اس جہان سے انتقال کیا۔ اور اپنی یادگار مین آنے والی نسلون کے فائدہ کے لیے قیمتی تصنیفات چھوڑ گئے۔ جن کا شمار تیرہ کے قریب بیان کیا گیا ہے۔ خاص احمد ابن ابی داؤد دایادی نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور عام لوگون کے سوا بہت سے اُمرا وعلما نے اُن کے جنازے مین شرکت کی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تہذیب اور طرز حکومت

زمانہ کی تہذیب اور شائستگی مین ترقی کرنے کے ساتھ انسان کی حالتون اور گورنمنٹ کے قانونون اور ضابطون مین طرح طرح کے انقلابات پیدا ہو جاتے ہین ناشائستہ زمانے مین تمام بنی آدم لڑائیان لڑنے کو طیار بیٹھے رہتے تھے۔ شاید آرام طلبی کے خیال سے جنگی حملون سے گھبراتے ہون تو گھبراتے ہون مگر اُن کی بہادری اور ناموری کا پیدا کرنیکے حوصلہ اور لوٹ مار کی دلی خواہش یہ سب باتین ایسی ہوتی تھین کہ اُن کے لحاظ سے وہ جنگی حملون کو کبھی ناقدری کی نظر سے نہین دیکھتے تھے۔ اگر کسی قبیلہ کا سردار اُن قبیلہ والون سے اپنے غنیم کے مقابلہ مین مدد لینا چاہتا تھا تو وہ بہت شوق اور سرگرمی سے اپنے سردار کی خواہش کو پورا کرتے تھے۔ نصرت و فتح۔ ہزیمت اور شکست مین اپنے سردار کا یکسان ساتھ دینا فرض منصبی سمجھتے تھے نہ کہ بیگار۔ چونکہ آئے دن ان کو دشمنون سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے ان کو ہتھیارون کو استعمال مین لانا سکھایا جاتا تھا۔ اور اس مین وہ مشق اور تجربہ بہم پہونچایا جاتا تھا کہ جس حد تک اُس زمانہ مین فن جنگ کے متعلق معلومات ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسی تدبیر تھی کہ جس سے بغیر دوسرے اصراف کے ایک بے قاعدہ مگر طاقتور فوج ہمیشہ تیار رہتی تھی کہ جو بوقت ضرورت ایک ذرا سے اشارے پانے پر میدان جنگ مین آکر اپنے ملک کی حفاظت مین جان لڑا دیتی تھی۔

جبکہ قیصر روم نے ہیلوٹی لوگون پر فوج کشی کی ہے تو وہ بانوے [۹۲] ہزار جنگ آزمودہ لوگون کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ گویا یہ تعداد کل آبادی کا ربع تھی۔ یہ اسی کا سبب تھا کہ جو مختلف وقتون مین یورپ کے شمالی ناشائستہ حصون مین سے وہان کے باشندون کے جوق کے جوق بے اندازہ سیلاب کی طرح نکلکر روم کبیر کے متفرق صوبون مین آکر تہ و بالا کر جاتے تھے۔ یہ بھی اسی کی وجہ تھی کہ جو یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتین صلیبی جھنڈے کے پیچھے اس قدر بے شمار طاقتین سہولت کے ساتھ مشرق

کی عظیم الشان اور جلیل القدر قوت کے مقابلہ مین لے آتی تھین۔ اور یہی وجہ ہے جو ہم سے کسی قدر اگلے مورخین کے اس مبالغہ آمیز بیان کو سچ تسلیم کراتی ہے کہ جس مین اُنھون نے قیاس سے زیادہ فوجون کی تعداد ہمارے سارے لاکھون کی کر دی ہے۔

ملک مین جون جون امن اور باقاعدہ انتظام بیٹھتا گیا دُون دُون ایسی باتین اٹھتی گئین کہ جو ناشائستہ سوسائٹی مین اکثر بدانتظامی اور ابتری کی وجہ سے پیدا ہوتی تھین۔ جب گورنمنٹ کو اس قدر مقدرت حاصل ہوئی کہ ہر شخص کو دوسرے شخص کے ظلم و زبردستی سے محفوظ رکھنے لگی۔ اور آپس کی خانہ جنگیان جو اُن لوگون مین ہمیشہ برپا رہتی تھین اُن کا بھی اُس نے حسب دلخواہ تدارک کر دیا۔ تو عام طور پر جنگی جوش پھیکا پڑ گیا ہے۔ وہ لوگ کہ جن کو صرف قومی حمایت یا تیج ہی مین جنگ آزمائی کا اتفاق پڑتا تھا۔ اس امن و امان کی حالت مین ان کے جنگی حوصلون مین بھی ایک طرح کی پستی آ گئی۔ اور رفتہ رفتہ فنون جنگ سے محض ناآشنا ہو گئے۔

جب دنیا نے اپنی خوش حالی سے صنعت و حرفت مین ترقی کرنا شروع کی تو وہ لوگ جو اُس کے ذریعہ سے ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے آسانی اور آرام کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ ان لوگون کو فوجی مشقتون مین پڑنے اور جنگی خطرات مین اپنی جان کو ڈالنے سے اور بھی نفرت ہو گئی۔ اسی زمانے مین اسی صنعت و حرفت کی بدولت وہ وہ مفید شغل اور کاروبار نکل آئے کہ جن مین بیکار بیٹھے ہوے آدمیون کی بھی کھپت ہو گئی۔ ہر ایک قسم کے تجارت پیشہ و اہل حرفہ لوگ بھی پیدا ہو گئے۔ کہ جو اپنے دشمنون کی لوٹ مار کے موہوم اور عارضی فائدہ کے مقابلہ مین اپنے اپنے کاروبار کسی طرح نہین چھوڑتے تھے۔ انھین کاروبار کے لحاظ سے ملک کا ایک بہت بڑا حصہ کچھ لڑائی مین کام دینے کے قابل ہی نہ رہا۔ اور کچھ اس قسم کے جذبات کی بجا آوری سے متنفر ہو گیا۔ اسی لیے جب ضرورت کے وقت پرانے اصول کے بموجب میدان جنگ کے لیے وہ لوگ بلائے جاتے تو اپنے عوض کچھ روپیہ گورنمنٹ کو دے کر اس زحمت سے جان بچا لیتے۔ بادشاہ وقت یا حاکم وقت اس رقم کے ساتھ اُن کی معذرت کو قبول بھی کر لیتے تھے۔ اس رقم سے وہ ایسے ایسے لوگون کو اجرتا پر فوج مین بھرتی کر لیتے تھے کہ جن کو کہین اور اس سے بہتر دوسرا روزگار نہین ملتا تھا۔

یا اُن شخصون کو جنھون نے اپنے خیال مین جنگی پیشہ کرنے کا گویا ٹھیکہ لے رکھا تھا- چونکہ یہ تمام لوگ جو اس طرح پر بھرتی کیے جاتے تھے- ہمیشہ اُجرت پاتے رہتے تھے- اور اس کے سوا کوئی اور دوسرا معاش کا ذریعہ اُن کے پاس ہوتا نہین تھا- اسوجہ سے وہ پورے طور پر اپنے افسر کے کہنے مین رہتے تھے اور جب تک وہ چاہتا تھا یہ لوگ اس کی خدمت کی بجا آوری مین مستعد رہتے تھے- حاکم وقت کو بھی ان کی بھرتی پر بڑی بڑی معرکہ آرائیان کرنے کی ہمت بندھتی تھی- اور بڑے بڑے منصوبے گانٹھنے کی جرأت ہوتی تھی- جو لڑائیان جھگڑے پہلے ہفتون مین طے ہو جایا کرتے تھے اب وہ رفتہ رفتہ زیادہ طول کھینچنے لگے- اور یہ طول کھینچنا ہی گویا فن سپاہ گری مین مناسب اور مفید ترقی کا سبب ہوا- جب بہت سے خرچ کے بعد لوگون کی معتدبہ تعداد فوج مین بھرتی کی گئی- اور ایک عرصہ کی تعلیم اور تجربہ کے بعد وہ جنگ کی معرکہ آرائی کے لائق بنائے گئے- اس وقت بادشاہ کو یہ مناسب معلوم ہوا کہ امن وامان کے دنون مین بھی ایسے آدمیون مین سے چند آدمی تنخواہ دیکر ہمیشہ کے لیے رکھ لیے جادین-

جہان کہین اُن کی ضرورت ہو وہ بلاجستجو و تلاش تیار مل سکین- اس طرح پر فوج بھرتی کرنے کے قاعدہ سے ہمارے زمانۂ حال کے باقاعدہ اور مستقل فوج قائم رکھنے کا قاعدہ نکل آیا-

سپاہ گری کے کاروبار ایک جداگانہ پیشہ کی صورت مین ہو گئے اور اس پیشہ اختیار کرنے والون کا طبقہ ہی علیحدہ ہو گیا- باقی ماندہ لوگ مختلف کاروبار مین لگ گئے- ان لوگون کی طبیعتون مین سے جنگی مذاق بالکل جاتا رہا- بلکہ یہان تک ہوا کہ وہ لوگ ہتھیار تک باندھنے کے بھی عادی نہ رہے-

ایسے لوگون کی جان و مال کی حفاظت اُنھین لوگون پر منحصر ہو گئی کہ جن کو وہ اس غرض خاص کے لیے اپنی طرف سے نوکر رکھتے تھے-

فوجی سسٹم مین جب سے یہ عظیم تبدیلی و تغیر واقع ہوا تھا اسی وقت سے اگلے زمانہ کی تمام تہذیب یافتہ اور شائستہ اقوام اسی پر کاربند ہو گئی تھین چنانچہ دو ہی تین صدیون سے کچھ اوپر زمانہ گزرا کہ جب سے یہ قاعدہ پورے طور پر

یورپ کی اکثر سلطنتون مین جاری ہے۔

بادشاہ کی طاقت بڑھانا اور اس کے اختیارات کو وسعت دینا ان باتون کی طرف فوج کا زیادہ خیال رہتا تھا۔ کیونکہ فوج بادشاہ کے قبضۂ اختیار مین ہوتی تھی اور جو لوگ فوج مین بھرتی ہوتے تھے اُن کو اپنی سرفرازی کا سہارا اور بھروسا سوا بادشاہ کی ذات کے اور کسی سے نہین ہوتا تھا۔

ان لوگون کا گروہ کہنا چاہیے یا فرقہ وہ اور لوگون سے بالکل ممیز اور جدا رہتا تھا۔ اس لیے ان لوگون کو اپنے ہم ملکون کے حقوق کی بھی چندان پروا نہین رہتی تھی۔ ہر حالت اور ہر صورت مین وہ بادشاہ کا حکم ماننے پر مجبور تھے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ جو فوج بیرونی حملہ روکنے اور اندرونی جھگڑون اور فساد فرو کرنے کی غرض سے رکھی جاتی تھی وہی اپنے ہم ملک لوگون کی آزادی برباد کرنے مین بھی کام دے جاتی تھی۔

اسلام کی مذہبی حالت

یورپ کی آزادیان اس درجہ بڑھ گئی ہین کہ جس طرح وہان کے اہل علم نے روحانی آئین عیسوی کو چھوڑ کے اپنے اختراع کیے ہوے نظام عالم کو اپنا مذہب قرار دے لیا اسی طرح وہ چاہتے ہین کہ اہل اسلام بھی اپنی شریعت محمدیہ کو ترک کر کے اعتقادات کے متعلق اپنے مذہب کے آپ ہی بانی اور شارع بن جائین۔ چنانچہ اکثر یورپین آزاد مشرب لوگون کو حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت تک اہل اسلام ان کے ایسے کیون نہین ہو گئے۔ مسلمانون کی اس عمدہ اور عام رفتار پر اُن کو بڑی حیرت ہے کہ وہ ہر بات مین آج تک قرآن کی طرف رجوع کیا کرتے ہین۔ مسلمانون مین بڑی بڑی مذہبی اور اعتقادی تفریقین پیدا ہوئین اور ہوتی جاتی ہین۔ لیکن تاہم ان کا عام مسلک اس عہد تک قرآن پاک کی اس آیۂ کریمہ پر ہے کہ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" یعنی اے اہل اسلام اگر تم مین

باہم کسی بات پر جھگڑا ہو تو اس مسئلہ باب النزاع کو خدا اور اس کے رسول کی طرف پھیرو، یعنی جو فیصلہ قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ہو جائے اس پر عمل کرو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کی تمام حرکات و سکنات کا مرجع وحی الٰہی اور کلام حضرت رسالت پناہی صلعم پر ہوتا ہے۔ بخلاف مسیحیون کے جنھون عہد جدید و عہد عتیق دونون کو صرف رسم کے طور پر گرجے کی خدمات پوری کرنے کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ مسلمانون کے مذاق مین عیسائیون کو اس موقع پر متحیر نہین نادم ہونا چاہیے تھا کہ اُنھون نے اپنے دین کو چھوڑ دیا اور مسلمان لوگ باوجود ہر طرح کی دنیاوی تباہیون کے اپنے مذہب پر اسی طرح استقلال سے جمے ہوے ہین۔ مگر نہین یورپ کی آزادی اعتدال سے گذر کے اس درجہ پر پہونچ گئی ہے کہ اُن کو یہ ندامت بھی نہین ہوتی کہ ان کے قدیم دین پر کیا گزر گئی بلکہ اس درجہ سے بھی تجاوز کر کے اب وہ اکثر حیرت کے لہجہ مین پوچھ بیٹھا کرتے ہین کہ "مسلمان آج تک اپنے مذہب پر اسی طرح قائم ہین"!

ہمارے نزدیک اسلام کا یہ کوئی جدید فخر نہین ہے۔ قدیم سے مسلمانون کی ایسی ہی حالت چلی آئی ہے وہ عہد جبکہ دین اسلام مین فلسفۂ یونان داخل ہو گیا تھا اور باوجودیکہ رومیون اور یونانیون نے محض بدنیتی سے اور صرف ضرر پہونچانے کے لیے اُن کو فلسفہ کی کتابین دی تھین۔ اور مسلمانون کو ایک حد تک ضرر پہونچا بھی۔ یعنی ایک فرقہ معتزلہ کا پیدا ہو گیا۔ لیکن اس کے مقابلہ مین متکلمین کا بھی ایک قوی اور زبردست فرقہ پیدا ہوا۔ جس نے اسلام کو اپنے اُنھین سادے اصول کے ساتھ فلسفہ کی زمین پر قائم کر دیا۔ اس کے بعد سے پھر جتنے مسلمان علماے معقولین ہوے اُن سب نے اسلام کی اسی طرح اور اُسی حسن عقیدت سے قدر کی جس عقیدت سے ایک جاہل مسلمان تعلیمات پیغمبر عرب صلعم کا فریفتہ تھا۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اب اس کے خلاف کوشش کی جاتی ہے۔ اور جن لوگون نے مسلمانون کی تعلیم کا بار اپنے ذمہ لیا ہے وہ اس فخر کی نگاہداشت کی کوئی تدبیر نہین کرتے۔

پوسٹ ماسٹر

ہمارے کمسن پوسٹماسٹر نے پہلے پہل علی پور مین کام شروع کیا اس چھوٹے سے گانوُن مین ایک نیل کا کارخانہ تھا - جس کا مالک ایک انگریز تھا - اسی نے وہان ایک پوسٹ آفس کھلوا لیا تھا -

یہ پوسٹماسٹر کلکتہ کا رہنے والا تھا جو اس ویرانے مین ماہی بے آب کی طرح بیقرار رہا کرتا تھا - اس کا دفتر اور گھر ایک تنگ و تاریک جھونپڑی مین تھا - جس کے پاس ہی ایک تالاب تھا اور ادہر ادہر درختون کے جھنڈ -

کارخانہ کے ملازمون کو فرصت کم ملتی تھی علاوہ ازین وہ خواندہ آدمیون کی صحبت کے قابل بھی نہ تھے اور کلکتہ کا یہ نوخیز نوجوان دوسری قسم کے لوگون سے میل جول کا عادی تھا - مگر یہان اُسے اس قسم کا کوئی آدمی نہ مل سکتا تھا جسے وہ اپنا دوست بناتا -

وہ کبھی کبھی شاعری بھی کیا کرتا تھا اور عموماً اس قسم کے خیالات اشعار مین ظاہر کرتا مثلاً "پتون کی جنبش اور بادلون کی حرکت زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے کافی ہے" اگر الف لیلہ کا جن ایک ہی رات مین درختون پتون اور تمام چیزون کو اڑا کرلے جاتا - اور بادلون اور بلند عمارتون کو نظرون سے پوشیدہ کرلیتا تو وہ اس کو نئی زندگی کا ایک تحفہ خیال کرتا -

اس غریب کی تنخواہ بہت تھوڑی تھی لہذا وہ اپنی روٹی خود پکاتا - اور اس گانون کی ایک یتیم لڑکی رتن کو کھانے مین شریک کرلیتا جو اُس کی خدمت کیا کرتی تھی شام کے وقت جب گانون کے ہراک گھر سے دھوین کے بادل اٹھنے شروع ہوتے اور ہر طرف سے جھینگرون کی "چی چی" کی آوازین فضا مین گونجنے لگتی! جب دیہاتی کسی جگہ جمع ہو کر طرح طرح کے راگ الاپتے - جس وقت ایک شاعر بانس کے پتون کی سرسراہٹ کا نظارہ دیکھ کر بھوت پریت کے خیال سے تھرتھرا اپنے جسم پہ محسوس کرنے لگتا اس وقت یہ ہمارا پوسٹ ماسٹر اپنا لیمپ روشن کرتا - اور پکارتا "رتن"!

رتن جو باہر بیٹھی ہوئی اس کی آواز کی منتظر رہتی جواب دیتی "کیا آپ نے

مجھے یاد فرمایا ہے"۔

"تم کیا کر رہی ہو" مین باورچی خانہ مین آگ جلانے جاتی ہون"۔

"وہ کہتا" پہلے مجھے حقہ تو پلا دو"۔

اور رتن خوش خوش کو ئلون کو پھونکین مارتی ہوئی اندر آجاتی اور پوسٹماسٹر کو باتین کرنے کا موقع مل جاتا۔

رتن! کیا تمھین اپنی مان بھی یاد آتی ہے۔

یہ موضوع رتن کے لیے بہت خوشگوار تھا۔ اس کو اس از یاد رفتہ عہد کی چند باتین یاد تھین۔ اُس کا باپ مان کی بہ نسبت اس کو زیادہ چاہتا تھا۔ شام کے وقت اس کا کام پر سے واپس آنا۔ رتن کو اچھی طرح یاد تھا۔ وہ پوسٹماسٹر کے پاس فرش پر بیٹھ جاتی اور اپنے چھوٹے بھائی کو یاد کرتی جو برسات کے موسم مین تالاب کے کنارے اس کے ساتھ مچھلیان پکڑا کرتا تھا۔ باتین کرتے کرتے رات ہو جاتی۔ آخر رتن جلدی سے اُٹھ کر آگ جلاتی اور کچی پکی روٹیان پکالیتی۔

کبھی کبھی شام کو جھونپڑی مین کرسی پر بیٹھے بیٹھے پوسٹماسٹر ایام گزشتہ کی یاد مین مستغرق ہو جاتا گھر۔ مان۔ باپ۔ بھائی۔ بہن۔ ایک ایک کر کے اسے یاد آتے۔ اور اسکا دل وقف اضطراب ہو جاتا۔ اگرچہ اُن کی شکلین ہمیشہ اس کی آنکھون کے سامنے پھرا کرتی تھین۔ مگر وہ کبھی کسی پر نہ ظاہر کرتا تاہم بعض اوقات وہ رتن کی موجودگی مین سب کچھ صاف صاف کہہ جاتا تھا۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ رتن کو پوسٹماسٹر کے رشتہ کے دارون سے غائبانہ الفت ہو گئی اور اُنکو درجہ بدرجہ مان باپ بھائی بہن تصور کرنے لگی۔ ان کی خیالی تصویرین اس کے صفحۂ دل پر منقوش ہو چکی تھین۔

ایک دن برسات کے موسم مین دوپہر کے وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہری ہری گھاس اور سرسبز پتون کی جنبش سے جو ہوا نکلتی تھی وہ گویا گرم گرم سانس تھی ایک پپیہا اپنے نالہ ہاے شرر ریز سے سننے والون کے قلوب مین آگ لگا رہا تھا۔ پوسٹماسٹر اپنی جھونپڑی مین بیکار بیٹھا ہوا اس آتشین نظر کے نظارہ مین محو تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ "کاش اس وقت میرا کوئی دوست موجود

ہوتا۔ صرف ایک ہستی ہے جس کو مین اپنے دل مین جگہ دے سکتا ہون۔ پپیہا بھی تو بس اسی کو پکار رہا ہے۔ پتون کی سرسراہٹ سے بھی یہی آواز آرہی ہے ۔"

مگر کسی کو کیا خبر کہ ایسے نازک خیالات ایک غریب پوسٹ ماسٹر کے دل مین بھی سما سکتے ہین۔ پوسٹ ماسٹر نے ایک لمبی سانس لے کر کہا "رتن"،

"رتن باہر ایک درخت کے نیچے لیٹی ہوئی کچے پھل توڑ توڑ کر کھا رہی تھی آواز سن کر یہ کہتی ہوئی دوڑی "دادا۔ کیا تم نے مجھے بلایا ہے ۔"

پوسٹماسٹر "مین تمھین تعلیم دینے کی فکر مین ہون ۔"

شام تک وہ رتن کو الف بے سکھاتا رہا۔ رتن چند دنون مین حرف شناس ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسات کبھی ختم نہ ہوگی۔ خندقین گڈھے سب پانی سے لبریز تھے رات دن بارش ہوتی رہتی تھی۔ مینڈکون کی آوازون نے ایک حشر برپا کر رکھا تھا پانی کی کثرت سے سڑکین دشوار گذار ہو گئین تھین راستہ چلنا دشوار تھا۔ ایک دن صبح کے وقت آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ رتن دیر سے آواز کی منتظر تھی۔ جب کوئی حکم نہ ملا تو وہ کتاب ہاتھ مین لیکر آہستہ سے کمرے مین داخل ہو گئی۔ پوسٹ ماسٹر بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کو سوتا ہوا سمجھ کر وہ واپس لوٹنے لگی۔ لیکن ایک دھیمی آواز اس کے کان مین آئی "رتن"، اس نے پوچھا" دادا کیا تم سو رہے ہو ۔"

پوسٹ ماسٹر نے کمزور آواز مین جواب دیا "مین بیمار ہون۔ میرے سر کو دیکھو کتنا گرم ہے ۔" وہ اس غریب الوطنی کی مصیبت اس بھیانک ویرانے۔ اس برسات کے اندھیرے اور اس ٹپکتے ہوئے جھونپڑے مین ایک نازک اندام تیمار دار کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی گرم پیشانی پر کسی نرم نازک ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس کرنا چاہتا تھا یعنی وہ جنس لطیف کی موجودگی کا خواہشمند تھا مان اور بہن کی جدائی اسے بے چین کر رہی تھی۔ مگر اس کو اس کی تمنا مین ناکامی نہ ہوئی۔ اب رتن بچی نہ تھی۔ وہ حکیم کو بلاتی۔ مناسب وقت پر بیمار کو دوا پلاتی ساری رات اس کے سرہانے بیٹھی رہتی۔ کھچڑی پکاتی اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پوچھتی "دادا کیا اب تم اچھے ہو ۔"

ابھی پوسٹماسٹر کمزوری کے باعث بستر علالت سے اٹھنے کے قابل نہ تھا کہ اس نے اپنے تبادلے کی درخواست بھیجدی۔

پوسٹماسٹر اچھا ہو گیا۔ اس کی تیمارداری سے فارغ ہو کر رتن نے پھر دروازے کے باہر اپنا سابقہ جائے نشست پر بیٹھنا شروع کر دیا۔ مگر اب پوسٹ ماسٹر کے پکارنے کی آواز نہ سنائی دیتی۔ وہ کبھی کبھی دروازے سے جھانک لیا کرتی۔ پوسٹ ماسٹر کرسی پر بیٹھا ہوا یا بستر پر لیٹا ہوا ٹکٹکی باندھے چھت کی طرف دیکھتا رہتا۔ رتن اس کی آواز کی منتظر تھی اور وہ اپنی درخواست کے جواب کا۔ لڑکی اپنا آموختہ بار بار دوہراتی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو وقت پر حروف یاد نہ رہیں۔ ایک ہفتہ کے انتظار کے بعد پوسٹ ماسٹر نے اسے پکارا۔ رتن خوشی کے مارے اچھل پڑی۔ اور حسب عادت چلائی "دادا! آپ مجھے بلا رہے ہیں؟"

"رتن میں کل جا رہا ہوں"

"دادا تم کہاں جا رہے ہو"

"میں گھر جا رہا ہوں"

"واپس کب آؤ گے"

"اب میں واپس نہیں آؤں گا"

رتن خاموش ہو گئی۔ پوسٹماسٹر اپنی درخواست کی نامنظوری اور استعفے کا حال سناتا رہا۔ کچھ دیر تک دونوں خاموش رہے۔ لیمپ کی دھندلی سی روشنی دونوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ جھونپڑی کے کونے سے پانی کے قطرے ٹپک ٹپک کر ایک مٹی کے برتن میں گر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد رتن اٹھی اور کھانا تیار کرنے چلی گئی۔ اس کے ننھے سے دماغ میں بہت سے خیالات جمع ہو گئے۔ کھانے کے بعد اس نے پوچھا "دادا کیا تم مجھے بھی ساتھ لے چلو گے"

پوسٹ ماسٹر ہنس پڑا اور بولا "کیا عجب خیال ہے"۔ مگر اس نے لڑکی کی سادہ لوحی اس پر ظاہر نہ کی۔

ساری رات سوتے جاگتے پوسٹ ماسٹر کا یہ تمسخر آمیز جواب رتن کے دماغ میں چکر لگاتا رہا۔ "کیا عجب خیال ہے۔"

پوسٹ ماسٹر صبح کو نہانے کا عادی تھا۔ لیکن دریا میں نہانا اسے پسند نہ تھا۔ وہ سوا اُٹھ کے گھر ہی میں گھڑوں کے پانی سے نہایا کرتا تھا۔ رتن کو اس کی روانگی کا وقت معلوم نہ تھا اس خیال سے وہ طلوع آفتاب سے پہلے ہی ندی سے پانی بھر لائی تھی پوسٹ ماسٹر نے بیدار ہوتے ہی غسل کیا۔ اور پھر رتن کو آواز دی وہ بغیر آواز دیئے اندر چلی گئی اور پوسٹ ماسٹر کے چہرے کو حسرت سے تکنے لگی۔

"رتن! تمہیں میرے جانے پر افسوس نہ کرنا چاہیے میں اپنے جانشین کو تمہاری خبر گیری کے لیے تاکید کر دوں گا۔"

گو یہ الفاظ مربیانہ ہمدردی سے پُر تھے۔ مگر عورت کا احساس قلب ایک نرالی چیز ہے رتن جو آقا کی لعنت ملامت کو بغیر چون و چرا برداشت کرتی رہی تھی ان لطف آمیز الفاظ کی متحمل نہ ہو سکی وہ بے اختیار رو پڑی اور کہنے لگی "نہیں نہیں آپ میرے متعلق کسی کو نہ کہیں میں اب یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی پوسٹ ماسٹر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے رتن کی یہ حالت پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

نیا پوسٹ ماسٹر آگیا اور پُرانا پوسٹ ماسٹر چارج دے کر روانگی کی تیاری میں مصروف ہوا اس نے رتن کو بلا کر کہا "لو یہ روپیے تمہارے لیے کچھ مدت کو کافی ہوں گے" یہ کہہ کر اس نے ایک مہینے کی پوری تنخواہ جیب سے نکالی۔

مگر رتن اس کے پاؤں پر گر پڑی اور رو رو کے کہنے لگی۔

"دادا۔ خدا کے واسطے مجھے کچھ نہ دو میری فکر نہ کرو" یہ کہہ کر وہ بھاگی اور پوسٹ ماسٹر کی نظروں سے غائب ہو گئی۔

پوسٹ ماسٹر نے ایک آہ سرد کھینچی بستر اُٹھایا ٹرنک ایک نوکر کے سر پر رکھا اور چھتری کندھے پر رکھ کر کشتی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کشتی چل پڑی دریا برسات کی وجہ سے زور و شور سے موجیں مار رہا تھا۔ گویا زمین کی آنکھوں سے آنسو اُبل رہے تھے یہ کیفیت دیکھ کر پوسٹ ماسٹر کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ رتن کا معصوم چہرہ اس کی نظروں کے سامنے زبان حال سے بیوفائی کی شکایت کرنے لگا۔ اب وہ فوراً واپس جا کر اس

بیکس بچی کو واپس لانے کے لیے تیار ہو گیا۔ مگر بادبان ہوا سے بھر چکے تھے کشتی کی رفتار تیز ہو چکی تھی اور گاؤن بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

دریا کے امواج کی موجون کے ساتھ سفر کرنے والا مسافر دوستی اور جدائی کے فلسفانہ مضامین مین محو ہو گیا۔ اور اس جدائی پر غور کرنے لگا۔ جس کے بعد کوئی ذی روح دنیا مین واپس نہین آسکتا۔

مگر رتن کے پاس کوئی منطق نہ تھی۔ وہ زار زار روتی تھی۔ اور آنسوؤن کا مینھ برساتی ہوئی ڈاکخانہ کے ارد گرد دوڑتی پھرتی تھی۔ شاید اس کو اب بھی یہ امید تھی کہ پوسٹ ماسٹر واپس آجائے گا اور یہی سبب تھا جو اسے وہان سے جانے نہ دیتا تھا۔

ہماری حماقت آمیز بشریت قابل افسوس ہے۔ ہم اپنی تمناؤن سے بھری غلطیون کو درست جانتے ہین اور اسکے خلاف کوئی یقینی ثبوت بھی قابل یقین تصور نہین کرتے۔ افسوس ایک شخص کسی موہوم امید کے پیچھے اپنے کو اس طرح مٹا دیتا ہے کہ ایک دن اس کا افسردہ دل مردہ حسرتون کا مزار بن کر رہ جاتا ہے اور پھر حقیقی معنون مین نہ دل ہوتا ہے نہ دل کی تمنا ئین۔ اور نہ وہ امید ہی باقی رہتی ہے جس نے زندگی کا سارا بنا بنایا کھیل بگاڑ ڈالا۔

ریویو

کشف الظلام فی ترجمہ شفا السقام یعنی۔ شفاء السقام کا اردو ترجمہ۔ شیخ الاسلام علامہ تقی الدین سبکی کی معرکۃ الارا کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام کا تصوف اور علمی دنیا مین جو مرتبہ ہے وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہین۔ ایک عرصہ سے اس کتاب کے اردو ترجمہ کی شدید ضرورت محسوس کیجاتی تھی الحمد للہ کہ جناب مولانا شاہ محمد عزیز الدین صاحب پھلواروی خویش و خواہرزادہ جناب حضرت صاحب سجادہ خانقاہ مجیبی مدظلہ العالی نے یہ بڑا کام اپنے ذمہ لیا اور بڑی خوبی کے ساتھ پورا کیا۔ ترجمہ کے ساتھ ساتھ مصنف کی سوانح حیات اور ایک مقدمہ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

علامہ سبکی نے یہ تالیف دراصل شیخ ابن تیمیہ کے بعض نرالے معتقدات کی تردید مین کی ہے۔ اس کتاب مین جن مسائل پر خاص کر بحث کی گئی ہے ان مین سے بعض سے خود ابن تیمیہ کو بھی اختلاف نہین ہے۔ اور وہ حسب ذیل ہے:۔

زیارۃ قبور۔ استمداد۔ توسل۔ تشفع۔ حیاۃ۔ انبیاء و شہدا۔ مقام محمود۔ اقسام شفاعت۔ ادعیہ ماثورہ وغیر ذالک اتنے مواد یکجا اس کتاب کے سوا کسی دوسری جگہ نہین مل سکتے۔ ترجمہ کی زبان نہایت سلیس و شستہ ہے۔ ضخامت ۲۶-۲۰ سائز کے تقریباً سو دو سو صفحون پر مشتمل ہے۔ قیمت مجلد عہ ہے شائقین ذیل کے پتہ سے طلب فرمائین۔

محمد ابو البرکات بی۔ اے علیی پوری پھلواری شریف ضلع پٹنہ



پھول

(از جناب مولانا شررؔ مرحوم)

پھول کیا چیز ہے۔ اور کس قدر خوش نصیب چیز ہے۔ کون محفل عشرت ہے جس مین اس کا گذر نہین کون بزم طرب ہے۔ جہان اس خوشنما چیز سے لطف نہین اٹھایا جاتا۔ زیادہ تعریف کرتے بھی خوف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بلبل اگر پرانے خیالات کا جانور نکلا تو ہمین اپنی رقابت کا الزام دے کے موسم خزان کی شکایت کرتے کرتے ہماری بھی شکایت کرنے لگے گا۔ مگر کیا کیا جاے جب قدرت اپنی کوئی بیش بہا صنعت نظر کے سامنے کر دیتی ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ تعریف کرنے لگیے۔ پھول کے سوا اور کون چیز ہے۔ جس پر قدرت نے اپنی کاریگری کا پورا زور صرف کر دیا ہو۔ ہونے کو تو ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ مگر خدا جانے خوشنمائی کس قدر کوٹ کوٹ کے بھر دی گئی ہے کہ جس کی آنکھ پڑتی ہے اسے بھلی ہی معلوم ہوتی ہے۔

صحن چمن جس مین حسینان جہان اپنی نازآفرینیون اور مشاطۂ قدرت کی چابکدستیون کا مقابلہ کرنے کو آ بیٹھتے ہین اُس کی رونق موسم بہار کے انھین حسن فروشون سے ہے جنھین لوگ "پھول" کے لفظ سے یاد کرتے ہین دلفریب عروسان بزم قدرت یعنی پیارے پیارے خوشنما پھول اپنے بےمثل حسن خداداد مین کچھ ایسی کشش رکھتے ہین کہ دلدادگان یار جن کا دل جمال یار کے سوا زمانے کے کل حسینون سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ جب کبھی وحشت دل ابھرتی ہے تو کوئے جانان کے عوض صحن چمن مین نکل آتے ہین۔ اور ان آنکھون کو بھلے معلوم ہونیوالے پھولون کو دیکھ دیکھ کے اور بیتاب ہو ہو کے بار بار

اس مصرع کو زبان سے دہراتے ہین۔ ع "اے گل بہ تو خرسندم تو بوے کسے داری"
باغ کی زینت صرف نظر فریب اور رنگ برنگ پھولون سے کہنے سہانے
اور جانفزا وقت صباح مین سطح ارض کے ہر حصے سے ایک قسم کی بشاشت
اور مسرت نمایان ہوتی ہے۔ جانتے ہو کیون؟ صرف اس وجہ سے کہ وہ
ان قدرتی معشوقون کے مسکرانے اور شگفتہ ہونے کا وقت ہوتا ہی۔ اس
وقت یہ اپنے حسن عالم فریب پر ناز کرنے والے پھول بے تحاشا ہنسے پرتے
ہین اور جوش خود پرستی کی ہنسی اُن سے ضبط نہین ہو سکتی۔ ان کی
اس وقت کی بہار دیکھنے کے قابل ہے۔ اور اسی وجہ سے اُن کے جذبات
خدا جانے کس کس کو کہان کہان سے کھینچے ہین۔ اور صحن چمن مین لاکے
کھڑا کر دیتے ہین۔
نسیم جو نہین معلوم کہ کن جنگلون کی ہوا کھاتی پھرتی تھی ان کی سیر
دیکھنے کے لیے آتی ہے۔ اور نو نہالان چمن کے ادھر اُدھر آہستہ آہستہ خوش
خرامیان کرنے لگتی ہے۔ نازک دماغ طیور اُڑ اُڑ کے آتے ہین۔ اور درختون
کی نازک نازک ٹہنیون پر بیٹھ کے جوش سرور مین چہچہانے لگتے ہین۔ نور
سحر کی دھیمی دھیمی شعاعین افق مشرق سے آتی ہین اور تر و تازہ سبز
پوش خوش قدان گلشن کے دامنون سے چھن چھن کے رنگین پھولون کی
پنکھڑیون پر پڑتی ہین۔ اور ایک نئی بہار پیدا کر دیتی ہین۔ آسمان کے
جھلملاتے ہوے تارے اس دنیاوی بہار کو اپنی واپسین نگاہ سے دیکھتے ہین
اور ان کی کرنین جواہر نما قطرہاے شبنم مین دلچسپ جھلکیان دکھا دکھا کے زمین
کو آسمان کا نمونہ بنائے دیتی ہین جس کا مطلب ہوتا ہی کہ گویا تارے بھی خوش نما
چمن کی بزم سرور کے مہمان ہین۔ وہ حسن پرست جنھین نظر بازی اور قدرتی
صناعیون کی قدر دانی کا لپکا ہے۔ اور کسی بات مین تو ان کا دل نہین لگتا
اس وقت ٹہلتے ہوے ادھر نکل آتے ہین اور نوجوانان چمن کے آس پاس
ایک لطف کے ساتھ ٹہلتے پھرتے ہین۔ غرض ہر طرح کے زندہ دل مہمان جمع
ہوتے ہین۔ اور اُن کی خاطرداری کے لیے پھولون نے اپنی خوشبو مین

چارون طرف کی فضا مین پھیلا دی ہین - اور باغبان فطرت نے اپنی اس نکھری محفل کی رونق کے لیے بہار باغ پر تر و تازگی کی ایک اور نظر فریب جلا پھیر دی ہے - مگر اس محفل کی ساری رونق کس چیز سے ہے؟ یہ کس کے جذبات ہین - جوان تازہ دل مہمانون کو دور دور سے یہان کھینچ لائے ہین؟ ان سب کا اصلی مرجع شاہدان چمن یعنی پیارے خوشنما پھولون کا جلوہ ہے -

یہ پھول اس سادگی پر ایسے شوخ واقع ہوے ہین کہ صرف اپنی ادا و ن سے دنیا کے ہر قسم کے حُسن کا جلوہ دکھا دیتے ہین - دیکھو گلاب کی نازک نازک اور تر و تازہ گلابی پنکھڑیان کس صفائی سے رخسار جانان کا حسن اڑا لائی ہین نرگس دھوکہ دے کے زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ "مین پھول نہین - ایک شوخ چشم کی چلبلی آنکھین ہون" سوسن مسکرا مسکرا کے اپنے نیلگون ہونٹون سے اپنی شوخ رنگ مستی کی داد چاہ رہی ہے - اور عشق پیچان نے اپنی کاکلین پھیلا دی ہین - الغرض حسن و عشق کی دنیا کے پورے کرشمے شاہدان گل کی نازآفرینیون اور نسیم سحر کی چالاک دستیون سے نمودار ہین -

خندہ گل کو ہمیشہ شعرا تبسم جانان تصور کیا کیے ہین - شعرا درکنار ہر قسم کے نازک دماغون نے پھول کو باغ قدرت مین سے منتخب کیا ہے - اور یہ انتخاب ایسا سچا ہوا ہے کہ آج تک کوئی نکتہ چینی نہین کر سکا - ہر موقع اور ہر محل پر آپ کو یہی نظر آئے گا کہ شاہدان باغ جو کسی موقع پر خود معشوق ہوتے ہین - اور کبھی نوجوانان چمن کے جھکتے ہوے نازک اعضا یعنی ٹہنیون کے زیورون کے نمودار ہوتے ہین - ان کو ہر مذاق اور ہر سوسائٹی نے اپنی دلچسپی یا رونق کے لیے منتخب کیا ہے - وہ نازک ادا اور نازک دماغ جو اپنی دلربائیون کی وجہ سے حسن و عشق کی دنیا مین خود بھی منتخب کیے گئے ہین انھون نے اپنے سچے اور اچھوتے مذاق مین پیارے خوشنما پھولون کو دنیا بھر مین سے بطور عمدہ سامان حسن کے چن لیا ہے - غور کرنے کی جگہ ہے کہ یہ پھول کس کس طرح سے اور کس خوبی سے ان کے کام آتے ہین - گلوے مصفا مین پھولون کے ہار ہوتے ہین - کانون مین پھولون کی بجلیان ہوتی ہین - نازک کلائیون مین پھولون کے کنگن ہوتے ہین - اور بستر ناز پر

اُنھیں سراپا نزاکت پھولون کا بچھونا ہوتا ہے۔ پھولون کی قدر کچھ اسی وقت خوب ہو سکتی ہے۔ جب کسی کے گورے گورے ہاتھون مین ایک نفز فریبا گلدستہ نظر آئے۔ اور آرزو مندانِ وصال کے دل ایک پرجوش اور بے تابانہ حسد پیدا کردے۔ موجودہ مہذب ممالک کی حورو ش اور پری جمال لیڈیان سر سے پاؤن تک پھولون سے آراستہ ہو کر جب نکھری صحبتون مین اپنی ادائین دکھاتی ہین۔ اُسوقت خیال مین آتا ہے کہ پھول قدرت کا کتنا بڑا قیمتی ہدیہ ہین۔ وہ نازک دماغ جنھین اپنے سچے ذوق پر ناز ہے ہمیشہ پھولون کی بھینی بھینی خوشبو سے اپنے دل و دماغ کو تازہ کیا کرتے ہین۔ پیارے پھول! تو حسینون کی صحبت مین ایک نازک مزاج مصاحب اور حسن پرستون کی محفل مین وہ بت ہے۔ جسے دیکھ دیکھ کے وہ خیالی پیکر یار کا نقشہ آنکھون کے سامنے کھینچا کرتے ہین۔ تو نازنینون کی جان اور ناز برداردن کا ایمان ہے۔

اے کیسی نہ کسی طرح ہماری دلچسپی کا سامان پیدا کرنے والی قدرت! تو نے پھولون کے پیدا کرنے مین اتنی بڑی فیاضی دکھائی ہے۔ کہ بارغ دنیا کے عشرت پسند کبھی تیرا شکریہ ادا کرنے سے سبکدوش نہین ہو سکتے۔ فرانس و انگلینڈ کی ناز فروش مہ وشون کی ٹوپیان اسی بے نظیر اور سادے زیور (پھولون) سے سجی جاتی ہین۔ جو خاص تیرے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے۔ وہ سادہ مزاج کوہستانی دلربائین جن کو زمانے نے اپنے پرتکلف سونے چاندی اور جواہرات کے زیور سے محروم رکھا ہے۔ ان کے لیے تو نے اپنا قدرتی حُسن دان کھول دیا ہے۔ جس سے نکال نکال کے وہ خوشنما اور خوبصورت پھول اپنے سردن اور اپنے سینون پر آراستہ کرتی ہین۔ یہی وہ زیور ہے جو دُنیا کے غریب سے غریب اور سادے سے سادے پری رخ کے کام آتا ہے اور ہزار پرتکلف زیورون سے زیادہ بہار دکھاتا ہے۔

انصاف کیجیے تو پھولون سے اچھا زیور دلرباؤن کو آج تک نہ نصیب ہوا۔ اگر عشرت پسندون نے اپنی نازنین معشوقون کو سونے چاندی سے لاد دیا ہے اگر عالیشان محلون کے ناز فروش آبدار جواہرات سے اپنے حُسن کی شعاعون کو

زیادہ رونق دے رہی ہین تو ہونے دو۔ وہ سادے حُسن جو کوہستانون اور صحرائی گاؤن مین نظر آئے۔ جن کی طرف سے نیچر دنیا بھر کو لاپرواہ کردیتا ہے اور خاص اپنی مشاطگی کے لیے منتخب کرتا ہے۔ ان کے سادے حسن کی رونق صرف انھین خوشنما پھولون کے ذریعہ سے نمایان ہوتی ہے جن سے آفتاب صبح کی شعاعین کھیلتی ہین۔ اور جن کے ساتھ نسیم سحر کے جھونکے شوخیان کرتے ہین۔

اے پھول تو اس سے بھی زیادہ ہمارے کام آتا ہے۔ تو ہماری زندگی ہی نہین ہمارے مرنے کا بھی رفیق ہے۔ وہ کیا حسرتناک مقام ہوتا ہے۔ جب دنیا انسان کو چھوڑ دیتی ہے اپنی ساری راحتین تمام دولتین ہر قسم کی دنیاوی دلچسپیان ہم سے چھین لیتی ہے۔ ایک ٹوٹی ہوئی اور کم حیثیت قبر ہمارا بستر راحت یا مصیبت ہوتی ہے۔ پوری پوری سناٹے کی اور مہیب خوفناک راتین اسی گوشۂ تنہائی مین ہم پر گزر جاتی ہین۔ صبح ہونے کو ہوتی ہے اس موقع پر نہ کوئی مونس ہوتا ہے نہ ہمدرد۔ نسیم سحر کے جھونکے بھی یہ تھپیڑے کھاتے ہوے آتے ہین۔ کہ رات بھر کی جھلملائی شمع کو موت کے تھپیڑے دے دے کر گل کر دیتے ہین۔ اور تیری خوشبو کو ادھر ادھر اڑالے جانا چاہتے ہین۔ اس وقت ہمین کسی طرف ہمدرد کی صورت نہین نظر آتی۔ ہان آفتاب سحر کی ہلکی ہلکی روشنی مین تو نظر آتا ہے اور دل کو ایک تسلی سی ہو جاتی ہے۔ نازک نازک اور پیارے پیارے پھولون کی چادر اُن یاس نصیبون کی قبرون پر بچھادی جاتی ہے۔ جنھون نے دنیاوی ناکامیون سے مایوس ہو کر نہایت حسرت وانددہ سے جان دی ہے۔ دنیا کے تمام سامان عشرت اور کل دلچسپی کی چیزین پہلی ہی منزل پر مسافران عدم کا ساتھ چھوڑ دیا کرتی ہین۔ ع۔ یہ دوا قارب ودوست احباب سب ساتھ چھوڑ دیتے ہین۔ مگر اے وفادار عروسان چمن تمھارا ساتھ ہرگز نہین چھوٹتا۔ کشتگان عموماً قبرون پر کچھ شگفتہ پھول لاکر ڈال دیے جاتے ہین۔ جن مین نازا اپنی ستم کشی کی داد خواہی کے لیے روز حشر کے منتظر بن کے لیٹے ہین۔ اس قسم کے سین دنیا مین بہت نظر آئینگے۔ اور مسافران عدم کی میتین اور خاموش آبادی مین آپ کو اکثر ایسی ہی دلچسپی نظر آئے گی۔ لیکن آپ نے اگر کبھی وہ

دلخراش گھڑی دیکھی ہوگی تو دل پر بہت بڑا اثر پڑ گیا ہوگا جب کسی دنیا دار پر یوسف نے اپنے جاندادہ عاشق کی قبر پر پہنچ دیر تک حسرت والم کے ساتھ آنسو بہا کر تھوڑے سے پھول ڈال دیے ہون گے۔ اب یہ کون وقت ہے۔ جب دنیا کل عشق کا پیام لے جانے والون کو بیکار کر دیتی ہے۔ نسیم سحر بیکار ہوگئی۔ پیک صبا بھی ایسا نہین رہا کہ کام آئے۔ غرض جتنے قاصد تھے ان مین سے کوئی پیام پہونچانے کے قابل نہین رہا۔ ایسے نازک اور بیکسی کے وقت مین اے نازنین شاہدان چمن تم کام آتے ہو۔ اور وہ مبارک اور پیارا تحفہ ہوتے ہو جو باوفا معشوقہ کی طرف سے اس کے شہید عشق یا کسی عاشق کی طرف سے اس کی تغافل شعار خواب مرگ کا مزہ لوٹنے والی معشوقہ کے پاس بھیجا جاے۔ اے پھول تو زندگی مین بھی اور مرنے کے بعد بھی ہمارے کام آتا ہے۔ ہمارے دوست انگریزی مذاق اس سے کاہے کو واقف ہون گے ورنہ اُنھین معلوم ہوتا کہ منتظران حشر کے لیے یہ پھول کیسی دلچسپی کی چیز ہوتے ہین۔ ہمارے قبرستان آج ہماری قسمتون کی طرح سنسان پڑے ہین۔ مگر کبھی ٹہلتے ہوے انگریزی قبرستانون کی طرف نکل جاؤ تو معلوم ہو کہ پھولون سے اس متین اور سناٹے کے سین مین کیسا کام لیا جاتا ہے۔ وہان ہر قسم اور ہر رنگ کے پھول گویا آنکھون مین باہم باتین کرتے ہوتے ہین۔ ایک سکوت کا عالم ہوتا ہے۔ اور یہ شوخ طبع نازنینان چمن اپنی ہنسی کے وقت بھی کچھ ایسی خموشی سے کام لیتے ہین۔ کہ کسی کو کانون کان خبر نہین ہوتی۔ ایسے سکوت کے وقت مین کوئی حسرت نصیب نازنین ومہ جبین آتی ہے۔ اور اپنے جان دادہ ناز بردار کی قبر پر اندوہ وغم کی ادا سے بہت سے پھول بکھرا دیتی ہے۔ اور پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کرتی ہے۔ ایک اہل دل کے لیے یہ سین تھوڑا موثر نہین ہے۔ اگر توجہ کر کے دل سے سُنیے تو اس کے نالہ ہاے جگر خراش پر چھاتی پھٹ جائے۔

دنیا کے تمام مقامات کی رونق صرف پھولون سے ہے۔ شام ہوتی ہے تو وہ شاہدان چمن جو آفتاب کے غروب ہونے کی خوشی مین کھل کھلا کھل کھلا کے ہنس پڑے تھے۔ ان کو رات اپنی گود مین لے کے چھپاتی جاتی ہے تارے

آسمان پر چمکتے جاتے ہین۔ اور تھوڑی ہی دیر مین آسمان کی کل وسعت شان عالم بالا یعنی جگمگانے والے تارون سے بھر جاتی ہے۔ یہ سب نے مان لیا ہے کہ عالم بالا کی ساری دلچسپی اور بہار انھین نظر فریب تارون سے ہے۔ قدرت کی فیاضیون نے ان تارون کے جواب مین سطح ارض پر سبزے کا فرش بچھا کے پھولون کے ایسے دلفریب اور نازک بدن شاہدون کو بٹھا دیا ہے۔ یہ پھول ہی دنیا مین ایک ایسی چیز ہین کہ آسمان کے تارون کا جواب دیتے ہین۔ رات اور دن کے تغیرات ابتدا سے یہی بہار دکھاتے آئے اور قیامت تک یہی بہار دکھاتے رہین گے کہ صبح ہوئی اور دنیا کے شوخ اور چلبلی طبیعت والے پھولون نے ہنس ہنس کے تارون کو ایسا شرمایا کہ مارے شرم کے انھون نے اپنا مُنہ چھپا لیا۔ دن بھر ان عروسان چمن کا دور دورہ رہا اور شام ہوتے ہی پھر تارون کی باری آئی اور انھون نے اپنے جلوسے مین ایک دلفریبی اور نورانیت پیدا کر کے پھولون کی رونق نظرون سے غائب کر دی۔ اور وہ اہل دل جنھین دید بازی اور حسن قدرت سے مستفیض ہونے کا شوق ہے کسی کی مفارقت کی دشوار گھڑیان یون گذرانے لگے کہ بار بار نظر اُٹھاتے ہین اور مہ وشان فلک کے جمال جہان آرا کی زیارت سے اپنا دل بہلاتے ہین۔

باغ قدرت مین پھول ایسے خوشنما اور نیچر کی ایسی مہتم بالشان صنعت نظر آتے ہین کہ جس بزم مین جو چیز زیادہ دلچسپ اور قابل توجہ ہو اُسے اس محفل کا ایک دلفریب پھول تصور کرنا چاہیے۔ باغ عالم کے پھول ہمارے وہ قدیم نامور بانیان قوم تھے۔ جو اس اگلی محفل قوم کی زیب و زینت تھے۔ انھین کے دم سے اس قدیم سرسبز باغ اسلام کی رونق تھی۔ جس کی گذشتہ رونق پر آج کل کے شکستہ حال اور غیر تربیت یافتہ مسلمان ناز کر رہے ہین۔

اے باغ اسلام کے شاداب اور سدا بہار پھولو! جن کی رونق قیامت تک باقی رہے گی۔ تمھارا وہ دلفریب رنگ جو دنیا مین جم گیا تھا۔ تمھاری وہ بارونق بہار جس نے تمام عالم کو اپنا خوبصورت زیور پہنا دیا تھا۔ یہ سب ایسی چیزین تھین کہ نہین ہین اور ہر گھڑی یاد آکے دلون مین ایک درد پیدا کر دیتی ہین۔ اے وہ

خوبصورت پھولو! جو خیالی اور تاریخی دنیا کی سیر کرنے والوں کو جا بجا نظر آجاتے ہو زمانے کی آب و ہوا تمھارے کیا خلاف ہوئی کہ ہر طرح کے پھول کھلتے ہین دنیا کی سب دلچسپیان موجود ہین۔ ایک نہین ہو تو تھین تمھارے نہ ہونے سے ان لوگون نے گلزار عالم کی سیر کرنا ہی چھوڑ دی۔ جو تمھاری خوشنمائی کے والہ و شیدا تھے۔ اے باغبان قدرت کیا تجھے نہین معلوم ہوتا کہ بے اُن پھولون کے تیرا باغ بالکل بے رونق ہو رہا ہے۔ جس طرح ہو سکے وہی بہار دکھا جس کے ہم مشتاق ہین۔

پیرانہ سالی

قسام ازل نے عمر کو تین حصون پر تقسیم فرمایا ہے۔ پہلے حصے کا نام جب آدمی عدم سے وجود مین آتا ہے بچپن ہے اور پھر بچپن ہے جس کا عدم و وجود برابر ہے جوانی کے پُر بہار اور لطف افزا باغ مین قدم رکھتا ہے۔ جس مین ایک ایک دن ایک ایک گھڑی اور ایک ایک منٹ بہت ہی دلفریبی اور دلچسپی سے گزرتا ہے اس حصہ عمر کا نام جوانی یا عالم شباب ہے۔ تیسرا دور جس کا نام بڑھاپا یا پیرانہ سالی ہے اور وہی اس وقت ہمارے اس مضمون کا عنوان ہے اُسے عمر کا آخری حصہ سمجھنا چاہیے۔

زمانہ طفولیت کو چاہے کوئی اچھا کہے مگر ہم تو بچپن کی بے تمیزی کے زمانے کو کبھی اچھا نہین کہین گے۔ اور جب تک قدرت کی فیاضی کی عطا کی ہوئی نعمتون کا امتیاز آدمی نہ کر سکے ہمارے نزدیک اس آدمی مین اور حیوان مین کچھ فرق نہین۔

کیا جن لوگون کے نزدیک بچپن کا زمانہ اچھا اور بے فکری کا زمانہ ہے وہ کسی دیوانے سودائی مجنون کو جو دنیا اور افکار دنیا سے بالکل بے فکر ہے کسی عاقل۔ ہوشیار آدمی پر جو دنیا کے پیچیدہ اور نہ سلجھنے والے پھندون مین الجھا ہوا ہو۔ اس اعتبار سے ترجیح دین گے؟ ہرگز نہین! اور اگر کوئی ترجیح دے بھی دے

تو اس کا یہ اصول بالکل غلط دلائل پر مبنی سمجھا جائے گا۔

عمر کا وہ دوسرا حصہ جو فی الحقیقت قابل قدر اور بہت ہی دلچسپ ہے اور جو "نوجوانی یا عالم شباب" کے ایسے نام سے مشہور ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ جوانی ہی وہ چیز ہے جس مین آدمی کی ہر چیز کو فوری اور روز افزون ترقی حاصل ہوتی ہے۔

طبیعت مین جدت۔ عقل مین متانت۔ ذہن مین رسائی۔ امنگون مین چلبلاپن۔ دلولون مین سورش۔ خیال مین بلندی۔ حوصلون مین ترقی غرض ہر چیز کو اسی زمانہ مین پوری نشو ونما حاصل ہوتی ہے اور یہ سب باتین کچھ اسی عمر مین اچھی بھی معلوم ہوتی ہین۔ اگر عمر مین بہار کا موسم ہے تو یہی جوانی اور شباب کا زمانہ ہے۔

باقی رہا عمر کا وہ تیسرا حصہ۔ جس کو بڑھاپے کے ایسے افسردہ لفظ سے تعبیر کرتے ہین۔ بہت مناسب ہے اس کام کے لیے کہ جوانی کے زمانہ کو بھولے ہوے خواب کیطرح بڑھاپے مین بیٹھ کر یاد کیا جائے۔ آہ! کسی جوانی سے گذرے ہوے اردو کے شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔

وقت پیری شباب کی باتین ایسی ہین جیسی خواب کی باتین

تکلیف اور مصیبت جھیلتے جھیلتے اگر قسمت کے فیاض ہاتھون سے تھوڑا عیش بھی نصیب ہو جاتا ہے تو اس شخص کے لیے جس نے اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ مختلف الآم اور شدائد مین بسر کیا ہے بہت ہی مزیدار اور نہایت غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جس کی تمام عمر عیش مین گزری اور پھر ناسازگاری بخت سے اس کا واسطہ مصیبت سے پڑ جاوے تو اس کو تھوڑی تکلیف یا مصیبت بھی بہت کٹھن ہو جاتی ہے اسی طرح بیماری کے بعد صحت خوش گوار ہوتی ہے مگر صحت مین بیماری ناکون چنے چبوا دیتی ہے۔

آہ! اُس شخص کا کیا حال ہوتا ہوگا جو جوانی کے خوش سواد اور روح افزا باغ کی ہوا کھاتے کھاتے دفعتہً بڑھاپے کے خار دار اور وحشت خیز جنگل مین جا پھنسا ہو۔ ہمین اب تک بڑھاپے سے واسطہ نہین پڑا۔ ورنہ ہم ناظرین کو

بتاتے کہ بڑھاپے مین کن کن ارمانون اور تمناؤن کا زیادہ ہجوم ہوا کرتا ہی مگر عام بڈھون کے اقوال۔ افعال۔ حرکات۔ اور حالات کو دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہین کہ حدود جوانی سے گزر کر جب بڑھاپے کی بھول بھلیون مین آدمی قدم رکھتا ہی تو اس کی ہئیت بالکل بدل جاتی ہے۔ بال سفید ہو جاتے ہین منہ پر جھریان پڑجاتی ہین جابجا کی کھال لٹک پڑتی ہے۔ سہو اور نسیان کو دماغ کے کمزور ہو جانے سے ترقی ہو جاتی ہے۔ پاؤن چلنے سے رہجاتے ہین۔ ہاتھ ساتھ چھوڑ بیٹھتے ہین آنکھین آنکھین دکھانے لگتی ہین۔ زبان جواب دیدیتی ہے۔ بینائی کم ہو جاتی ہے۔ قوت سامعہ مین فرق آجاتا ہے ضبط کی طاقت بالکل زائل ہو جاتی ہے۔ عام محاورے مین پرانے وضع کا آدمی یا "اولڈ فیشن مین" کہا جانے لگتا ہے۔ ہان غصہ ہوس اور دیگر ایسی ہی چیزون کا ترقی ہو جاتی ہے۔

یہ تو وہ پیٹی تلی باتین تھین جو بڑھاپے کی صفت سمجھی جاتی ہین اور جن کے بیان کرنے پر ہم کسی قدر مجبور بھی تھے اگر آپ بڈھون کی پوری داستان حسرت سننے کے مشتاق ہین تو آئیے۔ اُس بڈھے کے پاس چلکر بیٹھین جو ایک ٹوٹے ہوے پلنگ پر بیٹھا ہوا حقہ پی رہا ہے اور ایک نوعمر جوان کو مخاطب بنا کر ٹھنڈی ٹھنڈی سانس بھرتا جاتا ہے اور درد کے پرسوز لہجہ مین اپنی جوانی کی داستان حسرت اور موجودہ حالت کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔

آہ! اس بڈھے کی حالت دیکھ کر ہمین تو بے اختیار رحم آیا جاتا ہی۔ نیچر نے حسرت کا بوسیدہ جامہ پہنا کر اس غریب کو بالکل قابل رحم بنا دیا ہے۔ اس کے سر کے سفید اور چھوٹے چھوٹے نرم بالون کو دیکھو جن کو بار بار کی دو زبان قینچی سے پھنوسے مین واسطہ پڑتا ہے کیسے مرجھا سے ہوے ہین اور سر کے درمیان کے حصے کے بال تو دست قدرت نے کچھ ایسے تیز استرے سے صاف کیے ہین جو قیامت تک کے لیے حجام کے کند اور کُند ہوے استرے کے محتاج نہین رہے۔ آہ! اس کی گردن کی لغزش، ہاتھون کا کانپنا۔ چہرے کی پژمردگی۔ اُس پر ضعیف العمری کے پستاحو جسے اور مرا ہوا دل۔ ان سب باتون کو دیکھ کر ہر شخص کی نظر مین وہ واجب الرحم ثابت ہوتا ہے۔

آنکھوں سے پانی بہ رہا ہے جو اس وجہ سے کہ پلکیں پہلے ہی رخصت ہو چکی ہیں بغیر اٹکاؤ کے سیدھا ڈھلک پڑتا ہے اور جھریوں پڑتے ہوئے رخساروں تک آجاتا ہے اور وہ جلدی سے پونچھنے لگتا ہے۔ مگر ہاتھوں کی لغزش اُسکی اس عجلت کی حرکت کو کسی طرح جائز نہیں رکھتی۔ آہ! آپ بیتی داستان جو اسوقت وہ دوہرا رہا ہے کچھ عجیب سوز و گداز سے بھری ہوئی ہے۔ اس کا ہر ہر جملہ اور ہر ہر فقرہ نشتر و خنجر سے کم نہیں۔ اثنا تقریر میں اس کا آہ کھینچنا تیر قضا کا کام دے رہا ہے جو سیدھا پہلو کو توڑ کر سینہ میں اتر جاتا ہو۔ وہ کہہ رہا ہے۔ اے نوجوانو یہ جوانی جس کی بہار آجکل تم لوٹ رہے ہو کبھی ہم پر بھی چھائی ہوئی تھی اور نشہ جوانی میں ایک وقت میں ہم سے بھی بدمستیاں ظاہر ہوا کرتی تھیں۔ بانکے جوانوں میں کبھی ہمارا بھی شمار تھا۔ اکثر نازفروشوں کو وعدہ فراموشی کی ہم سے بھی شکایت رہا کرتی تھی۔ غارت گردین جن کا خطاب ہے ان کے لیے ہماری جادو بھری آنکھیں آفت جان تھیں۔ معشوقوں کے دلوں کے فتح کرلینے میں ہماری تیغ ابرو نے ہمیشہ اصفہانی تلوار سے زیادہ صفائی دکھلائی۔ خانہ جنگیوں میں چٹ لنگوٹ سے تیار ہوکر میدان جنگ میں پہلے ہم ہی نظر آیا کرتے تھے۔

مگر افسوس ہم نے جوانی کی کچھ قدر نہ کی۔ اور ہم سے جوانی ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی۔ آہ! جوانی تو چلی گئی۔ اور اب کبھی نہیں آئے گی۔ اے نوجوانو! کیا اچھا کہا ہے جس نے کہا ہے۔

جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا ۔ جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

ہائے! اے جوانی کی بیش بہا عمر تو اب ہم سے قیامت تک آکر نہ ملے گی۔ اے جوانو! جوانی کیا گئی دنیا کے تمام مزے اور آرام لے گئی۔ اور ہمیں زندہ درگور کرگئی۔ یہ آنکھیں جن سے اس وقت آنسو بہ رہے ہیں جوانی کے زمانے کو یاد کرکرکے رو رہی ہیں اور ہمیشہ اسی طرح روتی رہیں گی۔ اور پھر بھی نہ روچکیں گی۔

بڑھاپے میں آدمی کو موت کا آرزومند بننا پڑتا ہے۔ اے نوجوانو! سچ تو یہ ہے کہ جوانی کا مزا اُٹھایا ہوا دل بڑھاپے سے موت کو ہی اچھا جانتا ہے۔ آدمی ہی پر کیا منحصر ہے ہرے ہرے باغ کا لہلہاتا ہوا درخت۔ سواری کا

خوبصورت اور جان نثار چالاک گھوڑا۔ خربوزہ اور پری تمثال نازک بدن معشوقہ۔ غرض ہر پرانی چیز نظر سے گر ہی جاتی ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ حد سے گذری ہوئی ہر چیز بُری ہوتی ہے۔ خاک پر لوٹتے ہین یار کے گیسو ہوکر یہ مصرع پڑھکر ہمارا پرانا ناصح اور بڈھا اسپیکر چپ ہو جاتا ہے۔

اور اُس کی آنکھون سے مسلسل آنسوؤن کی لڑیان جاری ہو جاتی ہین آنکھون سے آنسو رواں ہین۔ ہچکی بندھ رہی ہے۔ چہرے کا نقشہ شدت گریہ اور وفور غم سے بدل گیا ہے۔ اور ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ ہم کسطرح اُسے تسکین دین۔

آہ! ہم اپنے اس پرانے ہمدرد کو کس طرح صبر کی تلقین کرین اور اس ضعیف العمر شکستہ دل بڈھے کو کیونکر ڈھارس بندھا دین کوئی تدبیر بن نہین پڑتی آخر مولانا شرر مرحوم کا وہ گذشتہ فیصلہ! ہم اپنے ناصح شفیق کو سناتے ہین جو بیشک آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور جو ہمارے ضعیف العمر دوست کو پوری تسکین دلاتا ہے وہ فقرہ یہ ہے (بسا غنیمت ہے وہ بڈھا جو بڑھاپے مین بھی قوم کی خدمت کے لیے کمر ہمت باندھ کر کھڑا ہوا)

تعلیم و فنون

ہندوستان کی نسبت یہ خیال اب غلط ہے کہ وہ ترقی نہین کرتا۔ بیشک ترقی کر رہا ہے۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ اس کی ترقی کے آثار نہین محسوس ہوتے۔ بلکہ ان سے افلاس روز بروز اور بڑھتا جاتا ہے جس کی وجہ سے تعلیم کو اور صدمہ پہونچ رہا ہے۔ اور اگر ملک کی یہی رفتار رہی تو ہمارا خیال ہے کہ چند روز مین یہ ترقی و تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے گا۔ انسان کے حق مین افلاس اور بے اطمینانی ایسی چیز ہے کہ اس کے اثر سے دین کے خیالات کو بھی نقصان پہونچ جاتا ہے دنیاوی اغراض کا مرتبہ تو تمام ایشیا مین دین کے بعد ہے لہذا جب دین کو پریشان حالی اور افلاس سے ضرر پہونچ جایا کرتا ہے تو دنیا کو بدرجۂ اولی پہونچ جایا کرتا ہو گا۔

یہی خیالات اور یہی ضرورت ہے جس کی بنا پر ہندوستان کے اکثر بلکہ تمام
اہل الراے اب تعلیم فنون کو زیادہ ضروری بتاتے ہین حقیقت مین اس ملکی عام
افلاس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک کی صنعتون کا بازار بالکل بند ہو گیا اور
ہوتا جاتا ہے زمانے نے ان تمام فنون کو بیکار ثابت کر دیا جو ہمارے ہاتھ
مین تھے۔ اس سے پیشتر قدیم عہدون مین ملک اپنی تمام ضرورتون کے لیے اپنی
ہی زمین مین سے کل اشیاء فراہم کرتا تھا۔ ہمارے جولاہے کپڑا تیار کرتے تھے۔
اور اس کے ادنیٰ و اعلیٰ اپنی ضرورتون مین صرف کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام
امور مین یہی کیفیت تھی۔ یورپ کی تجارت نے ہماری تمام صنعتون کو ایسی فاش
شکست دی کہ ہمارے دیسی بازار بند ہو گئے۔ اور ہم ہر سستی سے سستی اور
ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے لیے یورپ کے دست نگر ہو گئے بہت بڑا گروہ ان
لوگون کا جو ان تاجرانہ کامون اور ان صنعتون کو اپنے ہاتھ مین لیے ہوے تھا
بالکل بیکار ہو گیا۔ لیکن اس کے ہر ممبر کو زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی
پیشہ ضرور اختیار کرنا چاہیے تھا لہٰذا ان مین سے اکثرون نے ذلیل نوکریان اختیار
کین اکثر تعلیم کی طرف متوجہ ہوے انٹرنس یا جس امتحان کو ضروری دیکھا اس
مین پاس ہوے اور سرکاری آفسون مین بھرتی ہو گئے۔ لیکن اس بھرتی مین
انھون نے ان لوگون کو ضرر پہونچایا جو پہلے سے خاندانی طور پر ملازمت
پیشہ تھے۔ ادھر بہت سے لوگ تو انھین کاریگرون اور تجارت پیشہ لوگون مین
سے اور بہت سے اُن لوگون مین سے جن کی جگہ اہل حرفہ کی تعلیم یافتہ اولاد
نے چھین لی تھی بیکار ہو گئے اور انھین کی بیکاری اور تباہی سے نظر آنے لگا
کہ سارا ملک ایک تباہی مین مبتلا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف ایک ہاہا
مچی ہوئی ہے۔ اور جس کی وجہ سے قدیم عہدون کے یاد کرنے والے بڈھے
انگریزی دور کو بالکل بے برکت زمانہ بتلاتے ہین۔ اور بے شک بے برکت
ہے۔ ہر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ رعایا کی حالت کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھے۔
اس کے لیے ذرائع پرورش پیدا کرے۔ انگریزی گورنمنٹ نے تعلیم کے لیے
ہر جگہ ایسے مدارس کھول دیے۔ جن سے ایسے لوگ کہ جو علم کو بحیثیت علم کے

حاصل کرتے ہون بہت کم پیدا ہوتے ہین اور نہ پیدا ہو سکتے ہین۔ بلکہ مدارس ہر سال ایسے گروہ کو پیدا کر دیا کرتے ہین جو محرری یا آفیشل کامون مین گورنمنٹ کے معین ہو سکین۔ جن کی وجہ سے ہر سال امیدوارون کا ایک نیا گروہ تیار ہوتا ہے اور اُن چند لوگون کو بھی ایک تردد و فکر مین ڈال دیتا ہے جن کو سرکاری ملازمتین مل گئی ہین۔ اور ذرا اطمینان سے زندگی بسر کر سکتے ہین۔ گورنمنٹ نے یہ ضرور احسان کیا ہے کہ ملک مین تعلیم کو رواج دیا ہے۔ اور سابق کے بہ نسبت پڑھے لکھے لوگ اب زیادہ پیدا کر دیے۔ مگر اس سے یہ ذرا خرابی پیدا ہوئی کہ پڑھے لکھے لوگ فاقون مرتے نظر آنے لگے۔ جو ہمیشہ ہندوستانیون کی نظر مین باسانی روٹی پیدا کر سکتے تھے۔

ہندوستان ایسے بادشاہون کا عادی ہے جو رعایا کے حالات افلاس و ادبار کا ہمیشہ خیال رکھین۔ اورنگ زیب جو آج نہایت متعصب فریبی اور اول درجہ کا خودغرض بتایا جاتا ہے یہ اسی کا تذکرہ ہے کہ ایک بار جب وہ دکن مین تھا اور دہلی مین اس کے مرنے کی خبر اُڑا دی گئی تھی تو اس نے حکم دیا کہ دہلی مین دیکھو کوئی شخص ایسا تو نہین ہے جو بیکار اور مفلوک الحال ہو اور جس کو سوا بیکاری کے کسی قسم کے کام سے تعلق نہ ہو۔ لوگون نے دریافت کیا تو ایک صاحب ملے جو بالکل مبتلاے فلاکت تھے۔ اور پتہ لگایا گیا تو یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ گپ بھی انھین بزرگ کی اُڑائی ہوئی تھی اورنگ زیب نے کہا جب تک ملک مین ایسے بیکار لوگ نہ ہون اس وقت تک ایسی بے سرو پا گپین نہین اڑ سکتین۔ چنانچہ ان صاحب کو نوکری دلا دی گئی۔

ہماری گورنمنٹ نے تعلیم اور جتنے عمدہ کام کیے ہین اُن سے چاہے اصل مین نیت کچھ ہو لیکن بظاہر یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کو گورنمنٹ ملک کے فائدہ اور رعایا کی پرورش کے لیے نہین کر رہی ہے بلکہ گویا ان کا وقوع صرف اس لیے ہوا ہے کہ گورنمنٹ اپنا کام نکال لے اور کوئی چاہے مرے یا جیے گورنمنٹ کو اس سے کچھ علاقہ نہین۔ گورنمنٹ کہہ چکی اور اس کا کہنا صحیح بھی ہے کہ ہم سب ہندوستانیون کو نوکری نہین دے سکتے۔ اور کہان تک دے۔ ایک دو نہین ہزارون امیدوار موجود ہین اور جو نوکری یا ملازمت کی امید مین اپنی سارٹیفکٹون کے پوٹ بغل مین دبائے ہوئے

جگہ دینے والے افسرون کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور ہر جگہ سے "نو وکینسی" کی مایوس کن صدا اُسکن کو واپس آتا ہے۔

اب رہی صنعت و حرفت تو بیرونی تجارت کے مقابل مین جبتک دیسی تجارت کو ترقی نہ ہوگی اسوقت تک ممکن نہین کہ ہندوستان سے یہ افلاس اور تباہی دور ہو سکے کاش کہ جسطرح یہ تعلیمی مدارس کھولے گئے ہین اسی طرح صنعتی مدارس بھی کھول دیے جاتے اور ہندوستانیون کو بتایا جائے کہ وہ اپنے لیے سائیکل وغیرہ یا دوسری ایسی ہی چیزین آپ بنا لین - یا ان کو سکھلایا جائے کہ اپنے لیے وہ خود ہی اچھے سے اچھا کپڑا تیار کر لین اور انھین ایسی تعلیم دی جائے کہ ملکی ضرورتون کے مناسب ہندوستان ہی مین خود ہی کلین بنایا کرین - اور اُن کے پرزے دیسی لوگون ہی کے اہتمام سے ڈھل جایا کرین - یہ دو دو روپیہ والی گھڑیان جن کو ہندوستان کا ہر اعلیٰ و ادنیٰ افلاس کے تمغون کیطرح اپنے سینہ پر لگائے پھرتا ہے ان کی تیاری کا سامان ہندوستان ہی مین کر دیا جائے۔ پہننے کے جوتے جن کی لاگت سے پانچ گنے دام غیر ملک والے وصول کر کیا کرتے ہین - کیا ہندوستان کی آب و ہوا مین نہین تیار ہو سکتے۔ کیون ایسی تدبیر نہین بتائی جاتی کہ اپنے لوہے کو ہم بغیر ولایت بھیجے ہوئے ایسا بنا لین کہ وہ سونے کے دامون بکے۔

ہمارے خیال مین جسطرح گورنمنٹ نے پڑھنا لکھنا سکھایا اسی طرح اس کا فرض ہے کہ تمام کام بھی ہندوستانیون کو سکھائے تاکہ لوگون کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ گورنمنٹ نے صرف اپنا کام نکالنے کے لیے ہم کو تعلیم دلائی اور ہماری تعلیم سے مقصود خود ہم کو نفع پہونچانا نہ تھا۔

زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ اب خود ہندوستان مین ایسی کوششین ہو رہی ہین جن کی غرض صرف اس امر کا ثابت کرنا ہے کہ تعلیم فنون کے لیے کسی باضابطہ تعلیم کی ضرورت نہین - اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ مدارس کے موجودہ کورس مین کس قسم کی ترمیم کیجائے - اس خیال کے ساتھ بالکل اسی طرح جس طرح سابق مین اپنی جہالت کے زمانے مین ہم پیشون کو ذلیل سمجھتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے آج بھی ان پیشون کی توہین کرتا ہے۔

سعدی کا درس خانہ

جب کوئی سالک راہ خدا مین ثابت قدم اور مستقل ہو جاتا ہی تو پھر اللہ کے سوا دوسری چیزون کا وجود اسکی چشم توحید مین معدوم ہوجاتا ہی بس اسے اللہ اللہ ہی دکھائی دیتا ہے۔

وہ قلم کیطرح ہر وقت کمر باندھے آمادہ اور سر جھکائے رہتا ہی۔ جو بات پیش آتی ہے سر کے بل قلم کی طرح جھک جاتا ہے!

اس پر نظر نہ کر کہ کسی ظالم جابر کے ہاتھ سے کسی شریف اور کم آزار پر ظلم ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ دیکھ کر کہ ایک دن ظالم بھی شمشیر ظلم و ستم کے گھاٹ اتریگا! اور اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

اسی گرداب بے پایان (دنیا) مین لنگر کا بوجھ دل پر نہ رکھ۔ کیونکہ جہاز طوفان کے دن بوجھل ہو جانیسے ہی ڈوب جاتا ہی اس لیے دنیا مین سبکسار اور ہلکا پھلکا رہنا بہتر ہے۔

اے دلیر ایک عرصہ تک سعی و تگ و دو کی تکلیف اٹھاتا رہ کیونکہ لوہا بھی سعی پیہم سے ایکدن جام جم اور آئینہ گیتی نما بنجاتا ہی کوشش سے تمام کدورتین اور دل کے غبار دور ہو جاتے ہین

ایسا آدمی بہت کم منہ موڑتا ہی (یعنی ملامت کی پروا نہین کرتا) جو راہ خدا مین گیند کی طرح سر سے پاؤن تک قدم بنجائے۔ تسلیم و رضا کے میدان مین بادشاہ (خدا) کے گھوڑے کے سُم کو وہ شخص دیکھ سکتا ہے جو اپنی پیشانی کو کیل اور نعل کیطرح بنادے۔ یعنی پیشانی پر سجدہ ریزی سے گھٹا ڈالدے اور سر کو خم کرے غافل خانۂ کعبہ کی جستجو کبتک اس خیال کو چھوڑ جب تو محرم خدا ہوگیا تو پھر تیری ذات خود حقائق و معارف کا قبلہ بن جائے گی۔

کبیرہ گناہ انسان کے راستہ مین بڑے اٹل اور گرانبار پتھر ہین! ایسے پتھر ندامت اور پشیمانی کے سیلاب ہی سے اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہین۔

ایسا غم کھانا چاہیے جس کے انجام مین مسرتین اور خوشیان حاصل ہون۔

احمقون کی طرح ایسی خوشی کے پیچھے نہ پڑ جن کا انجام رنج و ملال ہو تیرے دل مین حرص سمائی ہوئی ہے۔ اس لیے تو دوستون پر اپنا مال نہین خرچ کرتا۔ اپنے پیٹ کو نرگس کیطرح خالی کرتا کہ تو ہمہ تن سونا ہو جائے۔ (از دین و دنیا)

مسلمان تاجداران ہند یعنی مسلمانون کے ہندوستان مین آنے اور حکومت کرنے کی مجمل مستند اور کارآمد تاریخ چار حصون مین قیمت ۔ عہ/

تصانیف مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

۴۱- آغا صادق کی شادی ایک عجیب قصہ ۱۰/

۴۲- حسن کا ڈاکو، حرامپور کنواب کا اعما سہ ہر دو حصہ

۴۳- اسرار دربار حرامپور، حرامپور کنواب کے سب سے حالات ہر دو جلد ۱۰/

۴۴- غیب دان دلہن، حیرت انگیز غیب دانی

۴۵- خوفناک محبت، ہندوستان کی شریف اور پاکدامنی وجہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہوسکتی

۴۶- دلچسپ، مصنف کا پہلا زود قلم ہر دو حصہ ۸/

۴۷- دلکش، کامل ۱۴/

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد سنہ ۱۸۸۸ء	جلد سنہ ۱۹۱۶ء
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	جلد سنہ ۱۹۱۷ء
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	جلد سنہ ۱۹۱۸ء
جلد سنہ ۱۹۰۵ء	جلد سنہ ۱۹۲۱ء
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	جلد سنہ ۱۹۲۲ء
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	جلد سنہ ۱۹۲۳ء
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	جلد سنہ ۱۹۲۴ء
جلد سنہ ۱۹۲۶ء	جلد سنہ ۱۹۲۷ء
جلد سنہ ۱۹۲۸ء	جلد سنہ ۱۸۹۰ء

منتخب مضامین دلگداز سنہ ۱۸۸۷ء ۱۰/

متفرق تصانیف

انگلستان کی عورتیں ۶/ معیار زندگی

اسلامی سوانح عمری، مشاہیر اسلام کے حالات

الحکم الرفاعیہ، سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ ۳/

حلیتہ العذرا، فارسی میں عبدالحق کی تالیف

ولادت محمدی صلعم اول و دوم کا کامل

معتزلہ، مولانا کا ایک عجیب لکچر ۱۲/

(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)

مرزا غالب کی شاعری، مرزا محمد عسکری صاحب بی اے کا ایک محققانہ لکچر (چار آنہ)

دارالعمل، رینالڈ کے مشہور ناول کا ترجمہ، حصہ اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم

رفع النقاب، مروجہ پردے کی تردید ۴/

اکادمی کی تاریخ پر مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۴/

رامائن کے بعض سین ۸/

اتالیق بی بی، میاں کی حرکتوں پر بی بی کی فرمائشیں ۸/

ڈرامے اور نظمیں

۴۸- اسیری بابل، گولڈ سمتھ کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ نظم میں

۴۹- زمانہ اور اسلام، ایک عزیز دلدوز نیچرل نظم

۵۰- شب غم، فراق کی بے تابیاں بیان ہیں

۵۱- شب وصل، فراق کے بعد وصل کا بیان

مضامین شرر

شاعرانہ وعاشقانہ دو حصے

تاریخی وجغرافی

گذشتہ لکھنؤ

سیر رجال، سیر علماء

ختم سال وشروع سال

سیر نسوان دو حصے

ادب وتحقیق مسائل

اصلاح قوم وملت

تاریخی واقعات پر خیالی افسانے

نظم و ڈرامہ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۱۰ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۳۰ء جلد ۲

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق منیجر اور پرنٹر و پبلشر

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان میں

چھپ کر شائع ہوا

چندہ سالانہ عہ مع محصول ڈاک



اولیور گولڈ اسمتھ

گولڈ اسمتھ مصنف "ویکر آف ویکفیلڈ"، جس کا شمار انگلستان کے اعلیٰ مصنفون مین تھا۔ دسوین نومبر ۱۷۲۸ء کو پاکسمور مین جہان اس کا باپ ویکار (نائب پادری) تھا عالم وجود مین آیا۔ اس کی معاش اس قدر قلیل تھی کہ کھیت کی آ...نی ملا کر بھی سالانہ آمدنی چالیس پونڈ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی نیک پادری یعنی اولیور کا باپ ایک مرد قانع اور خوش مزاج تھا اور اس تھوڑی سی آمدنی سے اپنی گذر کرتا تھا۔ فراغت کا زمانہ آنے کو تھا اور جب اولیور کا سِن دو برس کا ہوا اُس کا باپ پاس سے لیسی کو منتقل ہو آیا۔ جہان وجہ معاش دو سو پونڈ سالانہ تھی۔ تمام خاندان کی امیدین اولیور ہی سے وابستہ نہ تھین بلکہ اسکے بڑے بھائی ہنری گولڈ اسمتھ سے جس نے ایام صغر سنی ہی سے ایک ممتاز عالم ہونے کی توقع دلانی شروع کی تھی۔ اس کے لیے کالج کی تعلیم تجویز ہوئی تھی۔ اس صغر سِن نال یا اولیور کے واسطے پیشہ کی تعلیم اور والدین کنے اس راے قائم کر لینے کی وجہ سے فطرۃً اسکی ابتدائی تعلیم کیطرف زیادہ توجہ مبذول نہین کی۔ وہ مسٹر پیڈی برائن کے اسکول مین بھیجا گیا۔ یہ ضعیف شخص ملکہ اینی کے زمانہ مین جب دولت ہسپانیہ سے لڑائی ہو رہی تھی کوارٹر ماسٹر تھا۔ حضرت نے پڑھانی کا بار اپنے سر پہ لیا تھا اور آپ کی تعلیم یہ تھی کہ لڑکون سے اپنے مہمات کے قصے سرداران آئرلینڈ کے فسانہ۔ جن پریون کے حکایات بیان کیا کرتے تھے۔ اور تمام لڑکے فطرۃً اس قسم کے قصون کو گوش دل سے سنا کرتے تھے۔ ایسے ٹیچر کی تعلیم سے گولڈ اسمتھ کیونکر ایک وقیع تحصیل علم کر سکتا تھا

لیکن پھر بھی اس نے کچھ نہ کچھ اس سے فائدہ حاصل کیا۔

جب اولیور کا سن اور بڑھا۔ اس نے اپنی ذکاوت کی بے قاعدہ علامتیں ظاہر کرنا شروع کین۔ اور اس کے والدین کو اس خیال کی ترغیب ہوئی کہ آیا انھون نے اولیور کی قابلیتون کی نسبت سریع راے تو نہین قائم کی تہی صغیر السن اولیور نے انکل کنسٹرائن کو اپنی تعلیم کے بارہ مین ایک عمدہ مشیر پایا اس نے یہ راے دی کہ اولیور کے لیے وہ ذرائع معاش جو پہلے تجویز کیے گئے تھے اب وہ بدل دیے جائین۔ آخر کار تمام خاندان اس امر پر متفق ہوا کہ اولیور ڈبلن کے ٹرنیٹی کالج مین اپنے بھائی ہنری کیطرح تحصیل علم کرے۔ لیکن بدقسمتی سے ذرائع معاش مین پھر پیچیدگیان لاحق ہوگئین۔ ہنری نے جو تمام آیندہ کی اُمیدون کا مرکز تھا عمدہ موقعون کو ہاتھ سے جانے دیا۔ اس نے ایک اسکول قائم کیا۔ اُسکے شاگردون کے زمرہ مین ایک دولتمند نوجوان شخص مسٹر ہاڈسن نامے بھی تھا۔ جس نے اپنے ماسٹر کی بیٹی کیتھرائن گولڈاسمتھ سے پوشیدہ کورٹ شپ ہی نہین کیا بلکہ چوری چھپے سے عقد بھی کرلیا۔ اس نامناسب طریقہ نے اس لیڈی کے باپ کو سخت ناراض کردیا۔ اور اس کو بہت سے مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور مسٹر ہاڈسن کو چار سو پونڈ کا جہیز دینا پڑا۔ اولیور کو مجبور ہو کر سترہ برس کے سن مین سیزر کے کم حیثیت عہدہ پر کالج جانا پڑا۔ جہان اس نے کچھ تو کاہلی اور کسی قدر آوارگی کی وجہ سے اور کچھ اس خیال سے کہ وہ تحصیل علم ایک کم حیثیت عہدہ کی حالت مین کرہی بہت تھوڑی ترقی کی غالباً یہ دونون اسباب مانع ترقی تھے کیونکہ گولڈاسمتھ کاہل بھی تھا اور اس کا بدباطن استاد اس کے ساتھ حقارت پیش بھی آتا تھا۔

۱۷۴۷ء مین اس کے باپ نے دفعتہً انتقال کیا تب اولیور کو کالج سے کنارہ کشی کرنا پڑی منجملہ دیگر حقیر ذرائع معاش کے اس نے یہ بھی دل مین ٹھان لی کہ اسٹریٹ بیلڈ یا وہ گیت جو عوام الناس گلیون مین گاتے پھرتے ہین تصنیف کرے اور بحساب پانچ شلنگ فی بیلڈ بیچ ڈالا کرے۔ لیکن افلاس نے ایسا شکستہ دل کردیا تھا اور حقارت آمیز کالج لائف نے ایسے حواس اڑا سے تھے کہ وہ ڈبلن سے

بھاگا اور عزم مصمم کیا کہ امریکہ کو ہجرت کر جائے اور دنیائے جدید مین جا کر پھر دنیائے عتیق کیطرف کبھی رخ نہ کرے اور اسی قسم کے خیالات دوا ہمہ تمام زندگی رہتی۔ لیکن اس موقع پر اس کے بھائی کو خبر ہو گئی اس نے ایلیور کا تعاقب کیا اور پھر ڈبلن کو واپس لایا جہان کہ وہ ۱۸۴۹ء تک رہا اور بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

اس امتیاز کے حاصل کر لینے سے بھی ایلیور کے رشتہ دارون کو دلجمعی نہین ہوئی اور نہ اُس کے خیرخواہ ان کو اپنی پیشین گوئی کے صادق ہونے کی کامل امید۔

آولیور جب ویسٹ میتھ کو لوٹ کر آیا ہے اس وقت اس کے خصائل اور عادات نے اس کی طرف سے بہت سے خوف دلون مین پیدا کر دیے تھے۔ اس نے بظاہر اپنی بیوہ ماں اور خود اپنی کفالت کا کوئی معقول سامان پیدا نہین کیا آولیور نے بستی مین ایک کلب قائم کیا۔ اور وہان اپنے اوقات زیادہ صرف کرتا تھا۔ اپنے تصنیف کیے ہوے گیت گایا کرتا تھا۔ یونہین شراب پیا کرتا تھا۔ اور کسی قدر قمار بازی مین بھی مشغول رہا کرتا تھا۔ بہ استثنا انکل کنٹرائن کے جو ایک بڑا معاف کرنے والا اور فیاض انسان تھا اور کسی رشتہ دار کو آلیور کی آیندہ بہبودی کی نسبت امید کرنے کی جرأت نہین پڑتی تھی۔ آخر کار بہت سی نصیحتون نے کاہل آولیور کو مستعد کیا اسے اپنے آبائی پیشہ کے اختیار کرنے کی صلاح دی اور وہ راضی ہو گیا۔ بدقسمتی سے آرڈی نیشن (تقرر عہدہ پادری) کے وقت وہ بشپ یا پیر پادری کی خدمت مین قرمزی رنگ کا پاجامہ پہن کر حاضر ہوا۔ ہزلارڈ شپ نے بہت برا مانا اور اس امیدوار کو بلا تقرر رخصت کر دیا۔ بعد اس کے آولیور نے چاہا کہ خانگی طور پر لڑکون کو تعلیم دیا کرے اس مین بھی ناکامی حاصل ہوئی۔ تب اُس نے قانون پڑھنا چاہا مہربان انکل کنٹرائن پچاس پونڈ کی تھیلی لیکر آن موجود ہوا۔ اور آیندہ ہونے والے لارڈ چینسلر نے اہل وطن سے خدا حافظ کی اور ٹمپل کے طرف روانہ ہوا۔ ہنوز شہر لندن دور تھا اولیور ڈبلن ہی تک پہونچنے پایا تھا کہ ایک پرانے لنگوٹیے یار مل گئے۔ اولیور نے پاکٹ سے تھیلی نکالی اور تمام روپیہ جوے مین ہار دیے۔

اس حرکت کی اطلاع اہل وطن اور رشتہ دارون کو ہوئی اور خیر یا شرمی

پھر مجبور ہو کر آدلیور نے اہل وطن کو اپنا منھ دکھایا۔ انکل کنٹرائن نے پھر معاف کیا اور ماں اور بھائی سے زیادہ تملق کے ساتھ پیش آیا۔

معززانہ اور عالمانہ پیشون مین طبابت باقی تھی اس کی صلاح دیگئی اور آدلیور نے کوئی اعتراض یا ناراضی ظاہر نہین کی۔ انکل کنٹرائن نے پھر روپیہ سے مدد کی اور بارہ دگر آدلیور نے وطن سے قدم باہر نکالا اور سنہ ۱۷۵۲ء کے موسم خزان مین ایڈنبرا پہونچا۔ ایڈنبرا مین زمانہ موجودہ کی طرح پہلے ہی تمام یورپ سے بڑھ کر طبی یونیورسٹی تھی۔ اسی زمانہ مین لندن مین چند طبی مدرسہ تھے لیکن کچھ بہت اچھے نہین اور مدارس صوبہ جات کا جو اب انگلستان اور آرلینڈ مین ہین نام و نشان تک نہ تھا۔

بہرحال اولیور اس یونیورسٹی مین داخل ہوا مگر اس کے استادون کی شہرت اور قابلیت نے اُس کے دل مین بہت کم سرگرمی اور مستعدی پیدا کی اس نے کیمسٹری اور نیچرل ہسٹری سے تھوڑا سا فائدہ حاصل کیا۔ وہ اہل شہر کی صحبت یا سوسائٹی مین زیادہ اوقات صرف کرتا تھا۔ اور اہل بزم کو اس کے ساتھ ایک قسم کی دلچسپی سی ہو گئی تھی۔ اس نے پہلی ہمین کے ایک دوست کو ایک چھٹی لکھی جس مین اس نے محفل رقص و سرود کا ایک انوکھا طریقہ اور قاعدہ درج کیا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل مین درج ہے۔

اب کہ مین رقص کی نسبت لکھ چکا۔ تھوڑا سا حال جلسۂ رقص و سرود کی نسبت لکھون گا۔ یہان ناچ کے جلسہ علی التواتر ہوتے ہین۔ جب کوئی اجنبی شخص ڈینسنگ ہال (کمرۂ رقص و سرود) مین داخل ہوتا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک جانب تمام لیڈیان بیٹھی ہین۔ اور دوسری طرف اس کے ساتھ ناچنے والے مرد۔ لیکن ان دونون جماعتون مین بات چیت بالکل نہین ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ دو مخالف فریق ایک دوسرے سے کھنچے ہوے ہین۔ آخر کار لیڈی ڈائرکٹرس اپنی جگہ سے اُٹھتی ہے اور ایک خاتون پر جمال کا ہاتھ دوسرے خوش رو صاحب کے ہاتھ مین دیتی ہے۔ یہ دونون ہاتھ پکڑے ہوے ایک منٹ تک ٹہلتے ہین اور یہ طریقہ صلح جوئی چندان کامیاب

نہین ہوتا۔ اسی طرح سے پانچ چھ لیڈی اور جنٹلمین باہم ٹہلتے ہین اور بالکل افسردہ
دلی کے ساتھ بعد اسکے وہی لیڈی ڈائرکٹرس اُٹھ کر ناچنے والون کے جوڑ ملاتی ہے۔
یہ سب مل کر دہقانی ناچ ناچتے ہین۔ اور اس قدر دیر تک ناچتے ہین کہ آخر تھک
جاتے ہین۔ یہ ممکن نہین کہ ایک لفظ بھی منھ سے نکالین۔ مہر خاموشی کسی طرح لب سے
دور نہین ہوتی اور آخر کار ہماری بزم عشرت ختم ہو جاتی ہے“

ڈیڑھ برس تک گولڈاسمتھ ایڈنبرا مین مقیم رہا بعد اس کے طبیعت وہان
سے اوچاٹ ہو گئی۔ لیڈن کی یونیورسٹی کی اگلی شہرت اس وقت تک کسی قدر
باقی تھی اولیور نے چاہا کہ اب اُس مین داخل ہو انکل کنٹرائن سے سیاحت بر
اعظم کا حیلہ کیا۔ جو خطوط کہ گولڈاسمتھ نے اپنے وطن روانہ کیے اس مین لیڈن کی
یونیورسٹی کے پروفیسرون کے نام سلسلہ وار اس طرز سے لکھے ہین کہ اُن کے دیکھنے سے
ایک قسم کی تفریح ہوتی ہے۔

گولڈاسمتھ کی لائف تین مقررہ زمانون مین تقسیم ہوتی ہے۔

(۱) اس کی ابتدائی زندگی آئرلینڈ مین۔ اور اس کی تعلیم ایڈنبرا مین۔
(۲) اس کا براعظم کا سفر۔
(۳) اس کا قیام لندن مین۔

اب ہم اسکے دوسرے حصۂ زندگی پر پہونچتے ہین جس کے بارہ مین بہت کم واقفیت
ہے۔ جو حالات اور واقعات خود اولیور نے تحریر کیے ہین ان پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے
کیونکہ میکالے صاحب یہ لکھتے ہین کہ ”جو واقعات کہ اولیور نے اپنی زندگی کے اس حصہ
کی نسبت لکھے ہین ان کے تسلیم کرنے کے وقت ہوشیاری سے کام لینا چاہیے“ اس قدر
تو ضرور یقینی ہے کہ اس مسافرت مین کوئی اس کا مددگار نہ تھا۔ سواے انکل کنٹرائن
کے جو کچھ اس کی مدد کرتا تھا (لیکن بعد کو صاحب مذکور کے مرجانے سے یہ مدد بھی بند
ہوگئی تھی) اس نے لیڈن پیرس اور شمالی ایطالیہ کی سیر کی۔ نئے نوازی اصول
فقہ کے دو ایسے ذریعہ اُسکے ہاتھ آگئے تھے کہ بخوبی سفر مین اوقات بسری ہوتی
جاتی تھی۔ اس کے ذہن کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی تھی۔

خدا پر اس کا بھروسہ تھا۔ اور یہی بھروسہ مصائب سفر مین اُس کو

تشفی و تسکین دیتا تھا۔ اس نے ڈاکٹری ڈپلومہ یا ڈوا مین حاصل کیا اور وطن کیطرف مراجعت کی۔ آغاز ۱۷۵۶ء مین گولڈ اسمتھ بمقام ڈاور پہونچا گو اس نے مڈیسن (طبابت) سے تعلق نہین رکھا۔

لیکن بعض بیا گرفر کا یہ لکھنا بالکل غلط تھا کہ اولیور ڈاکٹری جانتا ہی نہ تھا اس پیشہ مین جو اسے نیکلیور یا ناکامی ہوئی وہ اس وجہ سے کہ اس کے عادات اچھے نہ تھے۔ مفلس تھا اور کوئی اس کا دوست نہ تھا۔

اب ہم گولڈ اسمتھ کی تاریخ کے زیادہ تاریک صفحہ پر پہونچتے ہین۔ چاہے کتنی ہی اس کی فاش غلطیان کیون نہ ہون۔ لیکن جب وہ چھ سال تک لندن رہ کر مختلف جھگڑون مین پھنسا اور انواع اقسام کے مصائب برداشت کر چکا تو بس تمام گناہون کا یہی کفارہ ہو گیا۔ تھیکری کا یہ لکھنا بہت ٹھیک ہے کہ "جب ہم لوگون کو حسد سے اولیور پر طعن اور تشنیع کرتے ہوے دیکھتے ہین تو سخت پیچ و تاب ہوتا ہے جس طرح کہ ایک لاوارث عورت پر یا معصوم بچے پر بیجا حملہ ہوتے ہین اور نیک نفس لوگون کو حملہ کرنے والے پر غصہ آتا ہے وہی حالت یہ بھی ہے"

اولیور نے اوقات بسری کی بہت سی فکرین کین۔ لیکن وہ ناکام رہا۔ باوجود اس کے کہ اس نے ڈاکٹری کا ڈپلومہ حاصل کر لیا تھا پھر بھی کہین روزگار نہین لگتا تھا۔ اس نے اپنے بہنوئی کو لکھا "آپ خیال کر سکتے ہین کہ مجھے کیسی کیسی مصیبتین اُٹھانا پڑتی ہین۔ میرا سرزمین انگلستان مین آئرش مین ہونا میرے نوکر ہونے کے لیے کافی ہے۔ ایسی حالت مین خودکشی ایک عمدہ ذریعۂ مصائب سے نجات کا ہے لیکن مین سب آفتین استقلال کے ساتھ برداشت کرون گا"

آخر کار اڈنبرا کے ایک مہربان شناسا نے اپنی وساطت سے اُسے ڈاکٹر ملنر کے مدرسۂ ترقی علوم و فنون مین اشر (معلم کوچک) کا عہدہ دلا دیا اور اولیور یکہا مین رہنے لگا۔ ڈاکٹر ملنر ڈگ ریو اور منتھلی میگزین مین مضامین لکھا کرتا تھا۔ اور اُن دونون کا مالک گریفتھ نام ایک شخص تھا۔ یہ پیشہ کا کتب فروش تھا۔ نہایت بد دماغ اور بخیل آدمی تھا۔ یکہام مین اس سے اولیور گولڈ اسمتھ سے ملاقات ہوگئی اس نے اُسے ترغیب دی کہ وہ پیسٹرن ماسٹر مین آ کر میگزین کے لیے مضامین

لکھا کرے۔

نہایت ہی سخت مصیبت خیز غلامی۔ تنگدلی اور بےعزتی اس کی چشم براہ ہوئی۔ گریفتھہ حیوان تھا اور اُس کی جورو جو ایڈیٹر میگزین تھی بہت بڑی چڑیل ٹوری آرگن کے اڈیٹر نے ایک موقع پر کہا کہ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب ریویو کا ایڈیٹر نہ تو کتب فروش ہے اور نہ اُس کی جورو" اولیور گولڈ اسمتھ کی طبیعت اس قسم کی واقع ہوئی تھی کہ وہ بہت کم شکایت کرتا تھا گو اس نامعقول کتب فروش اور اُس چڑیل عورت کی بدزبانیان سنتا تھا انجام کار سختیون کی کوئی حد باقی نہین رہی۔ اور اس وجہ سے برداشت کرنا احاطۂ امکان سے خارج ہوگیا۔ مجبور ہو کر اولیور کو کنارہ کشی کرنا پڑی۔ اسکے مضامین اُسکے حق مین ایک حد تک مفید ثابت ہوئے۔ اُسکی عمدہ سادہ عبارت جو اڈیسن کی تحریر سے بڑھی ہوئی تھی اور اُس کے گرم گرم فقرون نے پبلک کی توجہ اپنی طرف معطوف کی۔ اسی زمانہ مین گریفتھہ کی نوکری چھوڑنے کے بعد اولیور اس قدر مفلس ہوگیا تھا کہ وہ حقیر سی حقیر طبی نوکری کی بھی درخواست کرتا تھا۔ لیکن اسے نہین ملتی تھی۔

افسوس ہے کہ باوجود اسکی شہرت اور انسانی ہمدردی کے اسکی تمام کوششین ناکام رہین۔ ڈاکٹر پرسی "ریلکس آف انگلش پوئٹری" مشہور اڈیٹر اس زمانۂ افلاس کی نسبت ایک ایسا فقرہ لکھتا ہے کہ دیکھنے والون کا دل بھر آتا ہے۔ اُسکے کمرہ مین سامان آرائش کچھ بھی نہ تھا۔ بس حد ہو گئی کہ اگر کوئی ملاقاتی آجاتا تھا تو یہ کرسی اس کے لیے خالی کر دیتا تھا۔ اور خود کھڑکی مین بیٹھ جاتا تھا"

مارچ ۱۷۵۹ء مین اس کا ایک عمدہ ایس سے (جواب مضمون) جس کا سبجکٹ یا مضمون یورپ کی حالت تحصیل علم تھی شائع ہوا۔ اس جوابی مضمون کی کامیابی نے اسے اس قابل کردیا کہ عمائد کے محلہ مین رہ سکے۔ اور اس مضمون کی شہرت نے بہت سے اُمرا اور مشاہیر سے ملاقات اور معزز آدمیون سے جان پہچان کرادی۔ ان مشاہیر مین سے ڈاکٹر جانسن تھا جو بہت بڑا ادیب اور اس وقت تک بقید حیات تھا۔ یہ انسٹروڈکشن یا معرفی

خوش قسمتی کی بات تھی کیونکہ جانسن دوست دانا اور صادق تھا۔ رفتہ رفتہ رسم و راہ مین ترقی ہوئی۔ یہ دونون بہت مشہور ممبر کلب کے تھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ممبران لٹریری کلب نے گولڈ اسمتھ کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا "لائف آف ناش" اور "انگلش ہسٹری" یکے بعد دیگرے اہالیان کلب کی خدمت مین پیش ہوئین۔ لیکن گولڈ اسمتھ بدستور سابق مفلس ہی بنا رہا۔

دسمبر ۱۷۶۴ء مین اسکی مشہور نظم "ٹریویلر" جس کا ڈیڈیکیشن اس کے بڑے بھائی ہنری کے نام کے ساتھ ہوا شائع ہوئی اور اس نے تمام شہر کو حیرت مین ڈال دیا۔ اس نظم کی حیرت انگیز قابلیت خصوصاً اُس زمانے مین جبکہ فن شاعری مین زور کم رہ گیا تھا سب نے تسلیم کی۔ سال مین کئی بار جلدین چھپین اور سب ہاتھون ہاتھ بک گئین۔ لیکن اویورکو ایسی ہی گنی ہاتھ لگین۔ اُس نے حق تصنیف مسٹر نیوبری کے ہاتھ فروخت کر ڈالا تھا۔

اس نظم نے ایک لطف آمیز اثر گولڈ اسمتھ کے اعزا پر تمام سوسائٹی پر اور بالخصوص اس کے کلب پر ڈالا۔

سر جوشوا رنیالڈس کی بہن کو جب یہ نظم پڑھ کر سنائی گئی تو اُنھون نے کہا "اب مین کبھی ڈاکٹر گولڈ اسمتھ کی نسبت کوئی بُرا خیال نہین کرون گی۔" اس نظم کی کامیابی سے اتنا رویہ تو ضرور گولڈ اسمتھ کے ہاتھ آگیا کر وہ ٹمپل کے وضعدار امرا کے محلہ مین اٹھ گیا۔ اور اپنی حیثیت کے موافق دوستون کی دعوت کرنے لگا۔ اس کے بعد سب سے زیادہ مفید اور عظیم الشان واقعہ اس کی زندگی مین یہ ہوا کہ مارچ سنہ ۱۷۶۶ء مین اس کا سب سے زیادہ مشہور ناول "ویکار آف ویکفیلڈ" شائع ہوا۔ شائع ہوتے ہی کامیابی ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ اس کی مقبولیت غایت درجہ کو پہونچ گئی تھی۔ جلد دن پر جلدین شائع ہوتی چلی جاتی تھین۔ خوش قسمت چھپوانے والے نے ساٹھ گنی کو خریدا کیا۔ اور صدہا گنیان فائدہ مین پائین۔ اس ناول کی اشاعت کے وقت کا ایک قصہ نہایت دلچسپ ہے وہ ایک تحریر ہے جو جانسن نے لکھی اور اس کا ترجمہ ذیل مین درج ہے۔

ایک دن صبح کو غریب اور پیارے اویورکا میرے پاس یہ پیام آیا کہ مین

سخت مصیبت مین مبتلا ہون اور آپ کے پاس حاضر نہین ہو سکتا آپ خود تکلیف فرمائیے
مین نے ایک گنی اس کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ گھبراؤ نہین مین ابھی آتا ہون۔ مین نے
جلد جلد کپڑے پہنے اور وہان گیا۔ کیا دیکھتا ہون کہ ایک عورت مکان کے کرایہ کے لیے
اُسکو پکڑے بیٹھی ہے۔ کسی طرح ہلنے نہین دیتی۔ اولیور نہایت جوش کی حالت مین ہے
میری بھیجی ہوئی گنی کب کی خورد ہو چکی تھی اور مدیرا شراب کی بوتل اور گلاس میز پر
رکھا تھا مین نے جل کر بوتل مین تو کاگ لگا دی اور اُس سے کہا کہ خدا کے لیے چپ رہو۔
بعد اس کے مین نے اُن ذرائع کی صلاح دی جن سے وہ تمام مشکلات سے خلاصی
پا سکتا تھا اس نے مجھے ایک ناول دکھایا جو تیار ہو چکا تھا۔ مین نے وہ ناول اس کے
ہاتھ سے لے لیا۔ اور دو چار ورق الٹ پلٹ کے دیکھے اور مجھے معلوم ہوا کہ اس مین
خوب قابلیت صرف کی ہے۔ اسی وقت مین نے مالک مکان سے کہا ٹھہرو مین ابھی آتا ہون
اور جا کر ایک کتب فروش کے ہاتھ اُسے ساٹھ پونڈ کو فروخت کیا اور اولیور کے ہاتھ مین رکھ دیا
وہ جب کرایہ ادا کر چکا پھر تو اُس نے اس عورت کی خبر لی اور اس کی بدزبانی اور سخت کلامی کا
خوب جی بھر کے عوض لیا۔ یہ زمانہ گولڈاسمتھ کی شہرت کا تھا لیکن افلاس بڑھتا جاتا تھا۔
بعض دن تو دن دن بھر روٹی کی صورت دیکھنا نصیب نہین ہوتی تھی امرا کی سوسائٹی
مین داخل ہو جانے سے تنگدستی روز بروز دروازہ پر کھڑی رہتی تھی۔ یہ لوگ اسے چین نہین لینے دیتے
تھے۔ اور ذہن کو بھی پورے طور پر ترقی حاصل نہین ہوتی تھی۔

۱۷۶۷ء مین اس نے ایک نئے اکھاڑے مین قدم رکھا یہ تماشہ گاہ تھا جہان گیرک
اپنے پورے عروج پر تھا۔ دوسرے سال کا ونٹ گارڈن مین کولمین نے اس کا پلے کیا
اور باوجود اس بات کے کہ یہ تماشہ دس راتون تک علی التواتر ہوا کیا۔ لیکن کامیابی نہین
ہوئی مگر اُسے پانسو پونڈ کا فائدہ ضرور ہوا۔ عمدہ عمدہ لباس پہننے لگا اور ٹمپل کے مقام
پر دو کمرہ چار سو پونڈ کو خرید کیے بعد کے کئی سال تک اُس نے اپنی زندگی فراغت کے
ساتھ بسر کی۔

باقی آیندہ

ہلال اور یورپ

یہ تعجب کی بات ہو کہ ہلال کے حالات سے ایشیا اس قدر واقف نہین جس قدر یورپ واقف ہے۔ حالانکہ ہلالی جھنڈا ایشیا ہی مین بلند ہوا تھا۔ یورپ کا شمالی حصہ ہمیشہ سے غیر آباد تھا۔ اور اب بھی اس مین جو کچھ آبادی ہے وہ اس قدر کم ہے کہ گویا نہین ہے۔ باقی رہا جنوبی حصہ اس کو قدیم مین بھی ترقی و اولوالعزمی کا دعویٰ تھا اور اب بھی ہے۔ ہان زمانے کے تغیر سے فرق ہوا تو اس قدر کہ عہد قدیم مین جنوبی یورپ کے مشرقی حصہ یعنی اہل یونان و روم کو دعواے ترقی تھا اور اب مغربی حصہ جنوبی یورپ یعنی فرانس و انگلینڈ وغیرہ کو دعویٰ ہو۔ قطع نظر اس کے شمالی یورپ بوجہ غیر آباد ہونے کے اگلے زمانے مین فتحمندون کی نظرون سے چھپا ہوا تھا۔ باقی رہا جنوبی یورپ اُس پر مسلمانون نے دو طرف سے فوج کشی کی۔ پہلے تو بنو امیہ کے عہد مین مغرب کیطرف سے جب اُنھون نے اسپین کو فتح کر کے فرانس کیطرف قدم بڑھایا تھا۔ اسپین جو مغربی یورپ کا بہت بڑا جزیرہ نما ہے اور جہان ہمیشہ ایک مستقل سلطنت قائم رہی۔ وہ تقریباً آٹھ سو برس تک مسلمانون کے قبضہ مین رہا۔ دوسرا حملہ مسلمانون نے مشرق کی طرف سے کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہی ہلال جو یورپ کی اصطلاح مین اسلام کے مرادف ہو ترکی جھنڈون پر چمکتا ہوا ڈیانا کی دیوارون کے نیچے تک پہونچ گیا۔ ایک تیسرا حملہ جنوبی حصۂ یورپ کے وسط کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اُس کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب خلفاے عباسیہ کے عہد مین صقلیہ (جزیرۂ سسلی) فتح ہوا اور ادھر سے مسلمانون نے سبقت کا قصد کیا۔

یورپ مین ہلال کی بس اسی قدر مختصر تاریخ ہے۔ جو وہان کی مسیحی رعایا کو کبھی تو مغرب کی طرف چمکتا نظر آیا۔ کبھی مشرق کیطرف۔ اور کبھی وسط مین۔ غور طلب یہ امر ہے کہ ہلال اور اسلام کو جو مرادف خیال کیا گیا ہے یہ صحیح ہو یا غلط ہمارے نزدیک یہ غلط ہے۔ اسلام مذہب ہے۔ اور ہلال سلطنت۔ بلکہ وہ سلطنت جو خلافت راشدہ کے مقدس اور واجب التعظیم لقب سے یاد کی جاتی ہے وہ بھی ہلال نہ تھی۔ وہ سلطنت البتہ ایک سلطنت تھی جو دین کی تکمیل کرنیوالی بلکہ دین ہی کا

جزو خیال کیجاتی ہے - باقی اس کے بعد کی اسلامی سلطنتوں کو دین اسلام سے کوئی مذہبی تعلق نہ تھا - یورپ کو جن مسلمان حکمرانوں اور فاتحوں سے سابقہ پڑا وہ یا تو خاندان بنو امیہ میں سے یا عباسیہ خلفا میں سے یا نسل عثمانی کے تاجدار تھے - ان میں سے سب شخصی سلطنت کر رہے تھے - اور کوئی ایسا نہ تھا جس نے اپنے اصول سلطنت اور اپنی خواہشوں کو شریعت اسلامی کے تابع کر دیا ہو -

زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ یورپ پر جن لوگوں نے حملہ کیا اُن میں بھی سوا فرمانروایان ترک و یادگاران دولت عثمانیہ کے اور کسی کا معرکہ حکومت ہلال نہ تھا - بنو عباس اور بنو امیہ کے نشانوں پر ہلال کا بنا ہونا کہیں سے نہیں ثابت ہو سکتا - خدا جانے یورپ نے عموماً اسلام کو ہلال کا کیوں خطاب دے دیا - ان تین گذشتہ خاندانوں کے علاوہ یورپ کو مذہبی جہادوں اور کروسیڈ کی لڑائیوں کی وجہ سے سلطان صلاح الدین اور نور الدین زنگی وغیرہ سے بھی سابقہ پڑا تھا - مگر اُن لوگوں کے معرکہ جنگ کا ہلال ہونا بھی اسلامی تواریخوں سے نہیں ثابت ہے - ہلال صرف ترکوں کا معرکہ جنگ ہی معلوم ہوتا ہے ترکی سلطنت نے اپنے زور و شور کے زمانے میں یورپ پر ایسی ہلچل ڈال دی تھی اور یورپین قوموں پر اپنی فتحیابیوں کا سکہ اس قدر بٹھا دیا تھا کہ اہل یورپ عوام نہیں خاص مورخین بھی کل گذشتہ اسلامی قدرتوں اور ہیبت و جبروت کو بھول گئے اور عموماً اسلام کا معرکہ ہلال خیال کرنے لگے -

بہرحال اب یورپین مورخوں نے لفظ ہلال کو اس قدر مہیب بنا بنا کر بار بار استعمال کیا کہ خود مسلمانوں نے بھی اس کو اپنا قومی معرکہ تسلیم کر لیا - مگر ہم پھر زور دے کے اتنا ضرور بتاتے ہیں کہ جس چیز سے اہل یورپ ڈرے اور جس کا خوف ان کے دل میں سما گیا وہ چاہے ہلال ہو مگر اسلام نہ تھا اسلام ڈرنے کی چیز نہیں ہے - بلکہ اگر اسلام و ہلال الفاظ ہم معنی ہیں تو وہ ہلال بھی نہ تھا جس سے یورپ کی آبادی میں لرزہ پڑ گیا تھا - وہ صرف چند شخصی سلطنتیں

تھین۔ اور یہی وجہ ہے کہ یورپ مین اسلام آج نظر نہین آتا۔ ورنہ اسلام ایسی چیز نہین ہے کہ اس کی حلاوت دل مین پیدا ہو اور پھر بھی انسان اس کو کبھی چھوڑ دے۔ اس کا تجربہ برابر ہوتا جاتا ہے کہ جن دلون مین اسلام نے اپنا نور روشن کر دیا ہے ان کو عیسائیت باوجود اس دنیاوی ثروت کے اور باوجود مختلف طریقون سے طمع دلانے کے پھیر نہین سکتی۔

اسلام وہ ہے جو آب لندن وغیرہ مین چمکا جدھر سے اتنے دنون کی تاریکی کے بعد اب صدائے "لا الہ الا اللہ" آئی ہے۔ لارڈ ہیڈلے اور ان کی ہمراہی جنھون نے دین اسلام کو قبول کیا ہے وہ اس بات کا نمونہ ہین کہ اسلام کوئی چھوڑنے کی چیز نہین بعض لوگون کی یہ راے بہت ٹھیک ہے کہ اسلام عیسائیت کو پوری شکست دیتا۔ مگر افسوس بعد خلافت راشدہ کے اس کی ترقی کے لیے جتنی کوششین کی گئین سب کسی شخصی سلطنت اور ظالمانہ خونریزی کے پہلو مین چھپی ہوئی تھین۔ اس کاروائی نے اہل عقل کے خیال مین اُسے ظالم ٹھیرایا اور جاہلون کے مزاج مین مخالفت کی ضد پیدا کی۔ ورنہ اصل مین پوچھیے تو ہمارا سچا مقنن اور سچا ہادی ملکون سے زیادہ دلون کا فتح کرنے والا تھا۔ جس کے معتدل احکام کی بدولت آج بھی ہم باوجود تمام نا اتفاقیون اور تمام خرابیون اور پورے قومی افلاس کے اُن مشنون کے مقابل مین بہت زیادہ کامیابی حاصل کر رہے ہین جن کا لاکھون بلکہ کرورون روپیہ تبلیغ کی مد مین سمندرون مین ہر سال ڈوب جایا کرتا ہے

خلفاے اسلام کی قدر افزائیان

نمبر (۱)

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جب امیر المومنین عبداللہ منصور عباسی فریضہ حج ادا کر کے مدینہ شریف مین حاضر ہوے ہین اس زمانہ مین ان کی طرف سے وہان کے قاضی عمر طلحی تھے یہ نہایت متقی شخص تھے ایک روز ان کی خدمت مین چند اونٹ والے آئے اور اس مضمون کا دعوی پیش کر دیا کہ ہمارے کرایہ کا اس قدر روپیہ امیر المومنین کے ذمہ

واجب ہو وہ دلایا جائے قاضی صاحب نے منشی کو حکم دیا کہ امیر المومنین کے نام حکم جاری کرو کہ عدالت مین اس مقدمہ کی جوابدہی کے لیے فلان تاریخ تشریف لا کر جوابدہی کرین۔ منشی نے عرض کیا کہ حضور مین یہ نہین لکھ سکتا قاضی صاحب نے فرمایا اگر تم نہ لکھو گے تو مین تم کو معزول کر دون گا۔ مجبوراً بیچارے نے لکھا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے حکم دیا کہ کوئی اس حکم کی تعمیل کرانے کے لیے جاتا ہو گا۔ یہ سُن کر اس بیچارے کے ہوش جاتے رہے گویا زندگی کی خیر نہین۔ آخر چار و ناچار وہ دربار خلافت مین حاضر ہوا۔ اور ربیع دربان کو وہ حکم دے دیا اور اس نے امیر المومنین کی خدمت مین پیش کر دیا۔ آپ اس کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور حکم دیا کہ اس وقت ہمارے ساتھ ارکان دولت مین سے کوئی ساتھ نہ آئے ہم عدالت مین جاتے ہین۔ صرف ربیع کو ہمراہ لیکر امیر المومنین دار القضا مین آ گئے۔ عدالت مین لوگون کا ہجوم تھا۔ امیر المومنین کو لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ اور رعب شاہی سے ادھر ادھر ہو گئے مگر قاضی صاحب جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے اور حکم دیا کہ کرایہ والے مدعی حاضر ہون جب وہ آ گئے اور مقدمہ پیش ہوا۔ جرح کے بعد ان کو ڈگری دیدی۔ ربیع نے فوراً کرایہ ان کو دے دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے۔ امیر المومنین نے دس ہزار اشرفیان قاضی صاحب کو مرحمت فرمائین۔ اور ارشاد فرمایا۔ جزاک اللہ عن دینک خیر الجزاء۔ یعنی تم کو خداوند تعالیٰ اس دینداری کا اچھا بدلہ دے۔ یہ فرما کر آپ دربار خلافت مین واپس تشریف لے آئے۔ آپ ایسے ہی بے لوث قضاۃ کو پسند فرماتے تھے چونکہ وہ زمانہ حضور سرور عالم کے زمانے کے قریب تھا اتقا کی جھلک بادشاہ سے لیکر رعایا تک مین تھی سچ ہے الناس علی دین ملوکہم بادشاہ کے اتقا سے رعایا بھی متقی ہوا کرتی ہے:—

نمبر (۲)

حضرت سعید بن مسیب آپ خیر التابعین مین سے ہین۔ آپ مین صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اتقا کی جھلک تھی جس زمانہ مین امیر المومنین ولید بن عبد الملک الاموی القریشی نے مسجد نبوی کو وسیع کیا ہے اور حضرت عمر بن عبد العزیز الاموی القریشی اس کے مہتمم تھے جب عمارت ختم ہو چکی ہے اور امیر المومنین بغرض ملاحظہ مدینہ شریف مین آئے ہین

جس وقت مسجد نبوی مین آئے تھے اس وقت حضرت سعید بن مسیب محراب مسجد مین بیٹھے ہوے وظیفہ مین مشغول تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خیال ہوا کہین ایسا نہ ہو کہ امیرالمومنین محراب کی طرف تشریف لیجائین اور حضرت سعید بن مسیب کو دیکھین اور ظاہر ہے کہ وہ مسجد مین تعظیم کے لیے کھڑے ہون گے اس سے کہین اُن کو تکلیف نہ پہونچے۔ اس خیال سے انھون نے بہت کوشش کی کہ امیرالمومنین حرم نبوی کی چہار اطراف کی عمارت ملاحظہ فرمائین مگر آخر ان کی کوئی ترکیب نہ چلی اور امیرالمومنین محراب کے قریب پہونچ ہی گئے اور حضرت سعید بن مسیب کو دیکھ کر ان سے دریافت کیا کہ من ھذا۔ یعنی یہ کون شخص ہین؟ عمر بن عبدالعزیز نے عرض کیا کہ یہ سعید بن مسیب خیرالتابعین مین سے ہین امیرالمومنین ولید بن عبدالملک نے فرمایا۔ السلام علیکم یا سعید۔ انھون نے بیٹھے ہوے جواب دیا وعلیکم السلام یا امیرالمومنین۔ اس کے بعد امیرالمومنین آگے کو تشریف لے گئے اور فرمانے لگے۔ ان مین صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی شان کا ظہور ہو رہا ہے۔ اللہ اکبر یہ تھی پچھلے زمانہ کے اتقا کی حالت کہ مسجد مین بادشاہ اور عام رعایا مین بالکل مساوات ہوتی تھی۔ ان لوگون کے دلون مین خدا کی عظمت کے سوا کسی کی عظمت نہ ہوتی تھی۔

مزدور دوشیزہ

از جناب عزیز دہلوی بی اے ایل ایل بی

آئی اک مزدور لڑکی آج میرے باغ مین
حسن کی تقسیم کا بھی کچھ عجب معیار ہے
ایک کا ہے حسن گر آرائش قصر شہی
الغرض تخصیص اس کی قوم و ملت پہ نہین

زخم ڈالے اور بھی جس نے دل پُر داغ مین
دیکھیے قدرت بھی کیسی غیر جانب دار ہے
دوسرے کے دم سے زینت جھونپڑے کی ہوگئی
آپ ہر طبقہ مین پائین گے حسین و مہ جبین

ہان تو اس مزدور دوشیزہ کی صورت دیکھ کر
اسکی طفلی ہو چکی تھی اب تھم آغوش شباب

کہہ نہین سکتا ہوا دل پر مرے کتنا اثر
یعنی وہ سن تھا کہا جاتا ہے جس کو لاجواب

اس کے اعضا کا تناسب اُسکا حسن دلفریب
رہزن ایمان و دین غارت گر صبر و شکیب

چھپ سکا ملبوس کہنہ مین نہ حسن بیمثال
آج دیکھا مین نے پہلی مرتبہ گدڑی مین لال

ہاتھ مین رنگ حنا تھا اور نہ رخ پر غازہ تھا
انتہاے سادگی مین حسن بے اندازہ تھا

تھین غلط انداز نظرین ہر طرف پڑتی ہوئی
اور دل مین دیکھنے والون کے گھر کرتی ہوئی

بس کہ مشکل تھا سنبھلنا اپنے بار حسن سے
ہو رہے تھے پاؤن بے قابو خمار حسن سے

ٹوکری مٹی کی لائی سر پہ اٹھلاتی ہوئی
ہر قدم سے حشر کا انداز دکھلاتی ہوئی

دفعتًا دروازہ پر آکر اُسے ٹھوکر لگی
ٹوکری کے ساتھ ہی خود بھی زمین پر گر پڑی

اسطرح گرنے سے اسکے ہوگیا مین بدحواس
اس کے چہرہ پر مگر قطعًا نہ تھا کچھ بھی ہراس

جھاڑ کر کپڑون کو اپنے ہو گئی فورًا کھڑی
اور گر جانے پہ اپنے کھلکھلا کر ہنس پڑی

دیکھنے والی نگاہون سے جو تھی وہ بیخبر
ایک لمحہ تک رہی استادہ بیخوف و خطر

دفعتًا مڑ کر جو دیکھا پڑ گئی مجھ پر نظر
دلربا اک کیفیت طاری ہوئی اس سرو پر

دیکھتے مجکو جو دیکھا بے طرح گھبرا گئی
مسکراہٹ ان لبون پر آئی اور شرما گئی

ٹوکری سر پہ اٹھا کر باغ سے چلتی ہوئی
اپنے قدمون سے دل بیتاب کو ملتی ہوئی

جب کبھی آتا ہے مجکو اس پریوش کا خیال
اک حقیقت کیطرف ہوتا ہے ذہنی انتقال

یعنی یہ لڑکی پریشان خواب کی تعبیر ہے
نکبت و افلاس کی اس ملک کی تصویر ہے

آہ یہ ہندوستان پہلے کبھی زرخیز تھا
چپہ چپہ پر مسرت تھا طرب انگیز تھا

سنتے ہین اس مین کبھی تھی فارغ البالی بہت
اسکے باشندون کو بھی حاصل تھی خوشحالی بہت

یہ حسینہ آج سارے دن تو مٹی ڈھوئے گی
رات کو جاکر کہین فرش زمین پہ سوئے گی

اسکے فرق ناز کو بالش کی حاجت ہی نہین
نرم بستر کی اسے گویا ضرورت ہی نہین

چند پیسے شام کو لے کر جو یہ گھر جائے گی
تب کہین نان جوین اس کو میسر آئے گی

دوسرے دن کے لیے اُسکو مصیبت ہے وہی
ٹوکری سر پر لیے ڈھونے کی محنت ہے وہی

آہ جس کے حسن پر خود حُسن کو بھی ناز ہو
سحر ہو رفتار مین گفتار مین اعجاز ہو

عرش سے اترین فرشتے جسکے دینے کو خراج
جس کے قدمون پر تصدق ہون شہنشاہون کے تاج

جس پہ کردین اہل دولت اپنا سیم و زر نثار
نکبت و افلاس سے ہو زندگانی اس پہ بار

چشمِ نظارہ کو جس کے حسن سے ہو ارتعاش
پیٹ کی خاطر اسے کرنا پڑے کسب معاش

مشغلے ہرگز یہ شایانِ بت کم سن نہین
ٹوکری سر پر لیے پھرنے کے اُس کے دن نہین

(ماخوذ)

شکوۂ عشق و جوابِ حسن

فراق و وصل کی اصل حقیقت آپ کیا جانین
مری جان شرح اسرار محبت آپ کیا جانین

دلِ پُر درد کے نالون سے ڈرنا بھی نہین آتا
جہان مین کیونکر آتی ہے قیامت آپ کیا جانین

رگا جس کے گلے پر چل کے خنجر پوچھیے اس سے
جفا کے وقت سعیِ نزاکت آپ کیا جانین

رہے زینت کدے مین سر سے پا تک محوِ آرائش
مگر یہ بھی کہان زلفون کی نکہت آپ کیا جانین

نئے حسن جوانی سے ہوئے بیخود مبارک ہو
شراب عشق کے انداز غفلت آپ کیا جانین

شب وصل آپ کے نزدیک وعدہ دل لگی ٹھہری
خدا معلوم کس پر آئی آفت آپ کیا جانین

برابر شوخیون کی گدگدی پہ ہنسنے سے مطلب
شکستہ خاطری مین غم کی لذت آپ کیا جانین

ہمارے غمکدے مین آ کے کیونکر پوچھیے ہم سے
حضور اعجاز جذب دل کی قدرت آپ کیا جانین

مریضِ ہجر ہو کر ہم نے بتلائی مسیحائی
علاج درد بیتابیِ فرقت آپ کیا جانین

خمارِ نشہ مین انگڑائی لینے کی ادا دلکش
دکھا دیتی ہے جو حالت وہ حالت آپ کیا جانین

فریبِ ناز کی سرگرمیون کو پوچھیے ہم سے
کسی پر آتی ہے کیونکر طبیعت آپ کیا جانین

بوقت بیخودی عالم سا عالم ہم نے دیکھا ہے
نگاہ ناز کا حسنِ شرارت آپ کیا جانین

دمِ پیہم مزاجی [illegible]
بدل جاتی ہے جو چہرے کی رنگت آپ کیا جانین

سنی اس نے جو یہ تقریر طعن آمیز بول اٹھا
رموزِ حسن کی دلکش حقیقت آپ کیا جانین

نہین زیبا سخن سنجی پہ ناز اے حضرت محشر
نہ منہ کھلوایئے بس رنگِ صحبت آپ کیا جانین

جہان پہونچے وہان پڑھنے لگے فوراً کلام اپنا
کسے کہتے ہین خلوت اور جلوت آپ کیا جانین

کلام بے محل سے اہل باطن تنگ ہوتے ہین
طریقِ بزم اربابِ بصیرت آپ کیا جانین

محشر لکھنوی

تصانیف مولانا عبد الحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

۴۱ - آغا صادق کی شادی ایک عجیب قصہ
۴۲ - حسن کا ڈاکو حرا میوں کا اعادہ ہر دو حصہ
۴۳ - اسرار دربار حرامپور حرامپور کے خواب کے بہہ سے حالات ہر دو جلد
۴۴ - غیب دان دلہن حیرت انگیز غیب دانی
۴۵ - خوفناک محبت، ہندوستان کی شریف اور پاکدامنی دہقانیت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی
۴۶ - دلچسپ، مصنف کا بہا زور قلم ہر دو حصہ
۴۷ - دلکش کامل

ڈرامے اور نظمیں

۴۸ - اسیری بابل گولڈ سمتھ کے ایک ڈرامے کا اردو ترجمہ نظم میں
۴۹ - زمانہ اور اسلام ایک بے نظیر نیچرل نظم
۵۰ - شب غم، فراق کی بیتابیاں بیقراریاں
۵۱ - شب وصل، فراق کے بعد وصل کا بیان

مضامین شرر

شاعرانہ و عاشقانہ دو حصے
تاریخی و جغرافی
گذشتہ لکھنؤ
سیر رجال سیر علماء
ختم سال و شروع سال
سیر نسوان دو حصے
ادب و تحقیق مسائل
اصلاح قوم و ملت
تاریخی واقعات پر خیال آرائی
نقاد و ڈرامہ

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد	قیمت	جلد	قیمت
جلد سنہ ۱۸۸۷ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۱۶ء	۴/
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۱۷ء	۴/
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۱۸ء	۴/
جلد سنہ ۱۹۰۵ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۲۱ء	۴/
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۲۲ء	۴/
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۲۳ء	۴/
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۲۴ء	۴/
جلد سنہ ۱۹۲۳ء	۴/	جلد سنہ ۱۹۲۷ء	۴/
جلد سنہ ۱۹۲۸ء	۴/	جلد سنہ ۱۸۹۰ء	۴/

منتخب مضامین دلگداز سنہ ۱۸۸۷ء ۱۰/

متفرق تصانیف

گلستان کی عورتیں ۱۲/ معیار زندگی ۴/
اسلامی سن ہجری شاہیر اسلام کے حالات
الحکم الرفاعیہ سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ
حلیتہ العذرا، فارسی مین بن مریم کی تاریخ
نا والادت محمدی صلعم اول دوم تاکامل
معتزلہ، مولانا کا ایک دلچسپ لکچر ۱۲/
(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)
مرزا غالب کی شاعری پر مرزا محمد عسکری صاحب کا ایک محققانہ لکچر ۴/ (چار آنہ)
یادش عمل، رینالڈ کے مشہور ناول کا ترجمہ اول دوم سوم چہارم پنجم
رفع النقاب، مروجہ پردے کی تردید ۴/
اکاڈیمی کی تاریخ پر مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۴/
رامائن کے بعض سین
اتالیق بی بی، میاں کی حرکتوں پر بی بی کی فرمایا نکتہ چینی ۸/

المشتہر آپکا خادم حکیم محمد سراج الحق مینجر دلگداز گڑھ بیرون بیگان لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم و مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر ۱۱ بابت ماہ نومبر ۱۹۳ء جلد ۳۰

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق منیجر اور پرنٹر و پبلشر

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگجان میں

چھپ کر شایع ہوا

چندہ سالانہ عہ/ مع محصول ڈاک



ابو عبیدہ لغوی

(از جناب عبد الحلیم شرر مرحوم)

"ابو عبیدہ معمر بن مثنی البصری النحوی اللغوی"، زبان عرب کے جاننے والون اور پڑھنے والون مین ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ زمانہ ان کی استادی کو ہمیشہ تسلیم کرے گا۔ اور ان کے فیصلون اور ادبی اجتہادون کے آگے ابد الاباد تک سر جھکائے رہے گا۔ مشہور نامور اسلام اصمعی ان کا معاصر تھا۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب معارف مین ان پر کیا اچھا ریویو کیا ہے۔ فرماتے ہین "کان الغریب واخبار العرب وایامہا اغلب علیہ" یعنی عربی زبان کے لغات غریبہ اہل عرب کے حالات اور ان کے عہد قدیم کی باہمی لڑائیون کا حال اُنھین نہایت تفصیل سے معلوم تھا۔ وہ عبید اللہ بن معمر تیمی کے لڑکون کے غلامون مین تھے۔ عہد قدیم کے علما کی سوانحعمری ہمیشہ یہ بتاتی ہے کہ ایک غریب اور کم حیثیت شخص ادنی درجہ سے کہان پہونچ گیا۔ اور کس گمنامی کے گڑھے سے نکل کے کتنے بڑے ناموری کے اسٹیج پر نظر آیا۔

رجب سنہ۱۱۰ھ مین اس گران پایہ لغوی نے دنیا مین قدم رکھا۔ ان کے سال ولادت مین اختلاف ہے۔ کوئی سنہ۱۰۸ھ کوئی سنہ۱۰۹ھ کوئی سنہ۱۱۲ھ کوئی سنہ۱۱۴ھ بتاتا ہے۔ علامۂ ابن خلکان فرماتے ہین کہ صحیح روایت یہی ہے۔ کہ سنہ۱۱۰ھ مین پیدا ہوے جس سال حسن بصری نے سفر عالم آخرت کیا تھا۔ مورخین کہتے ہین کہ امیر جعفر بن سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے خود ان سے دریافت کیا تھا کہ آپ کس سال پیدا ہوے۔ انھون نے جواب دیا مجھ سے

پہلے اسی قسم کا سوال عمر بن ربیعہ مخزومی سے کیا گیا تھا جو جواب انھون نے دیا تھا وہی جواب میرا بھی سمجھ لیجیے۔ انھون نے بتایا تھا کہ ایک نہایت کمبخت منحوس اور بدنصیب رات کو مین پیدا ہوا۔ جس رات خلیفۂ ثانی عمر بن الخطابؓ نے انتقال فرمایا۔ اس سے زیادہ منحوس کون رات ہو سکتی ہے کہ اتنی بڑی نعمت دنیا سے اٹھالی گئی۔ اور اتنی بڑی آفت دنیا پر نازل ہو گئی۔ بس تصور کر لیجیے کہ ایک ایسے ہی برس مین پیدا ہوا۔" یہ اشارہ ہے اس جانب کہ وہ برس جس مین حسن بصری نے انتقال فرمایا۔ اور ان کی برکتون سے دنیا خالی ہو گئی۔

عربی کی وہ یادگاری (سوانحعمری) کی کتابین جنھون نے علماے اسلام کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی سے زمانہ کو مطلع کرنے کا کام اپنے ذمے لیا ہے اُن کے صفحے ان دکھا رہے ہین کہ ابو عبیدہ کو اگرچہ فن لغت اور فن ادب کی دنیا مین سب سے زیادہ ناموری حاصل ہوئی۔ لیکن وہ ایک اعلیٰ درجہ کے محدث بھی تھے۔ عربیت و ادب کے مشہور اساتذہ یونس بن حبیب نحوی اور ابو عمرو بن العلا کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُن کے درسگاہ فیض سے تعلیم پا کے اتنا بڑا فاضل یگانہ پیدا ہوا جو ہر زمانے مین زبان عرب کی تحقیق کرنے والون کا مرجع رہے گا۔ باقی رہا علم حدیث جو اس عہد مین ہر شخص کی ترقی علمی کا ایک لازمی زینہ تھا۔ اس کے اعتبار سے اس عالی رتبہ نامور نے ہشام بن عروہ کے ایسے نقاد حدیث اور مرجع ملت اسلامیہ کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا ہے۔ ان بزرگون کے علاوہ تمام کاملین دہر کیطرح انھون نے اور بھی بہت سے استادان زمانہ کی شاگردی کا فخر حاصل کیا ہے۔ ابتدا ہی سے ان کو زبان عرب کی تحقیق کا ایسا شوق تھا کہ چند ہی روز مین تمام دنیا مین کوئی نہ تھا جو زبان دانی کے اعتبار سے ان کا مقابلہ کر سکے یا اُن کے ہم پلہ بتایا جا سکے۔ کچھ اسی زمانہ پر منحصر نہیں ہے۔ آج تک تمام ماہرین لغات عرب اور کاملین فن ادب ان کے قول کو فیصلۂ ناطق تصور کرتے ہین۔ ان کی سند پا کے ہر مدعی اور ادیب کو سکوت

کرنا پڑتا ہے۔

یون تو ساری دنیا جو اُن کے بعد ہوئی ہے جس حد تک وہ زبان عرب کی طرف توجہ کرے ان کی شاگرد ہے لیکن قرون سابقہ کے بہت بڑے بڑے نامی گرامی اور جلیل القدر علما و فضلا کے نام ان کے شاگردون کی فہرست مین نظر آئین گے۔ علی بن مغیرہ اثرم۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام۔ ابو عثمان مازنی ابو حاتم سجستانی۔ عمر بن شبہ نمیری۔ ابو عمرو صالح بن اسحق جرمی۔ ان کے تلامذہ مین ہین۔ اصمعی باوجود اُس شہرت و ناموری عظمیٰ کے جو اسے حاصل ہے فنون ادبیت و انشاپردازی مین ان کا ادنیٰ شاگرد ہے خلیفہ ہارون رشید جو اپنی اولوالعزمی اور تاجداری کے علاوہ دنیاے علم کا بھی ایک لائق ممبر مانا گیا ہے وہ بھی فن ادب مین اُن کے باغ افادت کا خوشہ چین اور ان کے حلقۂ درس کا ایک معمولی طالبعلم تھا۔ رشید نے ان کی تمام تصانیف کو خود ان کے سامنے شاگردانہ ادب سے پڑھا تھا۔ ابو نواس شاعر جس کی شاعری کا چرچہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جس کی حاضر جوابیان صحبتہاے لطف و مسرت مین ہمیشہ مزہ دین گی اُس نے بھی اُن کے دربار علمی مین ایک عرصہ تک حاضری دی ہے۔ اور ان کا ایک ادنیٰ شاگرد ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ ان کی نسبت اپنا نہایت قوی اور راسخ اعتقاد ظاہر کیا کرتا تھا۔ اگرچہ اپنی راے مین وہ اپنے اور استادون کو ان پر ترجیح دیتا تھا۔ چنانچہ ایکبار اُس سے لوگون نے پوچھا "اصمعی کے بارے مین آپ کی کیا راے ہے" کہا "بلبل فی قفصٍ" یعنی ایک بلبل اسیر ہے۔ پوچھا "خلف الاحمر کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے" بولا "جمع علوم الناس وفہمہا" یعنی تمام لوگون کا علم اُس نے اپنی ذات مین جمع کر لیا اور اس کو خوب سمجھا پھر دریافت کیا "اچھا بتائیے ابو عبیدہ کے بارہ مین آپ کیا فرماتے ہین" کہنے لگا "ادیم طوی علی علمٍ" یعنی ایک کھال ہے جسے صرف عقل و دانش پر لپیٹ دیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک مرتبہ اور بھی ابو نواس نے ان پر اپنی شاعرانہ نازک خیالی کے موجب ریویو کیا ہے لوگون نے آگے اس سے کہا "ہارون رشید نے

ابو عبیدہ اور اصمعی کو بلایا ہے۔ تاکہ دونون کا مقابلہ کرے۔ اور جس کو زیادہ لائق پائے اپنی صحبت کے لیے منتخب کرلے" یہ سُن کے ابو نواس کہنے لگا "اما ابو عبیدۃ فانھم ان امکنتموہ قراء علیھم اخبار الاولین والآخرین واما الاصمعی فبلبل یطربھم بنغماتہ" یعنی ابو عبیدہ اگر انھین موقع دیا گیا تو اگلون اور پچھلون کی ساری داستانین کہہ سنائین گے۔ اور اصمعی ایک بلبل ہے جو اپنے دلکش نغمون سے محفوظ کردے گا۔

ابو نواس کا یہ ریویو اس مین کوئی شک نہین کہ نہایت صحیح اور بالکل سچا ہے۔ باوجود ان تمام کمالات کے جو علم ادب فن انشا پردازی اور تحقیق و تنقید زبان عرب کے متعلق ہین" ابو عبیدہ مین یہ بہت بڑا نقصان تھا کہ تقریر کرنے کی قوت نہ تھی۔ ہر مطلب چاہے کتنا ہی عمدہ اور بے مثل ہو مگر ابو عبیدہ اسکو جیسا کہ چاہیے ادا نہ کر سکتے تھے۔ بخلاف اصمعی کے کہ اس عجیب و غریب شخص کا کمال یہی تھا کہ چاہے کیسا ہی غیر قابل التفات بلکہ مبتذل خیال ہو اس کی زبان سحر نما سے ادا ہوتے وقت ایسا لطف پیدا کر لیا کرتا تھا کہ سُننے والے ازخود رفتہ اور محو ہو کے ملتفت ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس بنا پر علامۂ باہلی اکثر کہا کرتے تھے "طالبان علم جب اصمعی کی محفل مین آتے ہین تو ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا مینگنیون کو موتیون کے بازار مین خریدتے ہین اور جب ابو عبیدہ کی محفل مین آتے ہین تو گویا موتیون کو مینگنیون کے بازار مین مول لیتے ہین اس لیے کہ اصمعی مہمل اور مبتذل باتون کو بھی عجب لطف کے ساتھ بیان کرتا تھا۔ یہانتک کہ اس کی زبان سے بُری بات بھی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ باوجود اس کمال سحر بیانی کے اس کی صحبت مین فائدہ بہت کم تھا۔ اور ابو عبیدہ اگرچہ ان کی تقریر کے الفاظ نہین اچھے ہوتے تھے مگر ان کی باتون مین فائدہ بہت کچھ مرتب تھا"

خود ابو عبیدہ ایک موقع پر اپنا تذکرہ بیان کرتے ہین کہ جن دنون مین بصرہ مین تھا میرے نام فضل بن ربیع وزیر ہارون رشید کا فرمان آیا۔ جس کے ذریعہ سے مجھے دارالسلام بغداد مین حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی تھی۔ مین نے

فوراً تعمیل کی اور بغداد مین حاضر ہوا۔ وزیر موصوف کے دربار مین گیا۔ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس مین پورا ایک فرش نہایت حسن و خوبی سے بچھا ہوا تھا۔ صدر مقام پہ ایک بہت بڑی مسند بچھی تھی۔ اور وہ اتنی اونچی تھی کہ بغیر کرسی پہ چڑھے کوئی شخص اس پہ نہین جا سکتا تھا۔ اس مسند پہ وزیر اعظم جلوہ افروز تھے۔ مین نے حاضر دربار ہو کے وزرا کے آداب کے ساتھ سلام کیا۔ وزیر اعظم مجھے دیکھ کے مسکرایا اور اپنے اور نزدیک بلایا۔ مین قریب گیا تو اپنے پہلو پہ مجھے بٹھا لیا اور نہایت لطف و مہربانی سے پیش آنے لگا۔ اس کے بعد کہا "عرب العربا کا کچھ کلام سنایئے" مین نے چند اشعار پڑھے تو سن کے کہنے لگا یہ اشعار تو مجھے بھی یاد تھے۔ ایسا کلام سنایئے جس کے سننے کا مجھے اسوقت تک اتفاق نہ ہوا ہو" مین نے پھر بہت سے منتخب اور عمدہ اشعار عرب قدیم کے سنائے تو سُن کے وجد مین آ گیا۔ اور میری نہایت تعریف کرنے لگا۔ اتنے مین ایک اور شخص آیا جو منشیون کی وضع مین تھا۔ اور نہایت عمدہ لباس پہنے ہوے تھا۔ وزیر نے اُس کی تعظیم کی اور اسکو میرے برابر بٹھا کے اس سے پوچھا (میری طرف اشارہ کر کے) "آپ کو بھی آپ نے پہچانا ؟" اس نے جواب دیا "نہین" وزیر "آپ بصرے کے علامۂ زمان ابو عبیدہؒ ہین آپ کو مین نے تکلیف دے کے بصری سے بلایا ہے تا کہ آپ کے کمالات علمی اور آپ کے ذہن رسا سے فائدہ اٹھاؤن" یہ سن کے وہ شخص وزیر اعظم کی قدردانی اور علم دوست ہونے کی تعریف کرنے لگا۔ اور میری طرف متوجہ ہو کے بولا "ایک عرصہ سے مین آپ سے نیاز حاصل کرنے کا مشتاق تھا۔ الحمد للہ کہ آج یہ آرزو پوری ہوئی۔ مجھے ایک امر آپ سے دریافت کرنا ہے اگر اجازت ہو تو عرض کرون تا کہ اس شبہ کا کافی جواب مل جائے۔ مین نے کہا فرمایئے" مجھ سے اجازت پا کے کہنے لگا "دوزخ کے درخت زقوم کے بارہ مین اللہ جلشانہ فرماتا ہے "کَاَنَّہٗ رُؤُوْسُ الشَّیَاطِیْن" گویا شیطانون کے سر ہین تشبیہ تو کسی ایسی چیز سے چاہیے جو خارج مین محسوس ہو۔ شیطانون کا سر کس نے دیکھا ہے جو سمجھے گا" مین نے کہا "اللہ جلشانہ اہل عرب کی اصطلاح مین باتین کرتا ہے امرالقیس کا مصرع ہے "وَمَسْنُوْنَۃٌ زُرْقٌ کَاَنْیَابِ اَغْوَالٖ" اور تیر آبی رنگ کا جیسے غولون کے دانت ہون۔ کس نے اگیا بیتال کے دانت دیکھے ہین لیکن تشبیہ سے

مراد صرف اسکا بھیانک پن دکھانا ہے"۔ ابو عبیدہ کہتے ہین مین نے جو یہ تقریر بیان کی تو وزیر کو اور نیز اُس شخص کو اتنہا سے زیادہ مسرت ہوگئی۔ اس روز سے مین نے ارادہ کر لیا کہ ایک کتاب قرآن مجید کی تشبیہون اور مجازات کے بابت لکھون۔ بصرہ جانے کے بعد مین نے وہ کتاب مرتب کرلی اور اس کا نام کتاب المجاز رکھا۔

اسی طرح ابو عبیدہ اپنی ایک اور روایت بیان کرتے ہین کہ اتفاقاً ایک روز میرا گذر ابن ربیع کی محفل مین ہوا۔ فضل نے جیسی ہی میری صورت دیکھی پوچھا "بتائیے تمام شعراے عرب مین سب سے بڑا فضل کون ہر؟ مین نے کہا "راعی"۔ اس نے سند پوچھی تو مین نے اس کا ایک قطعہ پڑھا جو اس نے سعید بن عبدالرحمن اموی کی شان مین کہا تھا۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ راعی ایک مرتبہ سعید مذکور کے پاس گیا تھا سعید نے بے پرسش اور بے کسی قسم کے پس و پیش کے اس کو بہت کچھ نقد و جنس دے ڈالا۔ راعی وہان سے اپنے قبیلہ مین گیا۔ اور سعید کی فیاضی کی سب کو خبر کی۔ اور وہ قطعہ تصنیف کیا۔ ابو عبیدہ کا بیان ہر کہ میری اس راے سے فضل نے اور تمام لوگون نے اتفاق کیا۔ اور تسلیم کر لیا کہ بیشک جیسی مدح راعی نے اس ایک مختصر قطعہ مین کر دی ہر ویسی کوئی اور شاعر بڑے بڑے قصائد مین نہ ظاہر کرسکا ہو گا۔ چونکہ اس قطعہ کا حسن ترجمہ سے بالکل نہین ظاہر ہو سکتا۔ لہذا ہم اس کا نقل کرنا غیرضروری خیال کرتے ہین۔

اصمعی کو اگرچہ ابتداے ایام مین ان کے تلمذ اور ان کے باغ علم سے خوشہ چینی کی عزت حاصل تھی۔ لیکن وہ ان کا معاصر مانا گیا ہر۔ اس لیے کہ قدر دان زمانے اور نکتہ سنج خلفا اور اہل دولت نے اس کو بھی نہایت اعلیٰ ناموری اور کامیابی کے درجہ پر پہونچا دیا تھا۔ خصوص اس وجہ سے کہ اسکی بذلہ سنجیون اور لطیفہ گوئیون نے ایک زمانہ کو اس کا دلدادہ و شیدا بنا دیا تھا۔ انھین مرتبون نے ضرور اُسکے دل مین بھی معاصرت کا خیال پیدا کر دیا تھا چنانچہ خود بیان کرتا ہے کہ فضل کی صحبت مین ایک مرتبہ مین بھی تھا اور ابو عبیدہ بھی موجود تھے۔ باتون باتون مین فضل نے میری طرف دیکھ کے کہا گھوڑے کی پہچاننے کے متعلق تم نے کتنے فرس نامہ لکھے ہین۔ مین نے کہا "ایک جلد"۔ اس کے بعد ابو عبیدہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا "آپ نے کتنے لکھے ہین"۔ اُنھون نے جواب دیا کہ "مین نے پچاس

جلدین اس بارے مین لکھی ہین" یہ سُن کے فضل نے ایک عمدہ گھوڑا منگوایا اور ابو عبیدہ سے کہا "تکلیف کرکے ذرا اس گھوڑے کو دیکھیے اس کے تمام اعضا و جوارح کے نام بتایئے۔ اور حُسن و عیب سے مطلع فرمایئے" ابو عبیدہ نے کہا مین کچھ سلوتری تو ہون نہین۔ اور مین نے اپنی کتابون مین جو کچھ لکھا ہے اس کو اس سے کوئی تعلق بھی نہین۔ مین نے تو گھوڑون کی قسمون کی بابت اشعارِ عرب مین سے جو کچھ ہاتھ لگے ہین ان کو جمع کر دیا ہے۔ یہ سن کے وزیر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا "اچھا آپ جایئے۔ اور اگر آپ کو خبر ہو تو آپ ہی بتایئے" مین فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔ جا کے گھوڑے کی پیشانی کے بال پکڑ لیے اور ہر ہر عضو کے نام اور ان کے محاسن و معائب بیان کرنے لگا۔ اور نیز ان کے متعلق کلمات و ابیات عرب سے جو کچھ یاد تھا اسکو بھی سنانا شروع کیا۔ فضل یہ دیکھ کے مجھ سے بہت خوش ہوا۔ اور وہ گھوڑا مجھی کو دیدیا۔ اس کے بعد جب کبھی میرا جی چاہتا تھا کہ ابو عبیدہ کو ذرا چھیڑون اور چڑھاؤن تو اسی گھوڑے پر سوار ہو اکرتا تھا۔

اگرچہ اس روایت سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصمعی کی واقف کاری نے ابو عبیدہ کو ایک دربار مین زک دیدی۔ لیکن اس امر کو زمانہ بھلا نہین سکتا کہ ابو عبیدہ نے مجرد علمی حیثیت سے اسی امر کے متعلق پچاس جلدین لکھ ڈالی تھین اس زمانہ کے علما کے تمام کمالات صرف خیالی عالم مین رہا کرتے تھے۔ لہذا علمی دربار مین جو وقعت ابو عبیدہ کی ہو سکتی ہے وہ اصمعی کو ہرگز نہین نصیب ہو سکتی۔ اگرچہ اُس نے ایک وزیر کے دربار مین کامیابی حاصل کرلی۔ یہ خیال ہمارا ہی نہین ہے۔ اس عہد کے لائق لوگون مین یہ خیالات موجود تھے۔ اور ان کے دل مین جو وقعت ابو عبیدہ کی تھی وہ بہت کم کسی اور کی تھی۔ چنانچہ اسحق بن ابراہیم موصلی نے فضل کیطرف خطاب کرکے دو شعر کہے تھے جن مین ابو عبیدہ کی تعریف اور اصمعی کی توہین کی تھی۔ وہ کہتا ہے:-

"عَلَيْكَ اَبَا عُبَيْدَةَ فَاصْطَنِعْهُ ‌ ‌ ‌ فَاِنَّ الْعِلْمَ عِنْدَ اَبِي عُبَيْدَةَ

یعنی اے وزیر تو ابو عبیدہ کی صحبت اختیار کر اور اس سے فائدہ حاصل کر۔ اس لیے کہ علم ابو عبیدہ ہی کی ذات مین ہے۔

وَقَدِّمْهُ وَآثِرْهُ عَلَيْهِ ‌ ‌ ‌ وَدَعْ عَنْكَ الْقُرَيْدَ بْنَ الْقُرَيْدَةِ

اور اس کو سب پر مقدم جان اور اختیار کر اور اس بندر کی اولاد کو جو خود ہی

بند رہے چھوڑ دے۔ یہ چوٹ تھی اصمعی پر کہ اُس مین مذاق اور تمسخر کا مادہ سب سے بڑھا ہوا تھا۔

ابو عبیدہ کی نادر اور عجیب و غریب باتین مشہور ہین۔ مشہور ہے کہ ابو عبیدہ نے لوگون کا دل دُکھانے اور اپنے معاصرون پر حملہ کرنے مین اکثر سبقت اور زیادتی کی ہے۔ یہ خیال اکثر شعرا مین ہوتا آیا ہے۔ اور اُنھون نے لوگون کی دل شکنی مین بارہا زیادتیان کی ہین۔ چنانچہ ابو عبیدہ کا بھی یہی حال ہے بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی عزت پر ان کا ظالمانہ ہاتھ نہ پہونچ گیا ہو۔ حتی کہ اصمعی صاحب بھی باوجود اپنی شیوا بیانیون اور زبان آوریون کے اُن کے نام سے لرزتے تھے۔ درس دینے یا فائدہ رسانی کی غرض سے جب مسجد بصرہ مین آتے تھے جہان ابو عبیدہ موجود ہوتے تھے تو ڈر کے مارے دم نہ مارتے تھے اور خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ مجال کیا کہ کوئی لفظ بھی زبان سے نکال سکین یا کسی قسم کا شک ظاہر کرسکین ابو عبیدہ کی برہم مزاجیون نے اگرچہ بہتون کو ان کا شاکی و دشمن بنا دیا مگر یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ ان مین کسی قسم کی بدنیتی تھی۔ اسکی اصلیت یہ ہے کہ وہ آزاد مشرب اور آزاد منش شخص تھے اور جو خرابی یا غلطی نظر آجاتی تھی یا جو لطیفہ سوجھ جاتا تھا اس کو بغیر رنگ صحبت کا لحاظ کیے بے تردد اور بلا تامل کہہ گذرتے تھے۔ اس طبیعت کے لوگ اکثر ہر زمانہ مین موجود ہوتے ہین اور اُن کی نسبت باوجود اسکے ان کی نکتہ چینیون سے ہر شخص ڈرتا تھا دنیا کا عام خیال اچھا ہے اور بیشک ان کے عہد مین بھی ان کی یہ آزاد مشربی قدر کی نگاہون سے دیکھی گئی۔ مشہور رؤسا اور بعض ذی اختیار لوگون پر اُنھون نے اس بے تکلفی سے حملہ کر دیے کہ سن کے تعجب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اسکے صلہ مین اُن سے کوئی بدخلقی کا برتاو کبھی نہین کیا گیا۔ موسیٰ بن عبدالرحمن ہلالی سرزمین فارس مین ایک نامور رئیس تھے۔ ابو عبیدہ نے ایک زمانہ مین ادھر کا سفر کیا اور اُن کے مہمان ہوے۔ موسیٰ ان کی نازک مزاجیون سے خوب واقف تھے۔ انھون نے اپنے خدام اور غلامون کو بلا کے تاکید کر دی کہ یہ آدمی بڑے نازک مزاج ہین۔ دیکھو ان کی خدمت مین کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنا۔ ہر وقت دست بستہ حاضر رہنا اور اس کا بھی خیال رکھنا کہ تم سے کسی قسم کی بدخلقی یا بدتہذیبی ان کے سامنے نہ ظہور مین آئے۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری بے وقوفی اور بدتہذیبی سے میری بے عزتی ہو جائے۔ سب نے عرض کیا کہ ہم کسی امر مین حضور کی مرضی اور حضور کے اشارہ کے خلاف نہ کرینگے۔ موسیٰ کی مہمانی مین

اول سے آخر تک ان کی ایسی خاطر و مدارت ہوئی اور اس شائستگی و تہذیب سے برتاؤ کیا گیا کہ انھین کوئی موقع نکتہ چینی اور حسب عادت چوٹ کا نہ ملا۔ ہوتے ہوتے ایک روز موسیٰ اور یہ دونون دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ غلام برابر کھانا لا لا کے چنتے جاتے تھے اتفاقاً ایک غلام کے دامن پر گوشت کے پیالے سے ذرا سا شوربا گر پڑا وہ ذرا متفکر سا ہوا۔ اور موسیٰ نے چھوٹتے ہی کہا "کوئی تشویش کی بات نہین اس ایک کپڑے کے عوض مین تجھ کو دس کپڑے دیدون گا"۔ ابو عبیدہ صاحب سے اس موقع پر خاموش نہ رہا گیا۔ گوشت مین گھی بہت کم تھا۔ آپ نے اس کی شکایت ظاہر کرنے کا موقع پایا۔ چھوٹتے ہی بولے "موسیٰ صاحب آپ کو اس قدر زیادہ فیاضی اور یہ ایسے معاوضے کی ضرورت نہین۔ اسے کپڑے کیون دیجیے۔ اس لیے کہ کچھ شوربے مین گھی تو ہی نہین جو چھوٹنے مین دقت ہو۔ آسانی سے دھبہ مٹ جائے گا"۔ یہ سن کے موسیٰ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ بیچارے خاموش بیٹھے رہے۔ اور صرف پاس و لحاظ سے دم نہ مارا۔

شاید اسی ناراضی عام کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے (واللہ اعلم بالصواب) اکثر علما کے خیالات ان کی طرف سے اچھے نہ تھے۔ بعض بعض لوگون نے انھین متہم کیا ہے کہ امرد پرست تھے۔ اور لواطت مین مبتلا رہتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہین کہ ان کے عقائد مین فتور تھا۔ اور خوارج کی طرف میلان کرتے تھے۔ ان دونون الزامون کے ثبوت مین بعض واقعات بھی پیش کیے گئے ہین۔ جن کو اختلاف کی وجہ سے ہم چھوڑ دیتے ہین۔

ابو حاتم سجستانی کا بیان ہے کہ باوجود اس فضل و کمال کے ان کی زبان پر گویائی کا مادہ اس قدر کم تھا کہ اگر شعر پڑھتے تو وزن اور بحر سے ٹھیک ادا کر سکتے تھے۔ جا بجا سکتہ ہوتے تھے۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کسی بحر مین ہین اور کبھی کسی بحر مین جا رہے۔ قرآن مجید اور حدیث پڑھتے تھے تو بھدا گا گا کے اور نامناسب طریقہ سے قرات مین اعراب کی رعایت ہوتی تھی۔ علاوہ برین ذرا زبان بھی موٹی تھی۔ چنانچہ بعض حروف اپنے مخرج سے ادا نہ ہو سکتے تھے۔ مگر ہمین اس سے غرض نہین۔ ہم ان کی تصانیف اور ان کی تحقیقات سے نفع اٹھا رہے ہین۔ ان کی درشت مزاجیان ان کی لکنت اور اس قسم

کی تمام چیزین ان کے ساتھ قبر مین چلی گئین۔

ایک روز اتفاق سے خاص مستقر بصری مین محمد بن قاسم نوشجانی کے پاس گئے انھون نے کچھ کیلے کی پھلیان منگوا کے سامنے رکھ دین اور کہا "لیجیے نوش فرمایئے" بے تکلفی مین انھون نے دو تین کیلے کھا لیے۔ خدا جانے کس حالت مین اور کس وقت کیلے کھائے تھے کہ گھر جا کے بیمار پڑ گئے۔ اور ایسے بیمار ہوے کہ صاحب فراش ہو گئے۔ افسوس یہی مرض مرض موت تھا۔ تدبیر و علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر سنہ ۲۰۹ھ یا سنہ ۲۱۰ھ یا سنہ ۲۱۱ھ یا سنہ ۲۱۳ھ مین علی اختلاف الروایات انتقال کیا۔ اللہ جل شانہ نے ان کو عمر بھی بہت وسیع دی تھی۔ قریب قریب پورے سو برس کی عمر پائی۔ اہل بصرہ ان سے ایسے ناراض تھے کہ ان کے جنازے پر کوئی نہین آیا۔ آخر چند لوگون کو اجرت دی گئی کہ انھون نے تجہیز و تکفین کر کے دفن کیا۔

ان کے مرنے کے بعد مشہور شاعر ابو العتاہیہ ایک مرتبہ محمد بن قاسم نوشجانی کے پاس گئے محمد نے چند کیلے اُن کے سامنے بھی لا کے رکھ دیے۔ ابو العتاہیہ نے کہا "معاف کیجیے۔ یہی کیلے کھلا کے ایک بار ابو عبیدہ کو آپ مار چکے ہین۔ کیا اب میری تدبیر لگائی ہے؟"

ابو عبیدہ کی تصانیف کا شمار دو سو کتابون کے قریب ہے۔ علماے امامیہ مین سے شیخ زین الدین شہید ثانی کہتے ہین کہ احادیث کے لغات غریبہ کے متعلق پہلے جس نے کوشش کی وہ بعض کے نزدیک نضر بن شمیل ہین۔ اور بعض کے نزدیک ابو عبیدہ نحوی۔ اس فن کی اولیت کا تاج انھین دو عالمون کے سر پر ہے۔

اولیور گولڈ اسمتھ

سلسلہ کے لیے دیکھو صفحہ ۱۵۳

سنہ ۱۷۶۴ء مین "رومن ہسٹری" اور سال بھر بعد "اینمیٹیڈ کرییشن" شائع ہوئین۔ اور ان دونون کتابون کی فروخت سے معقول آمدنی ہوئی۔ لیکن بعض خراب عادتین اس کی لاعلاج ہو چکی تھین۔ اور اس کی عمر کو گھٹا رہی تھین۔ ایک دو واقعہ اس کی خانگی تاریخ کے متعلق بیان کیے جاتے ہین۔

(۱) ۱۷۶۶ء مین اس کے بھائی ہنری نے اس جہان سے رحلت کی۔
(۲) اس کی جان پہچان ایک خاتون پر جمال مسماۃ جیسمی برائڈ سے ہو گئی۔
اس خاتون نے جو ڈیولا شائر کی مس ہورنک تھی ایک خیال اولیور کے
دل مین پیدا کر دیا۔ اور اس خیال کی نسبت نکتہ چینون نے مختلف رائین ظاہر
کین بعض کی تو یہ راے ہے کہ وہ خیال ایک خیال ہی تھا اور بعض کہتے ہین کہ
اس خیال کو اس خاتون کے حسن و جمال اور قابلیت سے بہت بڑا تعلق تھا
اس نے گولڈ اسمتھ کی خوش مزاجی پر بہت بڑا اثر ڈالا۔
۱۷۷۰ء مین گولڈ اسمتھ پھر میدان شاعری مین ظاہر ہوا "ڈیزرٹڈ ویج"
کی شہرت "ٹریولر" سے کہین بڑھی ہوئی تھی۔ ۲۶ مئی سنہ مذکور کو اس
کی اشاعت ہوئی۔ اور دسوین اگست کو پانچوین بار اسکی جلد چھپی اور شائع
ہوئی۔ اس اشاعت کے بہت تھوڑے عرصہ کے بعد گولڈ اسمتھ مس ہورنک کے
ساتھ مع احباب کے عیش و عشرت کی غرض سے پیرس کو روانہ ہوا۔
اولیور گولڈ اسمتھ کی پہلی نظم دوسری سے پرٹ (قابلیت) مین کم
تھی اور اس کا دوسرا پلے پہلے سے بڑھا ہوا تھا۔
۱۵ مارچ ۱۷۷۳ء کو اس کا تصنیف کیا ہوا تماشا "شی اسٹوپس ٹو کانکر"
تھیٹر مین کیا گیا۔ اور منیجر کولمین کی پیشین گوئی صحیح ہوئی۔ اور ڈاکٹر جانسن کی امید
بر آئی یعنی اس پلے مین خوب کامیابی ہوئی۔
ڈاکٹر جانسن اس پلے پر نکتہ چینی کرتے وقت لکھتا ہے "کئی برس سے کسی
کامیڈی (وہ نقل جس کے انجام مین خوشی کی خبر نکلتی ہو) نے حاضرین کو اس قدر
محظوظ نہین کیا جتنا کہ اس پلے نے"
مصنف کی تنگدستی کی حالت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ وہ بیحد
مشکلات مین پھنسا ہوا تھا۔ اور اس کا جسم روز بروز نحیف ہوتا جاتا تھا امید
تھی کہ تاج برطانیہ کیطرف سے کچھ تھوڑی سی پنشن مقرر ہو جائے گی۔ لیکن افسوس
ہے کہ یہ امید پوری نہین ہوئی۔
گولڈ اسمتھ کے خصائل اور عادات اس قسم کے تھے کہ اسکی نسل آگے کو نہ چلی

سنہ ۱۷۷۴ء کے شروع مین قرض سے بہت گران بار ہو گیا۔ اور ایک پرانے مقامی عارضہ نے اُسے آگھیرا۔ تندرستی مین روز بروز فرق آتا گیا اور ۲۵۔ مارچ کو تو وہ ایسا بیمار اور صاحب فراش ہو گیا تھا کہ اس سے کلب مین کسی طرح نہ آیا گیا۔
بڑے بڑے اطبا حاذق طلب ہوے انھون نے اعصابی بخار تجویز کیا روز بروز حالت ابتر ہوتی گئی اور آخر کار ۴۔ اپریل سنہ ۱۷۷۴ء کو ڈاکٹر اولیور گولڈ اسمتھ کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کیا۔

بعد انتقال کے اُن لوگون نے بھی اس کا بہت درد ناک ماتم کیا جو زمانہ زندگی مین اسکے مخالف تھے۔ جانسن کو بہت صدمہ ہوا۔ برک نے اسکی وفات کی خبر سُن کر آنسو بہائے۔ رینالڈس نے اس رنج مین اس روز نقاشی نہین کی۔ ٹیمپل چرچ یارڈ مین دفن ہوا۔ ویسٹ منسٹر ایبی مین یادگار پتھر نصب کیا گیا اس پر جانسن کا کتبہ ہے۔

اس کی تصانیف کی قدر روز بروز بڑھتی گئی۔ وکار آف ویکفیلڈ۔ ٹراویلر۔ ڈیزرٹڈ ولج وغیرہ وغیرہ اس کی یادگار اور نوجوانان اب بھی اسی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہین۔

تاریخ فن طباعت

انسان کی جب یہ خواہش پوری ہو چکی کہ وہ اپنی آوازون کی علامات مقرر کرے تاکہ اپنی غیر حاضری مین دوسرون پر اُن کے خیالات ظاہر ہو سکین یعنی جبکہ وہ فن تحریر ایجاد کر چکا تو روز افزون ترقی کرنے والے زمانہ نے اسے بیچین کیا اور یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اب کوئی طریقہ نکالنا چاہیے کہ جس سے تحریر کی محنت مین کمی ہو اور خاص کر اس صورت مین جبکہ ایک ہی خیال کی اشاعت کے لیے بہت سی تحریرون کی ضرورت ہو۔ موجودہ فن طباعت کے محرک کا یہی خیال تھا۔
ایجاد نقاشی نے اس کے خیال کو اس طرف رجوع کیا کہ اگر وہ لکڑی کے حروف کی صورت کندہ کر کے ان کے نشانات کسی ذریعہ سے کسی چیز پر سے

لے سکے تو اس سے وہ ایک ہی تحریر کو بار بار لکھنے کی زحمت سے بچ جائے گا۔ اور اس
طرح اس کا وقت بھی بہت کم صرف ہوگا۔ چنانچہ ابتدا مین یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ لکڑی
پر عبارت کندہ کی گئی۔ لیکن بہت جلد اس کا خیال اس طرف رجوع ہوا کہ الفاظ
کو کندہ کرنے کے بجاے ہر حرف لکڑی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر کندہ کیا جائے
اور پھر حرفون کو جوڑ کر لفظ بنا لیے جائین۔ چنانچہ تمام و کمال حروف بھی اسی طرح
طیار کر لیے گئے۔

اکثر ایجادات ہندوستان کی گذشتہ عظمت کا بین ثبوت ہین۔ اور مصر
و ایران و عرب کا چکر لگاتی ہوئی یورپ پہونچی ہین۔ لیکن اس ایجاد کا سہرا یورپ
کے سر ہے موجودہ تحقیقات بتاتی ہے کہ لکڑی کے حروف پندرھوین صدی اور
اس سے قبل رائج تھے۔ لیکن لکڑی کی ناپائیداری نے جان گٹن برگ نامی جرمن
کو اس طرف متوجہ کیا کہ دھات کے حروف بنائین چنانچہ اس نے لکڑی کے
سانچے بنا کر اس مین حرف ڈھالے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ گٹن برگ نے سنہ ۱۴۵۰ء
اور سنہ ۱۴۶۰ء کے درمیان یہ ایجاد کی۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ گٹن برگ
سے پیشتر نہین تو اسی کے زمانے مین ہالینڈ مین بھی حروف ڈھالے گئے لیکن شہادت
کا وزن گٹن برگ کے دعوے کی تائید کرتا ہے۔

گٹن برگ کی ابتدائی زندگی کے حالات پر لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ بیان
کیا جاتا ہے کہ وہ سنہ ۱۳۹۷ء یا ۱۳۹۹ء مین شہر مینز مین پیدا ہوا۔ اور اہل یورپ کے
مروجہ طریقہ کے خلاف یعنی باپ کا خاندانی نام اختیار کرنے کے بجاے ماں کا خاندانی
نام اختیار کیا۔ وہ سنہ ۱۴۳۴ء مین اسٹراس برگ مین مقیم تھا۔ ۱۴۳۹ء مین ایک مقدمہ
کے دوران مین یہ راز کھلا ہے کہ وہ مخفی طور پر کسی بات کا تجربہ کر رہا تھا۔ اور
تجربہ کی تکمیل کے لیے اس نے لکڑی کے آلات بنا رکھے ہین۔ اس نے عدالت سے درخواست
کی کہ لکڑی کے چار ٹکڑے جو پریس (یعنی چھاپنے کی کل) مین رکھے ہوے ہین علحدہ
کر دیے جائین یا کم سے کم ان کو الگ الگ کر دیا جائے تاکہ انھین کوئی دیکھنے نہ پائے
اس نے ان چارون ٹکڑون سے پریس نہین بنایا تھا بلکہ ان کے ملانے سے ایک آلہ
بنتا تھا جس مین حروف ڈھالے جاتے تھے اور یہی موجودہ ٹائپ کی ایجاد کا آغاز ہے۔

یہان پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ تنگ خیالی صرف ایشیائیون ہی کا حصہ نہین ہے بلکہ اگر تحقیقات کی جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی تمام اقوام اس مرض مین گرفتار رہ چکی ہین۔ اگر ایشیا کے ہزارون اہل کمالات کے کمال زندگی بھر ان کے سینے مین مخفی رہے اور ان کے ساتھ ہی زیر زمین دفن ہو گئے تو اور ممالک مین بھی ایسا ضرور ہوا۔ گٹن برگ کی درخواست اس کا ثبوت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طبع انسانی اکثر صورتون مین یکسان واقع ہوئی ہے ہوس تفوق اسکا ایک خاصہ ہے پس جس چیز کی نسبت اس کا خیال ہوتا ہے کہ اُسکی ذات مین اُسکا وجود اُسے اورون سے بلند تر سطح پر پہونچا دیتا ہے۔ اُسے وہ اورون کی ذات مین نہین دیکھ سکتی۔ کیونکہ تعمیم تفوق کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور یہی خیال اسے بخل کیطرف مائل کرتا یا بلحاظ دیگر مانع تعمیم ہوتا ہے۔

جان فسٹ نامی ایک سنار روپیہ قرض دیکر گٹن برگ کی ہمت افزائی کیا کرتا تھا۔ اس سنار نے ایک بار گٹن برگ پر اپنے روپیہ کے لیے نالش کی اور عدالت نے اسے مطبع پر قبضہ دلا دیا۔ گٹن برگ نے ساٹھ سال کی عمر مین دوبارہ مطبع جاری کیا مگر ضعیفی صحت پر اپنا اثر کر رہی تھی اس لیے مجبوراً مطبع بند کر دیا ۱۴۶۶ء یا اُس کے قریب قریب وہ اس عالم فانی سے چل بسا۔

۱۴۶۲ء مین مینز پر حملہ ہوا اور اس کے باشندے یورپ کے مختلف ممالک مین نکل گئے۔ گٹن برگ کے مطبع کے آدمی بھی اس تباہی کے زمانہ مین خانہ ویران ہو گئے اور یون یہ فن یورپ مین پھیلا۔ سنہ ۱۴۷۲ء یا ۱۴۷۶ء مین بروجس مین ایک مطبع تھا جس کا بانی کولارڈ مینشن تھا۔ اسکے گاہکون مین ولیم کیکسٹن نامی ایک انگریز تھا۔ کیکسٹن نے اس فن کو جس کے ذریعہ اُسکی تصنیفات کے متعدد نسخے آسانی سے بہم پہونچ سکے تھے۔ بہت پسند کیا اور کولارڈ سے اپنے لیے ایک خاص وضع کا ٹائپ ڈھلوایا سنہ ۱۴۷۶ء مین کیکسٹن وطن کو لوٹا اور جوش قومی وہمدردی نے اسے اس فن کو انگلستان مین رائج کرنے پر آمادہ کیا۔ قدر دانی کا زمانہ تھا۔ ایڈورڈ چہارم شہنشاہ وقت نے اسے اپنے سایہ عاطفت مین لیا اور رفتہ رفتہ ملک مین ٹائپ ڈھالنے والے پیدا ہو گئے۔ اور یہ فن جس

عروج پر پہونچ گیا۔ محتاج بیان نہین۔ اگر کیکسٹن شاہی حمایت مین نہ آجاتا تو اسوقت کی ادہام پرستی اس فن کو شاید عرصہ کے بعد وہان مروج ہونے دیتی۔ لوگون کا خیال تھا کہ چھاپنے والے (پرنٹرس) شیطان کے ہاتھ بک گئے ہین۔ اور اس نے سعادۃ منہ مین ان کو یہ فن سکھایا ہے۔ ایڈورڈ ایکبار دفعہ مع ملکہ شہزادون اور ارکان دولت کے مطبع دیکھنے گیا۔ ایک پادری صاحب بھی ہمرکاب تھے حضرت پر خوف طاری ہوا اور رد بلا کے لیے سینہ پر دونون ہاتھ صلیب نما شکل سے باندھکر سب سے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ وہ لوگ جو آج ہم دورون کو اوہام پرست و باطل پرست کہتے ہین وہ اپنے گریبان مین منھ ڈال کر دیکھین کہ وہ بھی ارتقائی منزلین طے کرتے ہوئے اس منزل سے گذرے ہین یا نہین۔

پادریون کے ذوق اشاعت انجیل نے اس فن کو ہندوستان مین ۱۸۱۲ء بمقام سیرام پور جلوہ گر کیا اور رفتہ رفتہ یہ فن تمام ہندوستان مین پھیل گیا۔

ہندوستان کی ہر زبان کے حرف یہان ڈھالے گئے دیوناگری خط بہت زبانون کے خطون کا ماخذ تھا۔ ان کے ڈھالنے مین نہایت ہی آسانی ہوئی اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جن اصول پر یورپین زبانون کے حرف ڈھالے گئے ہین وہی ان پر منطبق ہوتے تھے یعنی جس طرح ان زبانون کے حرف جدا جدا لکھے جاتے ہین اسیطرح سنسکرت ماخذ زبانون کے الفاظ کے حرف لکھے جاتے ہین۔ پس ٹائپ عمدہ اور خوشنما ڈھل گیا۔ لیکن جن زبانون کے خط کا ماخذ عربی خط تھا ان کے ڈھالنے کے لیے ایک اصول ایجاد کرنا پڑا یعنی ہر لفظ کے حروف کے تین درجے مقرر کرنے پڑے اور حرفون کو ان درجون مین سے کسی ایک درجہ مین رکھنا پڑا۔ عربی خط تو پھر بھی اپنی پوری شان قائم رکھ سکا۔ لیکن مفرس عربی خط تا ہنوز اپنی ذاتی خوبصورتی کے ساتھ نہین ڈھالا جا سکا۔ اگرچہ انڈین پریس الہ آباد اور گجراتی ٹائپ فونڈری بمبئی کے مساعی اس بارے مین قابل داد ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران نے جب عربی خط اختیار کیا ہے تو اس کو خوبصورت بنانے کی بہت کوشش کی اور خوبصورتی کے خیال مین اس قدر محو ہو گیا کہ اس نے عربی خط کے اصول نظر انداز کر کے حرف کے اوپر حرف رکھ دیا اور بعض صورتون مین کچھ اس طرح کا تصرف کیا کہ اب اسکو

معلومہ اصول کے تحت مین لاکر ڈھالنا بہت دشوار ہوگیا ہے۔ اس کی خوبصورتی کا دار و مدار کچھ اس پر بھی ہے کہ لفظون مین زیادہ فصل نہ ہو اور ٹائپ مین اکثر اوقات یہ فصل ناگزیر ہوجاتا ہے اور یہی اس کی خوبصورتی کو زائل کردیتا ہے مفرس عربی خط جہانتک ہمارا خیال ہے کبھی حسب منشا نہین ڈھالا جا سکتا اور نہ جو کوششین اب تک کیجا چکی ہین اور جو نتائج اس سے مرتب ہوئے ہین اگر اول سے بہتر نتائج کبھی پیدا بھی ہوئے تو اس مین کم از کم پانچ درجہ مقرر کرنے پڑین گے۔ چند حرفون کی صورت مین کچھ کاٹ چھانٹ کرنی پڑے گی۔ اور یہ تو بالکل ہی ناممکن ہوگا کہ حرف پر دوسرا حرف آسکے۔ پس اگر مفرس عربی خط کے لیے کبھی کوئی عمدہ ٹائپ نکلا بھی تو وہ اس قدر خوبصورت نہ ہوگا جتنا کہ قلم کا لکھا ہوا خط۔ تاہم وہ لوگ جن کو قدرت نے دماغ عطا کیا ہے فرصت دی ہے اور ساتھ ہی دولت۔ ان کا فرض ہے کہ پہلے مفرس عربی خط کے اصول دریافت کرین۔ پھر ان اصولون کے مطابق ٹائپ ڈھال کر نتیجہ دیکھین اور حسب ضرورت خط مین بھی ترمیم کرین۔

اگر ہم صرف اپنے فرصت کے اوقات سے فائدہ اٹھائین تو کیسے کیسے کام کرسکتے ہین

...مرہ ... تھا ... کا مطالعہ علم فلسفہ کا بھی ان عادات کا باعث نہین ہوا جو اس نے عوام کی کین اور اس نے محض وہ وقت علم فلسفہ کے مطالعہ مین صرف کیا جو دوسرے لوگ کھیل کود اور سامان تفریح مین صرف کرتے ہین۔

دیگوسیا نے (جو کہ فرانس کا ایک اعلیٰ ترین چانسلر تھا) وقت کے تمام حصون کو خوش اصلوبی سے صرف کرنے سے کھانا کھانے کے لیے عرصہ انتظار کرنیکے دوران مین ایک ضخیم اور پر لیاقت کتاب لکھی۔

ڈاکٹر نی نے فرانسیسی اور اطالین زبان دانی اسپ سواری پر جب وہ ایک شاگرد موسیقی سے دوسرے شاگرد موسیقی کے پاس پڑھانے کے لیے جایا کرتا تھا۔ سیکھی۔

دلگداز

مولنا شرر مرحوم کی یادگار اردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جسنے زبان اردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹریچر سے بھر دیا خریداروں کو ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور یہی سال مابعد کے چندے اور محصول ڈاک پر ایک روپیہ بارہ آنہ میں وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے۔

منیجر دلگداز لکھنو

تصانیف مولنا محمد عبد الحلیم صاحب شرر مرحوم

(تاریخ سوانحمری اور لکچر وغیرہ)

۱۔ جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات ۔۔۔ عہ

۲۔ ابوبکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات ۔۔۔ عہ

۳۔ حسن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ کے حالات ۔۔۔ ۶ر

۴۔ خواجہ معین الدین۔ خواجہ اجمیری کے حالات ۔۔۔ ۶ر

۵۔ ملکۂ زنوبیہ۔ سلف کی ایک عربی شہزادی کا ۔۔۔ ۳ر

۶۔ سکینہ بنت حسینؓ۔ جناب سکینہ بنت امام حسینؓ ۔۔۔ ۴ر

۷۔ قرۃ العین۔ ایران کی مشہور مجتہدہ کے حالات ۔۔۔ ۲ر

۸۔ ولادت سرور عالم۔ مولد شریف مصنفہ علامہ ابوالفرج ابن جوزی کا ترجمہ نثر کا نثر میں اور نظم کا نظم میں مجلد ۔۔۔ ۸ر

۹۔ سفرنامہ امام شافعیؒ امام ممدوح کے سفر کے حالات ۔۔۔ ۴ر

۱۰۔ سرسید کی دینی برکتیں۔ ۔۔۔ ۲ر

۱۱۔ قانون وراثت اسلام پر مولنا کا ایک لکچر ۔۔۔ ۴ر

۱۲۔ ہندوستان کی موسیقی ۔۔۔ ۴ر

۱۳۔ ثانی اثنین۔ حضرت صدیق اکبر کے حالات ۔۔۔ ۶ر

۱۴۔ ذی النورین۔ حضرت عثمان کے حالات ۔۔۔ ۱۰ر

۱۵۔ ابوالحسنین۔ حضرت علی کے حالات ۔۔۔ ۸ر

تاریخی ناول

۱۶۔ عزیزۂ مصر۔ عہد بنی طولون کا تاریخی ناول ۔۔۔ ۱۲ر

۱۷۔ فتح اندلس۔ اسپین پر عربوں کا حملہ ۔۔۔ ۶ر

۱۸۔ رومتہ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ ۔۔۔ ۱۲ر

۱۹۔ مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول ۔۔۔ ۱۲ر

۲۰۔ فلپانا۔ ارض بلاد البس العرب پر صحابہ کا حملہ ۔۔۔ ۱۲ر

۲۱۔ فردوس بریں۔ نقلی جنت کی سیر ۔۔۔ عہ

۲۲۔ قیس و لبنیٰ۔ مشہور عاشق عرب اور اسکی معشوقہ لبنیٰ ۔۔۔ ۱۲ر

۲۳۔ لعبت چین۔ عہد صحابہ کا تاریخی ناول ۔۔۔ عہ

۲۴۔ مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا ۔۔۔ ۱۲ر

۲۵۔ ماہ ملک۔ عورتوں کا عروج اور فتوحات ۔۔۔ عا

۲۶۔ یوسف نجمہ کا ول۔ ... کی آپ بیتی ۔۔۔ ۱۲ر

۲۷۔ ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی مکمل تصویر دو حصہ ۔۔۔ ۱۲ر

۲۸۔ جویائے حق۔ حضرت رسول کرم کی سوانحمری بطور ناول حصہ اول عہ دوم عہ کامل ۔۔۔ للعہ

۲۹۔ زوال بغداد۔ شیعہ سنیوں کی نااتفاقی کا عبرتناک نتیجہ۔ بغداد کی تباہی۔ ۔۔۔ ۱۲ر

۳۰۔ شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی۔ ۔۔۔ ۱۲ر

۳۱۔ طاہرہ۔ نہایت دلچسپ تازہ ناول ۔۔۔ ۱۲ر

۳۲۔ مینا بازار۔ مولنا کا سب سے اچھا ناول ۔۔۔ عہ

۳۳۔ نیکی کا پھل۔ نہایت دلچسپ آخری تصنیف ۔۔۔ عہ

۳۴۔ الفانسو۔ ایک عاشقانہ ناول ۔۔۔ ۱۲ر

۳۵۔ بابک خرمی۔ سلطنت عباسیہ کے حالات ہر دو جلد ۔۔۔ ۱۲ر

۳۶۔ حسن انجلینا۔ روس و روم کی لڑائی۔ ۔۔۔ ۱۰ر

۳۷۔ فلورا فلورنڈا۔ عیسائیت کے عہد جہالت کے واقعات ۔۔۔ ۱۲ر

۳۸۔ ملک العزیز ورجنا۔ رچرڈ شیر دل اور صلاح الدین اعظم ۔۔۔ ۱۰ر

۳۹۔ منصور موہنا۔ سندھ میں ایک انصاری خاندان کے حالات۔ ۔۔۔ ۱۰ر

۴۰۔ شہید وفا۔ ۔۔۔ ۴ر

المشتہر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خاں لکھنؤ

تصانیف مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

- ۴۱ - آغا صادق کی شادی، ایک عجیب قصہ ۱۰/
- ۴۲ - حسن کا ڈاکو، حرامیوں کے مذہب کا اعلان ہر دو حصہ عہ/
- ۴۳ - اسرار دربار حرامپور، حرامپور کے خواب کے ... حالات ہر دو جلد ۱۰/
- ۴۴ - غیب دان دلہن، حیرت انگیز غیب دانی کی عہ/
- ۴۵ - خوفناک محبت، ہندوستان کی شریف زادیوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی عہ/
- ۴۶ - دلچسپ، مصنف کا پہلا زور قلم ہر دو حصہ ۸/
- ۴۷ - دلکشں کامل ۱۴/

ڈرامے اور نظمیں

- ۴۸ - اسیری بابل، گولڈ سمتھ کے ایک ڈرامے کا ترجمہ نظم میں ۴/
- ۴۹ - زمانہ اور اسلام، ایک بزدل نیچرل نظم ۴/
- ۵۰ - شب غم، فراق کی بنیا بیان اور بیقراریاں ۱۰/
- ۵۱ - شب وصل، فراق کے بعد وصل کا بیان ۱/

مضامین شرر

- شاعرانہ و عاشقانہ دو حصے
- تاریخی و جغرافی
- گذشتہ لکھنؤ
- سیر رجال — سیر علماء
- ختم سال و شروع سال
- سیر نسوان دو حصے
- ادب و تحقیق مسائل
- اصلاح قوم و ملت
- تاریخی واقعات پر خیال آرائی
- نظم و ڈراما

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد	قیمت	جلد	قیمت
جلد سنہ ۱۸۸۷ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۱۶ء	عہ/
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۱۷ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۱۹ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۰۵ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۲۱ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۰۶ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۲۲ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۲ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۲۳ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۲۴ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۲۳ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۲۷ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۲۸ء	عہ/	جلد سنہ ۱۸۹۰ء	عہ/

منتخب مضامین دلگداز سنہ ۱۸۸۷ء ۱۰/

متفرق تصانیف

- انگلستان کی عورتیں ۲/ — معیار زندگی ۲/
- اسلامی سوانح عمری مشاہیر اسلام کے حالات عہ/
- الحکم الرفاعیہ، سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ ۳/
- حلیۃ العذرا، فارسی میں پیغمبر حق کی تاریخ ۱/
- ولادت محمدی صلعم اول عہ دوم عہ کامل ے/
- معتزلہ، مولانا کا ایک عجیب لکچر ۱۲/

(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)

- مرزا غالب کی شاعری، مرزا محمد عسکری صاحب بی اے کا ایک محققانہ لکچر ۴/ (چار آنہ)
- یادش عمل، رینالڈ کے مشہور ناول کنفشن کا ترجمہ اول عہ دوم عہ سوم عہ چہارم عہ پنجم عہ
- رفع النقاب، مروجہ پردے کی تردید ۴/
- اکاڈیمی کی تاریخ پر مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۴/
- رامائن کے بعض سین ۸/
- اتالیق بی بی، میاں کی حرکتوں پر بی بی کی ظریفانہ نکتہ چینی ۸/

المشتہر آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق مینیجر دلگداز گرہ نزد بیگنجان لکھنؤ

رجسٹرڈ نمبر ا ۱۳۱

مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم و مغفور
کی یادگار

رسالہ

دلگداز

نمبر [illegible] بابتہ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء جلد ۳

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

خاکسار حکیم محمد سراج الحق منیجر اور پرنٹر و پبلشر

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان میں
چھپ کر شایع ہوا

چندہ سالانہ عہ/ مع محصول ڈاک



جمیل شاعر

از مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم

"ابو عمرو جمیل بن عبد اللہ بن معمر بن صباح ابن ظبیان عذری"

اگرچہ جمیل کا نام لوگون کو شعرا کی فہرست مین ملے گا۔ مگر اصل یہ ہے کہ وہ بوالہوس شعرا مین نہ تھا بلکہ ایک راست باز اور پاک طینت عاشق تھا۔ یہ اور بات ہے کہ شعراے عرب مین سے صرف قیس عامری کا نام ہماری اردو پبلک تک پہونچا۔ لیکن غور کیجیے تو جس زمانہ مین واقعات عشق قیس عامری اور اسکی معشوقہ لیلاے عامریہ مین گذرے اسی کے قریب قریب واقعات جمیل عذری اور اسکی پرجمال معشوقہ بثینہ عذریہ مین بھی پیش آئے تھے۔ اس کا حال یہ ہے کہ عاشق و معشوق دونون عرب کے قبیلۂ بنی عذرہ مین سے تھے۔ نہین معلوم کہ ابو عمرو جمیل کس سنہ مین پیدا ہوا۔ لیکن مورخین کی شہادت سے یہ امر تحقیقی طور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ شباب اور چلبلی طبیعت والا شاعر بچپن ہی سے بثینہ کے حسن دلفریب پر بے چینیان ظاہر کرتا اور عشق کے پرجوش جذبات دکھاتا نظر آیا تھا۔

مشہور عشاق کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق واقعی ماں کے پیٹ ہی سے لے کے آئے تھے۔ جمیل بچپن مین عاشق ہوا۔ جب زمانہ بلوغ آیا اور جوان ہوا تو کوشش کی کہ جسطرح بنے بثینہ کو اپنے عقد نکاح مین لائے۔ مگر وہ ظالم نہ راضی ہوئی اور یہ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔ غالباً وہ تو راضی ہو گئی مگر اس کے ماں باپ نے منظور

کیا ہوگا۔ اور ان کے خیال سے خود اس کو بھی عاشق جانباز سے بیوفائی کرنا پڑی ہوگی۔ اس لیے کہ آیندہ حالات دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ آتش عشق اس پاک دامن لڑکی کے دل مین بھی بھڑک رہی تھی۔ اور عشق کے وہ سچے جذبات دونون طرف موجود تھے جن کو اردو کے سخن سنج نے ان موثر الفاظ مین ظاہر کیا ہے۔ شعر

الفت کا جب مزہ ہے کہ دونون ہون بیقرار دونون طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

جمیل کو جب وصال مین ناکامی ہوئی تو جذبات عشق کو شاعرانہ طبع آزمائیون مین ظاہر کر کر کے دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔ ہمیشہ ثبینہ کے جمال جہان آرا کی تعریف مین قصائد کہے اور علانیہ اس پر اپنا عشق جتاتا رہا۔ ثبینہ کے دل پر بھی اُن موثر اشعار نے اپنا جادو ڈال دیا۔ اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ گھر سے نکل کے بعض معین وادیون اور مقامات مین آتی تھی اور جمیل سے ملتی تھی۔ اور دونون عاشق و معشوق ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھاتے تھے۔ یہ ایک ایسا ناجائز طریقہ وصال تھا جس نے عام طور پر بدگمانی پیدا کر دی۔ اور ہر شخص کو جو یہ خبر سُنے گا بدگمانی ہوگی۔ مگر ہم کو اطمینان ہے کہ دونون مین باوجود ہمیشہ ملنے جلنے کے کوئی ناجائز تعلق نہ تھا۔ جمیل کی زندگی کی پچھلی گھڑیون کا حال بیان کرتے وقت ہم سب کو یقین دلا دین گے کہ ہمارا اطمینان بیجا نہین ہے۔ دونون پاکباز تھے۔ اور عشق کے ان مدارج پر پہونچے ہوے تھے کہ کسی کے دل مین دوسرے کی عزت پر حملہ کرنے کا کبھی خیال بھی نہ آتا تھا۔

قبیلۂ بنی عذرہ کا حسن و جمال عرب مین مشہور تھا۔ اس قبیلہ کے مرد اور عورتین دونون نہایت ہی حسین ہوتے تھے۔ قبیلۂ عذرہ کے ایک اعرابی سے لوگون نے دریافت کیا "کہو جی یہ تم لوگون کے دلون کی کیا حالت ہے۔ گویا چڑیون کے دل ہین کہ نمک کی طرح گھل جاتے ہین۔ یہی حال ہے تو تمھاری کھال ادھڑ گئے گر کیون نہین جاتی"۔ یہ سن کے وہ اعرابی بولا "جن آنکھون کو ہم دیکھتے رہتے ہین وہ تمھاری نظر سے نہین گزرتین۔ نہین تو قدر و عافیت معلوم ہو جاتی"۔ ایک اور اعرابی سے کسی صاحب نے پوچھا "تم کس قبیلہ سے ہو؟" بولا "اس قبیلہ سے جس کے لوگون کے دل مین ادھر عشق پیدا ہوا ادھر مرے"

یہ جملہ کسی عورت نے سن لیا۔ فوراً بول اٹھی "خدا کی قسم یہ قبیلۂ بنی عذرہ میں سے ہے"۔ جمیل کا ایک دیوان بھی ہے۔ جو عرب میں نہایت متداول تھا۔ حافظ ابن عساکر اپنی تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں کہ کسی نے جمیل سے کہا "تم کن لغویات میں ہو۔ اگر قرآن پڑھتے تو کیا خوب تھا"۔ جمیل نے کہا "خود انس ابن مالک نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ ان من الشعر لحکمۃ" یعنی بعض اشعار حکمت ہوتے ہیں"۔ جمیل کے اکثر واقعات کو کثیر عزہ نے نقل کیا ہے اور وہی ان کے واقعات کا راوی ہے۔ اس کا نام تو صرف کثیر ہے مگر اس کی معشوقہ عزہ تھی جس کا نام اس کے نام میں ہمیشہ کے لیے مدغم ہو گیا۔

ان کی معشوقہ بثینہ کی کنیت ام عبدالملک تھی۔ اور جس قبیلہ میں یہ دونوں تھے اس کا حسن و جمال ہی نہیں مشہور تھا بلکہ یہ بھی مشہور تھا کہ عشق و محبت کا مادہ بھی اس قبیلہ والوں کے دل میں بہت ہے۔ اسی بنا پر اگر جمیل بثینہ پر عاشق ہوا تو کوئی نئی بات نہیں کی۔

کثیر کہتا ہے ایک بار میں راستہ میں جا رہا تھا کہ جمیل سے ملاقات ہوئی اس نے پوچھا "کہاں سے آتے ہو؟"، میں نے کہا بثینہ کے پاس سے"۔ پھر پوچھا "جاتے کہاں ہو؟" میں ڈھلا اپنی دلربا عزہ کے پاس"، یہ سن کے کہنے لگے "نہیں اس وقت تو تم جہاں سے آتے ہو وہیں جاؤ۔ اور میرے لیے بثینہ سے ایک ملاقات کا وعدہ لے آؤ"۔ میں بولا "ابھی میں ابھی بثینہ کے پاس سے چلا آ رہا ہوں۔ مجھے پھر جاتے ہوئے شرم آتی ہے"، انھوں نے کہا "نہیں اس وقت تو تمھیں جانا پڑے گا۔ میں نے مجبور ہو کے پوچھا "اچھا تو بتائیے آپ کو بثینہ سے ملے ہوئے کتنا زمانہ ہوا؟" کہنے لگے ابتدائے موسم گرما میں وادی دوم کے نشیب میں پانی برسا تھا۔ وہ اپنی لونڈی کے ساتھ وہاں کپڑے دھونے کے لیے آئی۔ مجھ سے چار آنکھیں ہوئیں۔ مگر اس نے مجھے نہیں پہچانا اور غیر سمجھ کے پانی میں سے چادر نکال کے اوڑھ لی۔ لیکن اس کی لونڈی مجھے پہچان گئی۔ جب لونڈی کے بتانے سے اُس نے مجھے پہچانا تو پھر چادر پانی میں ڈال دی اور مجھ سے باتیں کرنے لگی باتوں ہی باتوں میں آفتاب غروب ہو گیا۔ اب مفارقت کے خیال سے گھبرائی۔ میں نے پوچھا "پھر اب کب ملاقات ہو گی؟" اس کے جواب میں اس نے اتنا ہی کہا "اب میں

نہین کہہ سکتی میرے ساتھی سب چلے جائین گے۔" اتنا کہا اور چلی گئی جب سے آج تک
ملاقات کی نوبت نہین آئی اور نہ کوئی ایسا ملا جس پر راز داری کا اطمینان ہوتا کہ
اس کے پاس وعدہ لینے کے لیے بھیجتا۔" مین نے کہا "اچھا اگر مین وہان جاؤن اور
تنہائی مین اس سے بات کرنے کا موقع نہ ملے تو اس کی اجازت ہے کہ اشعار کے
ذریعہ سے اپنا مافی الضمیر اس پر ظاہر کر دون؟" یہ سن کے جمیل نے کہا "ہان ہان یہی
مناسب ہو۔" کثیر کہتا ہو غرض مین وہان گیا۔ اور قبیلہ بنو عذرہ مین بثینہ کے مکان
کے سامنے مین نے اپنا اونٹ بٹھایا بثینہ کا باپ آیا اور پوچھنے لگا "کیون بھیا کیا کام
ہو۔ جو کچھ تمھارا غرض ہو بیان کرو۔" مین نے کہا "اجی چند شعر کہے ہین جی چاہتا ہو
آپ کو بھی سنا دون۔" میری یہ بات سن کے وہ کہنے لگا "تو پڑھو ہان کیا شعر ہین؟"
مین نے دیکھا تو بثینہ کھڑی ہوئی تھی۔ بس یہ شعر اس کو سنا سنا کے پڑھنے لگا۔

فقلت لها یا عز ارسل صاحبی الیک رسولا والرسول موکل

مین نے اس نازنین سے کہا کہ اے عزہ مین اپنے دوست کو قاصد بنا کے تیرے پاس
بھیجتا ہون اور قاصد میرا سکھایا پڑھایا ہوا ہے۔

بان تجعلی بینی وبینک موعدا وان تامرینی بالذی فیہ افعل

اس لیے کہ میرے اور اپنے درمیان مین تو کوئی وعدے کی جگہ معین کرے
اور اس غرض سے کہ مجھے بتائے کہ کیا کرون۔

واخر عہدی منک یوم لقیتنی باسفل وادی الدوم والثوب یغسل

اور پچھلی مرتبہ مجھے تیرا وصال وادی دوم کے نشیب مین نصیب ہوا تھا اس
حال مین جبکہ کپڑے دھوے جا رہے تھے۔

اتنا سنتے ہی بثینہ نے اپنے پردے کے کونے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی "خدا تجھے غارت
کرے، خدا تجھے غارت کرے۔" یہ سن کے اس کے باپ نے کہا "کیون بثینہ کیا ہوا؟" کہنے لگی
"جب لوگ سو جاتے ہین اس پشتہ کے ادھر سے ایک کتا آ کے ہمین ستایا کرتا ہو۔" اس کے
بعد اپنی لونڈی سے کہنے لگی "ہا مقل کے جنگل مین سے کچھ لکڑیان توڑ لا تاکہ ہم اپنی
ایک بکری ذبح کر کے اس مہمان کی دعوت کرین۔" یہ سن کے مین نے کہا "نہین مجھے
ٹھہرنے کی فرصت نہین ہو۔ ایک ضروری کام پر جانا ہو۔ اور اسی وقت جاؤن گا۔ یہ جواب

دے کے مین جمیل کو اپس گیا ساری سرگزشت اس سے بیان کر دی۔ مین اس شوخ طبع لڑکی کا مطلب نہ سمجھ سکا تھا مگر جمیل فوراً سمجھ گیا۔ کہنے لگا اس نے کل کے جنگل مین ملنے کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ الغرض دوسرے دن جمیل اپنے پیامبر کثیر کو ہمراہ لے کے اس جنگل مین پہونچا دیکھا تو بثینہ اپنی سہیلیون کے ساتھ وہان موجود تھی۔ رات بھر اس جنگل مین لطف صحبت رہا۔ اور صبح ہوتے ہی دونون ایک دوسرے کو حسرت کی نگاہون سے دیکھ کے رخصت ہوے۔ کثیر کہتا ہے مین نے کوئی صحبت اس سے زیادہ دلچسپ زندگی بھر نہین دیکھی۔ اور نہ جمیل اور بثینہ سے زیادہ کسی کو ایک دوسرے کے دل سے واقف پایا۔ دونون ایک دوسرے کے جذبات دلی کو فوراً سمجھ جاتے تھے۔

جمیل کے اشعار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا دیوان گویا بثینہ کو یا اس کے لقا کے دلفریب خیال کو آنکھون کے سامنے بٹھا کے لکھا گیا ہے کہتا ہے۔

ما ذلت ابغی الحی اتبع فلهم　　حتی وجدت الی ربیبة هودج

مین برابر اس قبیلہ مین جاتا تھا اور اس کے شکست خوردہ لوگون مین چلا جاتا تھا یہان تک کہ ایک صاحب محمل نازنین تک پہونچا۔

فدنوت مختفیا الم ببیتها　　حتی ولجت الی خفی المولج

مین چھپ کے اس کے قریب گیا اور اس کے گھر مین جانے لگا۔ آخر پوشیدہ کمرہ مین داخل ہو گیا۔

قتنا ولت راسی لتعرف مسه　　بمخضب الاطراف غیر مشنج

اس نازنین نے اپنی کشادہ اور مہندی مین رنگی ہوئی انگلیان بڑھائین کہ میرے سر کو ٹٹول کے دریافت کرے کہ کون ہون۔

قالت وعیش اخی وحرمة والدی　　لانبهن الحی ان لم تخرج

اور کہنے لگی مجھے بھائی کی عیش و عشرت اور ماباپ کی نعمت و دولت کی قسم اگر نہ تم چلے نہ گئے تو مین سب کو جگا دون گی۔

فخرجت خیفة قولها فتبسمت　　فعلمت ان یمینها لم تلجج

بس اس کی باتون سے ڈر کے مین وہان سے نکلا اور وہ ہنس پڑی تب مین سمجھا کہ اس کی قسم کا اعتبار نہ تھا۔

فلثمت فاہا اخذا بقرونہا شرب النزیف ببرد ماء الحشرج

پھر مین نے اسکی زلفین ہاتھ مین لے کے اس کے ہونٹ چوسے اسی طرح جس طرح کسی بدمست کے گلے سے رُس رُک کے ٹھنڈا پانی اترتا ہے۔

جمیل کی زندگی اسی طرح برابر بیتابانہ عشق۔ شاعرانہ ولولون اور مسلسل ناکامیون مین گذری۔ گو کہ وفاداراور قدر دان الفت معشوقہ اکثر ان سے ملکے ان کی مراد پوری کرجاتی تھی۔ مگر یہ آرزو نہ برآتی تھی نہ برآئی کہ کبھی اس دلربا نازنین کی ہم آغوشی کا لطف اٹھا سکین۔ انھین بے مرادیون مین مصر کا ارادہ کیا۔ قاضی ہرون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ان دنون عبدالعزیز بن مروان والی مصر تھا۔ اور اس کی نکتہ سنجی اور دقیقہ فہمی کا شہرہ تھا۔ خدا نے اسے اہل علم اور نازک خیال شعرا کا قدردان بنایا تھا۔ مصر مین یہ اس سے ملنے کی غرض سے گئے تھے۔ اس نے اپنے ملک مین ایسے باکمال کے آنے کو نہایت افتخار کی نظر سے دیکھا اور ان کی بہت کچھ خاطر و مدارات کی جمیل نے اس کی شان مین قصائد کہے اس نے ان کو سنا۔ اور انعام و اکرام سے نہال کردیا۔ اگر جمیل کے دل مین دولت اور مرفہ حالی کی آرزوئین تھین تو مصر پہونچ کے اور عبدالعزیز بن مروان کے ایسے فیاض والی ملک سے مل کے سب پوری ہو گئی تھین۔ لیکن نہین۔ ان کے دل مین جو کانٹا کھٹک رہا تھا وہ کسی کے نکالے سے نہین نکل سکتا تھا۔ یہ بثینہ کے شہید ناز تھے۔ اور اس کے حسن گلوسوز کی تمنا مین ہر وقت بیقرار رہا کرتے تھے۔ اس عشق کا تذکرہ عبدالعزیز سُن چکا تھا۔ موقع دیکھ کے اور ہمدردی کے لہجہ مین اس نے خود ہی بثینہ کا ذکر چھیڑا۔ اور ان کے درد دل کا حال پوچھنے لگا۔ بس چھیڑنے کی دیر تھی۔ اُنھون نے رو رو کے اپنا دُکھڑا بیان کرنا شروع کیا۔ اپنی ناکامیون اور مایوسیون کو ایسی درد بھری آواز اور ایسے بیتابی کے لہجے مین بیان کیا کہ والی مصر کا دل بھر آیا۔ اس نے ان کی دلدہی اور تسلی کی۔ اور کہا "آپ مطمئن رہیے۔ انشاء اللہ آپ کو آپ کی بثینہ سے ملا دون گا۔ بلکہ خدا نے چاہا تو اسے کوشش کر کے آپ کی بی بی بناؤن گا۔ تاکہ آپ ہمیشہ کے اس کی ہم آغوشی سے مسرور و محظوظ ہون"۔ اس کے بعد اس نے انھین ایک عمدہ مکان رہنے کو دیا اور اپنے ہی ذل عاطفت مین ٹھہرایا۔ لیکن عشق کا وار ان کے دل پر ایسا کاری پڑ چکا تھا کہ ان تسلی کے الفاظ نے

ان پر کوئی اثر نہ کیا۔ ٹھہرنے کو تو وہان ٹھہر گئے مگر چند ہی روز کے بعد بیمار پڑ گئے
اور بیماری نے بھی رفتہ رفتہ ترقی کر کے پہلے صاحب فراش اور پھر لب گور کر دیا۔
زبیر بن بکار کا بیان ہے مجھ سے عباس بن سہیل بیان کرتے تھے کہ ایک روز
مین مصر کے بازار مین چلا جاتا تھا۔ اتفاقاً راستہ مین ایک شخص ملا۔ اس نے صاحب سلامت
کے بعد کہا "آپ کو کچھ جمیل کی بھی خبر ہے؟ وہ بہت بیمار ہین۔ چلیے ذرا اُن کی عیادت
کر آئین"۔ یہ سُن کے مین نے اسے اپنے ہمراہ لیا۔ اور جمیل کے گھر پر گیا۔ دیکھا تو وہ
جسمانی تکالیف مین مبتلا ہین۔ اور کسی پہلو پر انھین قرار نہین آتا۔ میری طرف
دیکھتے ہی بولے "اے ابن سہیل اس شخص کے بارے مین تمھاری کیا رائے ہے جس نے
نہ کبھی شراب پی۔ نہ کبھی زنا کیا۔ نہ کسی شخص کو قتل کیا۔ نہ کبھی چوری کی اور کلمہ طیب
لا الہ الا اللہ کا معترف ہے"۔ مین نے کہا "بظن غالب اس کی نجات ہو گی۔ اور امید
کی جاتی ہے کہ وہ جنت مین جائے گا"۔ اس کے بعد مین نے کہا "اچھا یہ تو بتائیے
کہ آپ کس شخص کا تذکرہ کرتے ہین؟" بولے "خود اپنا"۔ اتنا سنتے ہی مجھے حیرت
ہو گئی۔ اور مین نے کہا "خدا کی قسم مجھے کبھی اس کا خیال بھی نہ تھا کہ آپ معاصی سے
اس قدر محفوظ ہون گے۔ حالانکہ بیس برس سے بثینہ کے عشق مین مبتلا ہین۔ اور
اس سے ملنے اور لطف اٹھانے کو شاعرانہ خیالات مین برابر ادا کرتے رہتے ہین"۔
یہ سُن کے جوش مین آکے بولے "تم دیکھتے ہو کہ یہ میری زندگی کی پچھلی گھڑیان ہین اور اب
مجھے عالم آخرت سے بہت جلد سابقہ پڑنے والا ہے۔ اس وقت مین قسم کھا کے کہتا ہون
کہ مجھے جناب رسالت مآب صلعم کی شفاعت نہ نصیب ہو۔ اگر مین نے کبھی بدنیتی سے
اس کی طرف اپنا ہاتھ بھی بڑھایا ہو"۔ جس روز کا یہ واقعہ ہے وہ دن ہنوز تمام
نہ ہونے پایا تھا کہ جمیل نے دنیا کو رخصت کیا۔ اور روح نورد عالم بالا ہوئے۔
جمیل نے یہ امر ایسے وقت مین اور ایسی حالت مین بیان کیا ہے کہ ہم کبھی جھوٹ کا
احتمال نہین کر سکتے اور اسی سے پتہ چلتا ہے بلکہ ہم یقین کیے لیتے ہین کہ وہ دنیا سے ناکام
و نامراد اور دینی حیثیت سے نہایت ہی پاک و صاف گئے۔ خدا غریق رحمت کرے۔ لیکن سچ یہ ہے
کہ جو تحمل و صبر اپنے جذبات دلی کے مقابلے مین دکھایا انھین کا کام تھا۔ معشوقہ سے اکثر
صحبتون مین ملنا۔ بے تکلفی اور تنہائی مین اس پر اپنے جذبات دلی ظاہر کرنا خود اس کا بھی

اُن کی کشش عشق سے بیتاب ہو ہو جانا۔ اور پھر دونون کا بیگناہ اور پاکباز بنا رہنا ہیچ تو یہہ ہے کہ نہایت دشوار کام ہے۔ لیکن یہ دشواریان صرف ہماری نظر مین ہین۔ اس لیے کہ ہمارے جذبات چھوٹے ہین اور ان کا مدار صرف نفس پرستی پر ہے جن لوگون کا عشق سچا تھا۔ ان کی حالت اکثر ایسی ہی دیکھی گئی ہے کہ اُن کی نظر مین وصال اور عدم وصال دونون کیفیتین برابر ہوتی ہین۔ ان کو جیسی بیتابی عالم ہجران مین تھی ویسی ہی بیتابی ان سے اُس وقت بھی ظاہر ہوئی جب دلفریب معشوقہ آنکھون کے سامنے بیٹھی تھی ان کے نزدیک عشق کا منشا اور جذبات دلی کا منتہے سیاہ کاری اور ذلیل شہوت پرستی نہ تھی بلکہ وہ صرف ایک دلربا صورت کے دیوانے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ کمال اور قدرت کی بےمثل صناعی کی خبر دیتی تھی۔ صورت دیکھ کے صرف اتنے خیال نے انھین اور ان خودرفتہ بنا دیا کہ ”ہائے کیا پیاری صورت ہے!“ جمیل شاعر جس کی زندگی ایک ہم قبیلہ عورت کے عشق مین گذری اُس کے حالات صاف بتا رہے ہین کہ وہ غریب بھی اسی قسم کا دیوانہ تھا۔ قیس عامری کیطرح وہ بھی انا لیلیٰ کہنے کا دعوی رکھتا تھا۔ اس کے دل مین ہمارے زمانہ کے شہوت پرست عشاق کی طرح کسی بہو بیٹی کی بےعصمتی کے جذبات اور خیالات نہ تھے۔ ایک یہ بھی عجیب بات ہے کہ اس درجہ عشق کو پہونچے ہوے عشاق ہمیشہ ناکام رہے اور دنیا سے نامراد ہی گئے جتنے سچے واقعات ناموران دنیاے عشق کے ہین سب بتا رہے ہین کہ باوجود ہر قسم کی اور ہر طرح کی بیتابیون کے اور باوجود اس کے کہ معشوقہ بھی اکثر وفاشعار بلکہ ان کے درد دل پر آنسو بہانے والی تھی انھین اپنی آرزؤن مین کامیابی نہ نصیب ہوئی جذبات دل اکثر معشوقہ کو ان کے پاس جنگل مین بھی کھینچ لائے۔ لیکن یہ نہوا کہ جائز طور پر دونون مین رابطۂ محبت قائم ہو جاسے۔ اور ناجائز وصال سے ان کو پرہیز رہا۔

الغرض اپنے تمام سچے ہم مذاقون کی طرح جمیل عذری نے بھی مایوسی ہی کے ساتھ جان دی۔ اور مرتے وقت یقین دلا دیا کہ اُن کی معشوقہ اور وہ خود دونون اس اختتام عشق کی گھڑی تک پاکبازی کے ساتھ خدا سے ڈرتے تھے۔ علامۂ ابو الفرج اصبہانی نے اپنی مشہور کتاب ”آغانی“ مین نقل کیا ہے کہ

کہ اصمعی کسی شخص کی زبانی یہ واقعہ بیان کرتے تھے کہ جب جمیل کا آخری وقت تھا اور زندگی کی پچھلی سانسین رُک رُک کے چل رہی تھین اس وقت انھون نے اس شخص کو بلا بھیجا۔ وہ سامنے گیا تو کہنے لگے "اگر تم میری ایک وصیت بجا لاؤ اور مجھ سے عہد کرو تو مین تمھین اپنے تمام مال و اسباب کا وارث اور مالک کر دون" وہ کہنے لگا "آپ جو خدمت فرمائیے مین بجا لانے کو موجود ہون" یہ قابل اطمینان وعدہ سن کے بولے "اچھا تو مین جب مر جاؤن تم میرا یہ کرتا تو رہنے دینا باقی تمام چیزین تمھاری ہین۔ خیر اس کرتے کو لے کے تم سفر کرنا اور بثینہ کے قبیلہ مین جا کے میرے اس اونٹ پر سوار ہونا اور میرا یہ کرتا خود پہن لینا اور اس کا گریبان چاک کر دینا۔ پھر کسی بلند ٹیلہ پر چڑھ جانا اور بآواز بلند یہ تین شعر پڑھنا جن کا مطلب یہ ہے " خبر مرگ پہونچانے والے نے جمیل کے مرنے کی خبر سُنائی۔ وہ مصر مین جا کے ایسا ٹھہرا تھا کہ پھر آنا نہ نصیب ہوا۔ عام وادی قری مین کھیتون اور جھاڑیون کے درمیان مین کھڑا تھا کہ سردی کا صدمہ اٹھا کے مر گیا۔ اے بثینہ اٹھ اور اس پر آنسو بہا۔ اور اپنے اس دوست پر گریہ وزاری کر جو سب دوستون سے اونی درجہ پر تھا" خود اس شخص کا بیان ہے کہ مین نے وہ اشعار جا کے پڑھے ہنوز تینون شعر پورے نہ ہونے پائے تھے کہ بثینہ نہایت ہی بدحواسی کے ساتھ نکلتی ہوئی نظر آئی لیکن ایسی پیاری صورت تھی کہ معلوم ہوتا تھا گویا اندھیری رات مین چاند چلا آتا ہے۔ وہ اپنی چادر مین لپٹی ہوئی تھی۔ اور نہایت ہی حیران و پریشان تھی۔ میرے قریب آ کے اس نے میری طرف خطاب کر کے کہا "اے شخص سچ بتا۔ اگر تو نے سچ کہا تو مجھے مار ڈالا۔ اور اگر جھوٹ کہا تو مجھے اس قدر بدحواس کر کے اپنے قبیلہ مین رسوا کر دیا" مین نے جواب دیا "خدا کی قسم مین سچ کہتا ہون" اور یہ کہتے ہی مین نے جمیل کا کرتا اتار کے اسکے سامنے پیش کیا۔ کرتے کی صورت دیکھتے ہی اُس نے اپنا منہ پیٹنا اور نوحہ کرنا شروع کیا۔ قبیلۂ عذرہ کی اور عورتین بھی آ کے جمع ہو گئین اور اسکے ساتھ ل کے سبھون نے رونا پیٹنا شروع کیا۔ کچھ دیر یونہین بزم ماتم گرم رہی تھی کہ یکایک بثینہ غش کھا کے گر پڑی۔ دیر تک غش مین پڑی رہی۔ پھر اٹھی اور انتہا سے زیادہ حسرت و اندوہ کی آواز مین اس نے دو شعر پڑھے وہ ایسے شعر تھے کہ اُنھون نے ہر چہار طرف عالم پر عجب وحشت ناک حسرت برسا دی۔ اسی شخص کا بیان ہے

کہ مین نے اس روز بثینہ کو جس قدر روتے ہوے دیکھا تھا اس قدر روتے آج تک کسی کو نہین دیکھا۔ وہ شخص اس کے بعد چلا آیا اور یہ نہین معلوم کہ اس غم واندوہ نے بثینہ کا کیا حال کیا۔

اسی مقام سے پتہ چلتا ہے کہ بثینہ کو بھی جمیل کے ساتھ سچا عشق تھا اور اسی پر قیاس کر لینا چاہیے کہ جمیل کی بیتابانہ حسرتون کا اثر ہمیشہ بثینہ کے دل کو بے چین رکھتا ہو گا۔ وہ دوشیزگی کے زمانہ سے جمیل کی معشوقہ بنی اور شادی کی لذتون سے آخر تک محروم رہی جمیل کی جانب سے جو کوششین نکاح کی بابت ہوئین ان مین ناکامی ہوئی گو پوشیدہ طور پر ان باپ سے چھپ چھپ کے صحراؤن اور وادیون مین آئی۔ اور جمیل اسکی صحبت سے اکثر لطف اٹھایا کیا لیکن چونکہ جمیل اپنے عشق مین سچا اور پاکباز تھا لہذا وہ آخر تک پاکدامن رہی۔

جمیل نے سنہ ۸۲ھ مین اس دنیا سے انتقال کیا جس کے چند روز بعد زمانہ نے اسکی معشوقہ کو بھی اسکے پاس پہونچا دیا۔ دونون اُس دوسرے عالم مین ایک دوسرے کی وصل سے لطف اٹھا رہے ہین۔ عدم کی شہ نشین مین دونون ہین اور دونون کے دل رنج واندوہ سے پاک وصاف ہین۔ مگر دنیا والون کے لیے ایک حسرتناک داستان چھوڑ گئے ہین جو آخر زمانہ تک یاد آئے گی۔ اور پاکبازان محبت ان کی نا امیدیون کو یاد کر کر کے ہمیشہ روئین گے۔

سو سال کے بعد دنیا کی حالت کا دلچسپ نقشہ

حال مین لارڈ برکنھیڈ نے دنیاے سنہ ۲۰۳۰ء کی ایک تصنیف شائع کی ہے اس مین قابل مصنف نے دکھایا ہے کہ آج سے ایک صدی گزرنے پر دنیا کہان ہو گی۔ اور کیا ہو گی بعض جگہ تو دنیا کا ایسا بہتر نقشہ کھینچا گیا ہے کہ دل ہی چاہتا ہے کہ بڑھے جائے۔ مگر بعض مقام پر دنیائے سنہ ۲۰۳۰ء مین ایسی ہولناک صورت دکھائی ہے کہ ہر شخص ایک طرح کے خوف سے متاثر ہو جاتا ہے آخری حصہ کتاب مین موصوف نے لکھا ہے کہ وہ یہ دیکھ کر خوش ہین کہ اس وقت تک وہ مر چکین گے اور ان کے بعد ان کی پیشین گوئیان پوری ہو رہی ہون گی بہر طور لارڈ برکنھیڈ کی اس کتاب کے شائع شدہ اقتباسات کا ترجمہ ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔

۲۰۳۰ء مین یعنی پورے ایک صدی بعد جو سب سے زیادہ خوش کن تبدیلی بات ہو گی وہ یہ ہو گی کہ ایک ہفتہ مین سولہ گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹے ایک شخص کو کام کرنا پڑیگا اور یہ اس لیے کہ بجلی کی قوت بہت سستی ہو جائے گی جس کے معنی یہ ہین کہ ایک معمولی شخص سو سال کے بعد اگر وہ اپنے وقت کا انتظام رکھے اور اس کی قدر جانے تو یہ کر سکتا ہے کہ مہینہ بھر کا کام پہلے ہفتہ مین انجام دے لے اور آخری تین ہفتون مین آرام کرے۔

اہم تغیرات۔ اور اسی طرح لوگون کو اس کا کافی وقت مل سکے گا وہ اپنی تفریح اور سیر وغیرہ پر زیادہ وقت صرف کر سکین گے اور جب وہ رو زانہ فٹ بال اور اسی قسم کے دوسرے تفریحی کھیلون سے تھک جائین گے تو پھر یونیورسٹی تعلیم کیطرف آئین گے کیونکہ اس سے بہتر طریقہ تفریح کا اور کوئی نہین ہو سکتا۔ ذہن اور دل و دماغ کی صحیح معنی مین تفریح درس یونیورسٹی ہی سے ہو گی۔

رابرٹ لائنڈ نے جریدہ "ڈیلی نیوز" مین لکھا ہے کہ لارڈ برکنہیڈ کا اس کہنے سے یہ مقصد ہرگز نہین ہے کہ لوگ گھوڑدوڑ اور لومڑی کا شکار بالکل چھوڑ ہی دین گے۔ یہ بات ہرگز نہین ہے گھوڑدوڑ پر خاصکر اسوقت کی بچت کا بہت زیادہ اثر پڑے گا۔ اس زمانہ کے ہزارہا انگریز اس مین اپنی زندگی کی حقیقی فرحت محسوس کرینگے۔

لارڈ برکنہیڈ بہت جوشیلے نظر آتے ہین گویا کہ وہ خود سائنسدان لوگون مین سے ہین آپ کا خیال ہے کہ فزکس کے ذریعہ سے ایٹم (ذرہ) کی پوری قوت دریافت ہو سکے گی۔ اور پھر یہ بہت آسان ہو گا کہ ایک گھوڑے کی طاقت کا انجن ایک اونس ہو اور ایسا ہونا کوئی غیر ممکن بات نہین ہے اور ۱۰۰ گھوڑے کی طاقت رکھنے والا انجن فاونٹین قلم کے برابر ہو گا۔

کوئلہ کی تجارت۔ ایسے حالات مین یہ قرین قیاس سمجھنا چاہیے کہ زیادہ زمانہ نہین گذرے گا کہ کوئلہ کی تجارت ختم ہو جائے گی۔ لارڈ برکنہیڈ نے گو ایک ہی تجارت کے متعلق اظہار خیال کیا ہے مگر ہم کہتے ہین کہ تمام کاروبار اور موٹر کاروغیرہ کی حرفت بھی آپ ہی آپ ختم ہو جائے گی۔ سائنس کو قدرت کے معاملات مین بہت کچھ دخل ہو گا۔ اور کھانے پینے مین بھی کسی خاص اہتمام کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ مختصر یہ ہے کہ اس زمانہ کی دنیا مین ہر شخص کچھ ایسا خود غرض ہو گا کہ اسے اپنی ہیئت کھا جانے مین کوئی دریغ نہ ہو گا۔

مصنوعی گوشت۔ سب سے زیادہ خوفناک چیز جو ۲۰۳۰ء کی ایجاد و اختراع مین شامل

ہوں وہ یہ ہے کہ گوشت مصنوعی طریقہ پر بنایا جائے گا۔
سب سے اعلیٰ قسم کا گوشت بیل اور بکری کا ہے۔ اور یہ چیزین سائنس کے عمل سے بہتر سے بہتر صورت مین بنائی جا سکین گی اسی طرح اسکی ضرورت قطعی باقی نہ رہیگی کہ بیل کو پالا جائے اور پھر ضرورت کے وقت اسکو کام مین لایا جائے۔ مصنوعی گوشت کی تیاری مین زیادہ عرصہ تو نہین لگے گا۔ مگر ہان ہر معمل خانہ مین گوشت کی پیداوار کا انتظام ہو گا۔ بلکہ یہانتک ہوگا کہ مصنوعی گوشت جو زیادہ ہو گا اسکو مارکیٹ مین فروخت کیا جائے گا۔ اس سے بھی زیادہ ایک شخص کے لیے یہ حیرت کا موجب ہو گا کہ عورتین اپنے بچے جننا چھوڑ دین گی۔ اور انھیں دردِ زہ سے نجات مل جائے گی کیونکہ جسم کے بیرونی حصہ سے بذریعہ سائنس کے بچہ پیدا کیا جا سکے گا۔ جسم کی پرورش کی صورت یہ ہو گی کہ ان کے جسم کی اوپر کی کھال مین ایک شیشہ کا حلقہ قائم کیا جائے گا۔ اس مین بچہ رہے گا۔
اس کے علاوہ نوجوان بننے کا یہ عالم ہو گا کہ ڈیڑھ سو برس کی عمر تک زندہ رہنا ایک معمولی بات ہو گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص ہو گا جو اس طویل عمر تک ۲۰۳۰ء کی دنیا مین رہنا پسند کرے گا!

جنگ کے خطرات۔ اس مین کسی کو ذرا کلام نہین ہو سکتا کہ سائنس اس سو سال کے عرصہ مین کیا کیا ترقی کر جائے گی۔ مگر جیسا کہ خود لارڈ برکنھیڈ کا خیال ہے کہ جنگ کا سدباب نہین ہو سکے گا۔ سدباب یا کسی کمی کا واقع ہونا تو درکنار۔ پیشین گوئی ہے تو یہ پایا جاتا ہے کہ بجائے مجلس اقوام کے وہان ایسے ایسے خطرناک گیس ہون گے کہ بیان سے باہر۔ یہ معمولی بات ہو گی کہ ایک مدت کے لیے کوئی شخص گیس کی ذریعہ سے بیہوش کر دیا جائے۔ اور بیہوش ہونے والے شخص کی تندرستی پر کچھ اثر نہین پڑے گا۔ گیس ہی پر کچھ منحصر نہین ہے آلات جنگ مین ایک خطرناک آلہ آبدوز کشتی ہو گا جو ضرورت کے وقت فضا مین پرواز بھی کر سکے گا۔

برطانیہ کا جدید دار السلطنت۔ خیال ہے کہ ایک صدی گذرنے پر برطانوی امپائر کا دار السلطنت بجائے لندن کے کینڈا یا آسٹریلیا ہو گا۔ اور ہندوستان برطانوی سلطنت کا ایک جزو اور حکومت کا وفادار ہو گا۔ موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوے اہل ہند کے لیے لارڈ برکنھیڈ کا یہ قول کبھی بھی قابل تسلیم نہین ہو سکتا۔ نہین کہا جا سکتا کہ ایک

صدی مین اوزنٹ کس کل بیٹھے ہندوستان کو اپنی غلامی کا احساس پورے طور پر ہو چکا ہے اور آج ۱۹۳۰ء مین وہ سول نافرمانی کے ذریعہ سے آزادی کامل حاصل کر لینے کے درپے ہے۔)

یورپ پر اہل چین کی یورش - لیکن یورپ پر چین کا ایک نپولین یورش کرے گا۔ یہ جنگ صرف اس غرض کے لیے ہوگی کہ زرد اقوام کے اقتدار حکومت سے آزادی حاصل کی جائے اور اس کے بعد مین جو جنگین ہون گی ان سے محض اظہار دشمنی اور بدلہ لینا مقصود ہوگا۔

سب سے بڑا اور اہم واقعہ نیگرو جمہوریت کا اپنے ملک افریقہ پر قبضہ کر لینا ہوگا۔ دنیائے ۲۰۳۰ء کی تصنیف مین لارڈ برکنہیڈ نے یہ پیش گوئیان ایک دو ہی جنہ دن کی نہین کی ہین بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی شعبہ ایسا نہین ہے جس کے بارے مین کوئی نہ کوئی پیشگوئی نہ کی گئی ہو۔ غالباً اس کتاب کی تصنیف کے وقت لارڈ موصوف کے پیش نظر یہ رہا ہے کہ دنیا کا کوئی عنوان ایسا باقی نہ رہے جس کے متعلق ان کی پیشین گوئی نہ ہو۔ سیاسیات کے بارے مین آپ فرماتے ہین کہ "فرقون اور جماعتون کی سیاسیات کے بجائے اس وقت ماہران فن کی حکومت ہوگی۔ اور اس سے ہمارے بعد آنیوالے اصحاب مطمئن ہون گے۔

لارڈ برکنہیڈ نے عورتون کے بارے مین بھی ایسی ہی ایک پیش گوئی کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پیش گوئیان صرف مردون کے متعلق نہین کی گئی ہے بلکہ صنف نازک کی بابت بھی ہین۔

آیندہ لڑائیان - لڑائیان بالکل مختصر ہوا کرین گی۔ اور ایسی ظالمانہ طریق پر نہین ہون گی جیسی کہ پہلے ہوتی رہی ہین اس کا ثبوت یہ ہے کہ جنگ عالمگیر خواہ کیسی ہی وحشیانہ تھی لیکن سپاہیون کو کھانے پینے کی کوئی کمی نہ تھی۔ ہر طرح کی آسائش پہونچتی تھی۔ حالانکہ پہلے زمانون مین ایسا نہین ہو سکتا تھا اور سپاہی کو ناقابل بیان تکلیفون اور مصیبتون سے واسطہ پڑتا تھا تو گویا پہلے زمانے کی لڑائیون کی نسبت جنگ عالمگیر کا انتظام بہتر تھا۔ ذرا سپاہی کو چوٹ لگی یا زخمی ہو گیا تو ہسپتال مین داخل ہو گیا۔ اور مقابلۃً بہت ہی تھوڑے عرصہ مین تندرست ہو گیا حالانکہ پہلے زمانون مین بعض وقت معمولی زخمون سے مناسب غور و پرداخت نہ ہونے کے باعث وہ موت کے منھ مین چلا جاتا تھا۔

پانی کی طاقت پر قبضہ کر کے یہ ممکن ہو سکے گا کہ ہمالیہ جیسے پہاڑون سے

ذریعے صنعت و حرفت کی ترقی ہو جاے جامع غذائین دن بدن گھٹتی جائین گی۔ لہذا ڈنمارک۔ نیوزی لینڈ۔ ارجن ٹائن اور کنیڈا کے لوگ کم ہوتے جائین گے تاوقتیکہ وہ اپنے لیے دولت کا کوئی اور نیا ذریعہ تلاش نہ کرین قلعی اور تانبے کا قحط پڑ جائے گا۔ کوئی علاقہ بلیک کونٹی کیطرح بڑے بڑے شہرون سے گنجان طور پر آباد نہ ہو گا۔ کیونکہ "قوت" ارزان ہو جانے کے باعث ایسے گنجان شہرون کی ضرورت نہ رہیگی۔ گاؤن مین رہنا بھی ویسا ہی آرام دہ ہو گا جیساکہ شہرون مین رہنا۔ انگلستان مین زراعت نہ ہوگی اور وہ ایک نہ ختم ہونیوالی تفریح گاہ نبجائے گا۔ دستکار۔ لوگ اپنے دستکاری کے طریقون کو اعلی الجبر اکیطرح صیغہ راز مین رکھا کرین گے اور وہ ایسے زبردست ہو جائین گے کہ ملک کی حکومت مین ان کا سب سے زیادہ حصہ ہو جاے گا۔

سائنس پر ایمان۔ سائنس پہ آج کل بھی ہمارا ایمان زبردست ہے اور ایک صدی مین وہ ایمان دیوانہ وار ہو جاے گا۔ حتی کہ سنہ ۲۰۳۰ء مین وہ دنیا پہ اس طرح حاوی ہو جائے گا جسطرح گذشتہ درمیانی زمانون مین رومن کیتھولک کلب۔

علم الارواح یقینی علوم مین شمار ہونے لگے گا اور جونہی کہ اس علم الارواح پہ انسان حاوی ہو جاے گا تو فرقہ دارانہ تفریقات کا قلع قمع ہو جاے گا۔ مدبرین بہت ہوشیار اور سمجھدار (ضرورت سے زیادہ) ہو جائین گے۔ اور اپنی ہر ایک تجویز عرض بیگی کے ذریعہ سے بادشاہ سے منظور کرالیا کرین گے۔ مزدور مہینہ مین صرف ایک ہفتہ کام کیا کرین گے۔ لیکن چونکہ تعلیم کے ذریعہ ان کے دماغی قواے اعلی زیادہ ترقی یافتہ ہون گے اس لیے وہ اتنے محدود دنون مین ہی سارے مہینہ کا کام کر سکین گے۔ محنت کی باقاعدگی اور سرگرمی ہفتہ ہی مین سب کمی پوری کر دیا کرے گی۔ گھوڑدوڑ اور لومڑی کا شکار معمولی طور پر جاری ہی رہے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ زیادہ ہردلعزیز ہو جائے۔ انسان صرف تین قسمون کے کپڑون پر اکتفا کرے گا۔ ایک لباس معمولی طور پہ پہننے والا۔ دوسرا کام کرنیکے دوران مین اور تیسرا سیر و تفریح کے وقت زیب بدن کرنے والا۔ ان مین سے ہر ایک لباس آرام دہ اور قوانین صحت کے مطابق ہو گا۔ وہی جیساکہ آج کل عورتین پہنتی ہین۔ گرین لینڈ اور صحراے اعظم کھیلنے کے میدان بن جائین گے۔ کوئی ایکٹر اگر گا رہا ہو گا تو ہزارون میل کی فاصلے پہ ریڈیو کے ذریعہ سے وہ اسیطرح گاتا ہوا جسمانی طور پر دکھائی دے گا گویا کہ وہ بالکل

دو قدم پر ایکٹ کر رہا ہے۔ تھیٹر اور اوپرا ہاؤس جون کے تون ترقی کرتے جائین گے - انگلستان ہندوستان پر قابض رہے گا -

---

ریویو

فلسفۂ تصوف اس مختصر رسالے کے مصنف حکیم محمد عبدالقوی صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے مشہور طبیب ہین حکیم صاحب موصوف علاوہ ایک حاذق طبیب ہونے کے علوم جدیدہ اور فنون لطیفہ مین بھی نظر وسیع رکھتے ہین۔ آپ نے ایک عرصہ سے کوچۂ فقر مین قدم رکھکر مجاہدۂ جسمانی و تفکر روحانی سے جو بصیرت قلبی حاصل کرلی ہے یہ رسالہ انھین مجاہدات و تفکرات کا نہایت کارآمد و مفید نتیجہ ہے مسئلۂ وحدت الوجود کی زیر اثر عام عقائد کے خلاف حکیم صاحب نے طریقت کو شریعت سے بالکل علیحدہ کر کے دکھلایا ہے۔ اور اس دعوے کے ثبوت مین بڑے بڑے عارفین و موحدین مثلاً حضرت مولنا رومؒ حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ۔ حضرت مغربیؒ۔ حضرت جامیؒ وغیرہم جیسے بزرگان سلف کا کلام بھی پیش کرتے گئے ہین۔ غرضکہ اپنے ہر دعوے کو عارفانہ و فلسفیانہ رنگ مین نہایت خوبی کے ساتھ ثابت کردیا ہے۔ عارفین ملاحظہ فرما کے کیفیات وجدانی سے مسرور ہون۔ اور تعلیم یافتہ حضرات اپنی معلومات مین اضافہ کرین۔ ملنے کا پتہ دفتر رسالہ "الناظر" وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ۔ لکھائی اور چھپائی معمولی حجم ایک جز قیمت چار آنہ (۴؍)

فلسفۂ موسیقی - یہ رسالہ بھی حکیم صاحب موصوف کے وسعت نظری اور ذوق علمی کا بہترین نتیجہ ہے۔ اس رسالہ مین فن موسیقی کے شرافت اور انسانی سوسائٹی مین اس کی ضرورت پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ موسیقی کا تعلق تمام عالم اور انسان کے ساتھ قدرتاً کس حد تک اور کیونکر ہے نہایت دلچسپ طریقہ سے ثابت کیا ہے۔ ہندوستان مین ہندی اور اسلامی موسیقی کا اتحاد اور اسکی ترقی و تنزل کے اسباب تاریخانہ نظر سے دکھائے گئے ہین۔ شاعری اور موسیقی کا اتحاد اور دونون کا لازم و ملزوم ہونا نہایت دلچسپی اور خوبی سے ظاہر کیا گیا ہے۔ نتیجے کے طور پر فنون لطیفہ سے قومی و ملکی ترقی کے اسباب اخذ کیے گئے ہین۔

لکھائی چھپائی اچھی ہے۔ دفتر رسالہ "اعجاز" بارہ بنکی سے ۴؍ مین دستیاب ہوگا

۱۹۳۰ء کا خاتمہ اور ہمارا نیا ناول

قدرافزایان دلگداز- آپ کی توجہ و عنایت سے آپ کے پیارے دلگداز نے ۱۹۳۰ء کو غیر معمولی خوش انتظامی کے ساتھ خاتمہ پر پہونچا دیا- اور آنیوالے سال ۱۹۳۱ء کی مبارکباد پیش کر کے عرض کرتا ہے کہ نیا چندہ وصول کرنے کا وقت آگیا- سال آئندہ کا چندہ وصول کرنیکے واسطے نیا ناول "ماہ دشت" چھپ رہا ہے- جو انشاء اللہ آخر جنوری یا شروع فروری ۱۹۳۱ء میں حسب دستور ہر خریدار کے نام ایکروپیہ بارہ آنہ (عہ۱۲) پر وی پی روانہ ہوگا- ہمارے قدرافزا اس کے لینے کے واسطے طیار رہیں جس کا حساب حسب تفصیل ذیل ہوگا-

چندہ دلگداز ۱۹۳۱ء (عہ۱۸) محصول ڈاک و فیس رجسٹری ۴ جملہ عہ۱۲-

بعض حضرات ایسے ہیں کہ جن کے ذمہ سال ہائے گذشتہ کا چندہ باقی ہے وہ بھی توجہ فرما کے اپنا گذشتہ چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں- جو صاحب آئندہ خریدار رہنا نہ چاہیں وہ مہربانی کر کے ہمیں مطلع کردیں- اُن کی اس اطلاع سے ہم چار آنہ کے نقصان سے جو ناول کے روانہ کرنے میں خرچ ہوتا ہے بچ جائیں گے-

اکثر حضرات جب انعامی ناول کے وی پی طیار ہو جاتے ہیں تو اطلاع دیتے ہیں کہ فلاں فلاں کتابیں بھی اس وی پی کے ساتھ روانہ کردی جائیں- ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ یہ پرچہ پہونچتے ہی ہمیں اطلاع دیں-

ہمارا نیا ناول جو بطور ہدیہ پیش کیا جائے گا خلیفۂ ثانی یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کے حالات سے بھرا ہوا ہے- اور اس میں حسن و عشق کے مختصر مگر دلچسپ حالات کے ساتھ اس زمانہ کے فتوحات و دیگر کیفیتیں بیان کر کے صحابۂ کرام و تابعین عظام کے مختصر حالات بھی حاشیہ میں تحریر کردیے گئے ہیں-

خاکسار- حکیم محمد سراج الحق- منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان- لکھنؤ

معزز ناظرین- ماہ صیام اور عید مبارک کا زمانہ قریب ہے- آپ کے کارخانہ روضۃ الریاحین نے عطاروں کی فراہمی کا خاص انتظام کیا ہے- فرمائش کرتے وقت اس کا پتہ نہ بھولیے-

منیجر کارخانہ روضۃ الریاحین- کٹرہ بزن بیگ خان- لکھنؤ

تصانیف مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم

مولانا شرر کے خیالی ناول

۴۱- آغا صادق کی شادی، دلچسپ قصہ ۱/

۴۲- حسن کا ڈاکو، جرائم کے متعلق ایک افسانہ ہے دو حصہ

۴۳- اسرار دربار حرام پور، خواب کے بہت سے حالات ہر دو جلد

۴۴- عجیب دان، لہن حیرت انگیز عجائبات کی

۴۵- خوفناک محبت، ہندوستان کی شریف [illegible] کی داستانی وجہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی

۴۶- دلچسپ، مصنف کا پہلا زور قلم ہر دو حصہ

۴۷- دلکش کامل،

ڈرامے اور نظمیں

۴۸- اسیری بابل گولڈ سمتھ کے ایک ڈرامے کا ترجمہ نظم میں

۴۹- زمانہ اور اسلام، ایک [illegible] لیکچر در نظم

۵۰- شب غم - فراق کی بپتا [illegible] رسالہ

۵۱- شب وصل، فراق کے بعد وصل کا بیان

مضامین شرر

شاعرانہ و عاشقانہ دو حصے

تاریخی و جغرافی

گذشتہ لکھنؤ

سیر رجال — سیر علماء

ختم سال و شروع سال

سیر نسواں دو حصے

ادب و تحقیق مسائل

اصلاح قوم و ملت

تاریخی واقعات پر خیال آرائی

نظم و ڈرامہ

دلگداز کی مکمل جلدیں

جلد	جلد
جلد سنہ ۱۸۸۷ء	جلد سنہ ۱۹۱۶ء
جلد سنہ ۱۸۸۹ء	جلد سنہ ۱۹۱۷ء
جلد سنہ ۱۹۰۰ء	جلد سنہ ۱۹۱۸ء
جلد سنہ ۱۹۰۵ء	جلد سنہ ۱۹۲۱ء
جلد سنہ ۱۹۱۰ء	جلد سنہ ۱۹۲۲ء
جلد سنہ ۱۹۱۴ء	جلد سنہ ۱۹۲۳ء
جلد سنہ ۱۹۱۵ء	جلد سنہ ۱۹۲۴ء
جلد سنہ ۱۹۲۳ء	جلد سنہ ۱۹۲۵ء
جلد سنہ ۱۹۲۸ء	جلد سنہ ۱۹۱۰ء

منتخب مضامین دلگداز سنہ ۱۸۸۷ء

متفرق تصانیف

انگلستان کی عورتیں ۱/ — معیار زندگی ۴/

اسلامی سو مجمری شاعر اسلام کے حالات

الحکم الرفاعیہ سید احمد رفاعی کے رسالہ کا ترجمہ ۳/

حلیۃ العذرا، حضرت مریم کی تاریخ ۱/

تاریخ محمدی صلعم اول حصہ دوم کامل

معتزلہ، مولانا کا ایک دلچسپ لکچر ۱۲/

(دیگر مطبوعات دلگداز پریس)

مرزا غالب کی شاعری، مرزا محمد عسکری صاحب کا ایک محققانہ لکچر ۴/ (چار آنہ)

یادش عمل، رینالڈ کے مشہور ناول کا ترجمہ

رفع النقاب، مروجہ پردے کی تردید ۱/

اکادمی کی تاریخ، مرزا محمد عسکری صاحب کا لکچر ۱/

رامائن کے بعض سین ۱/

اتالیق بی بی، میاں کی حرکتوں پر بی بی کی [illegible] ۱/